Scanned with CamScanner

کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار کے آئینے میں

صدر الشریعہ اور خدمتِ حدیث

مجموعہ مقالات

سیمینار منعقدہ عرس امجدی ۱۴۳۰ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۹ء

ترتیب وپیشکش

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

ناشر

دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی ضلع مئو

الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ

نام کتاب: صدرالشریعہ اور خدمت حدیث
مقالات: علمائے کرام
ترتیب: مولانا فیضان المصطفیٰ قادری
اہتمام: مولانا علاء المصطفیٰ قادری
تزئین: مولانا نوید اختر قادری
ناشر: دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی
سن طباعت: اکتوبر ۲۰۱۰ء

رابطہ کا پتہ
دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی
طیبۃ العلماجامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
فون: 222046 -05461
موبائل: 9415250600

میرے امجد علی میر بزم سنن
یعنی صدرِ شریعت پہ لاکھوں سلام

پہلا باب

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

فہرست موضوعات

حضور صدر الشریعہ کے حاشیہ طحاوی کا اجراء

از: حضور محدث کبیر مدظلہ العالی

کتاب وسنت سے استنباط احکام کا عمل عہد صحابہ سے جاری ہے۔ لیکن اصولِ استنباط کے انضباط اور فروع احکام کی فنی تدوین کی طرف سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے توجہ فرمائی۔ اس طرح امام اعظم ہی نے فقہ اور اصول فقہ کی فنی تاسیس کا اقدام کیا، جسے امام محمد رحمہ اللہ اور بعد کے ائمہ نے مزین ومنقح فرمایا، اور قواعد وضوابط کی بھی باقاعدہ تبویب وتفصیل فرمائی۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ہی مسائل کی وہ تمام صورتیں متعین کیں جن سے احکام میں جمع وفرق کے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور ان کے جوابات بھی قلمبند فرمائے۔

کتاب وسنت کے معاملہ میں امام اعظم کو امتیازی بصیرت حاصل تھی، اور اس وصف میں آپ اپنے تمام معاصرین اور بعد کے ائمہ دین کے درمیان ہر طرح سے مقدم نظر آتے ہیں۔ اسی بنا پر امام شافعی نے فرمایا: الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة.

امام کے استخراج مسائل میں ان کے بعض اہل عصر کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ سنت رسول کے بالمقابل اپنی رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے سب سے پہلے امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "کتاب الحجج" میں اہل مدینہ کی طرف سے امام اعظم پر کیے گئے اعتراض ومباحث کا مکمل جواب احادیث صحیحہ اور قیاس شرعی کی روشنی میں تحریر فرمایا۔ ساتھ ہی تحقیقی مباحث بھی منضبط فرمائے۔ اس کے علاوہ امام محمد نے مؤطا اور کتاب الآثار میں بھی امام اعظم کے دلائل کی نشاندہی یا صراحت فرمادی ہے۔

بعد میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "شرح معانی الآثار" میں محدثین کی طرز پر ہر فریق کے دلائلِ استنباط کی تخریج فرمائی، اور احادیث کی صحت وغیرہ پر فنی بحث فرماتے ہوئے قول حق کو ترجیح دی۔ پھر بحث کے اختتام پر قیاس ونظر کی روشنی میں یہ بھی ثابت فرمایا کہ قول ابوحنیفہ کی حیثیت قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔ امام طحاوی نے اپنے دلائل میں جن احادیث کی تخریج فرمائی ہے ان کی صحت محدثین کے نزدیک بیّن وظاہر ہے۔ اسی بنا پر بہت سے ائمہ نے سنن اربعہ پر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو ترجیح دی ہے۔

شرح معانی الآثار پر سب سے پہلے امام بدرالدین العینی حنفی نے دو شرحیں "نخب الافکار" اور "مباني الأخبار" تصنیف فرمائی۔ مگر ان شرحوں میں متنِ احادیث اور ابحاثِ امام طحاوی پر ہی تشریحی کام انجام دیا، رجال احادیث پر گفتگو نہ فرمائی۔ اس لیے ایک تیسری شرح "مغاني الأخبار في رجال معاني الآثار" خاص رجال طحاوی کے متعلق تصنیف فرمائی۔ لیکن علامہ عینی کی یہ شرحیں اب تک نایاب ہیں، معلوم ہوا ہے کہ جامعہ ازہر قاہرہ میں مخطوطات کی لائبریری میں وہ موجود ہیں۔

ہندوستان میں شرح معانی الآثار کے جتنے نسخے طبع ہوئے وہ سب کے سب غیر محشی ہیں، البتہ مطبوعہ نسخہ کے کسی کسی صفحہ

پر حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کی چند جملوں پر مشتمل تشریح مل جاتی ہے۔

"شرح معانی الآثار" فنی خصوصیات کی وجہ سے اہم ترین کتاب تھی اور داخل درس بھی، اس لیے طلبہ کے اصرار پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی شرح بصورت حاشیہ تحریر کرنے کا قصد فرمایا، اور کام شروع کیا، چند ماہ میں ہی کئی سو صفحات قلمبند فرمائے کہ اچانک نگاہ پر "گلاکوما" کا حملہ ہوا، جس سے آپ کی بینائی چلی گئی، پھر شرح کا کام بھی موقوف ہوگیا۔

جب میں کتاب فہمی کے قابل ہوا تو اس کی تکمیل کا ارادہ کیا، پہلے میں نے حضرت صدر الشریعہ کے حاشیے پر نظر ثانی شروع کی اور کہیں کہیں چند جملوں کے نوٹ لکھے، مگر کچھ خارجی عوائق کی بنا پر یہ کام بھی موقوف ہوگیا۔ پھر میں نے یہ کام عزیز گرامی قدر مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب سلمہ کو سپرد کیا۔ بحمدہ تعالیٰ انھوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ از اول تا آخر حواشی پر نظر ثانی اور تصحیح کا کام انجام دیا، مٹے ہوئے الفاظ کو درست کیا، کتاب کی فوٹو کاپی جہاں جہاں ناقابل خواندگی تھی باریک بینی سے اس کی تصحیح کی، متن وحاشیہ کو کمپوز کیا، متن وحاشیہ دونوں کے صفحات کی مطابقت کا کام بہت ہی مشکل تھا وہ بھی خود ہی انجام دیا۔ الحمد للہ کتاب کا جزءِ اول تیار ہے۔

کچھ حاشیے سے متعلق:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ زبردست محقق اور صائب الرائے مدرس تھے۔ فقہی بصیرت میں یگانۂ روزگار، حدیث اور شرحِ احادیث میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ دیگر منقولات ومعقولات پر بھی آپ کو بھرپور عبور حاصل تھا۔ اس لیے آپ نے کمالِ تحقیق کے ساتھ طحاوی شریف پر حاشیہ نگاری شروع کی، جب کہ آپ کے لیے امام بدرالدین عینی کی شرحیں بھی مہیا نہ ہوسکیں۔ حاشیے کے مطالعہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے حاشیے کے کسی گوشے کو تشنۂ بحث نہیں چھوڑا۔ طلبہ کی فہم وضرورت کے پیش نظر اولاً آپ نے صرف متن حدیث اور ابحاث امام طحاوی پر حاشیہ نگاری فرمائی، پھر چند صفحات کے بعد ہی اندازِ نگارش میں یہ اضافہ فرمایا کہ شرح معانی الآثار کی احادیث جو دیگر کتب حدیث میں تخریج کی گئی ہیں ان تخاریج کا بھی اضافہ فرمایا ہے، اور بقدرِ ضرورت رجال پر بھی گفتگو فرمائی، تاکہ کتب احادیث کے درمیان شرح معانی الآثار کا مرتبہ متبین ومتعین ہوسکے۔ اور امام بیہقی نے اپنی مذہبی عصبیت کے زعم میں امام طحاوی کی کتاب پر اور ان کی علمی بصیرت وحفظِ حدیث پر جو کچھ اوچھے حملے کیے ہیں ان سب کا جواب حضرت صدر الشریعہ کے اس اندازِ حاشیہ نگاری سے ہوجاتا ہے۔ جہاں جہاں امام طحاوی کی ابحاث کے علاوہ مزید بحثوں کی گنجائش تھی اس حاشیے میں ان بحثوں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ اس حاشیے میں مشکل الفاظ کی تنقیح، متن حدیث سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام اور کئی قسم کے فوائد اور دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اس حاشیہ کا مطالعہ کرنے والا خود اس کی اہمیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد تر ان حواشی کا جزءِ ثانی منظر عام پر لائے۔ اور شکر گزار ہوں مولانا فیضان المصطفیٰ کا کہ انھوں نے اپنی کاوش سے یہ کام انجام دیا، اور ان سے امید ہے کہ شرح معانی الآثار کے باقی حواشی کی تکمیل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور ان کے تحقیقی کاموں میں برکت دے۔ اور اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے۔ (آمین)

خطبۂ قیادت

بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم گھوسی

(نوٹ):۔حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی نے ''صدر الشریعہ اور خدمت حدیث'' کے نام سے منعقد سیمینار میں یہ مختصر مگر جامع خطاب فرمایا تھا۔حضرت کے ضعف ونقاہت کی وجہ سے الفاظ پورے طور پر واضح نہیں سنے جاسکے تھے۔راقم نے اپنی داشت پر ان کے خطاب کا اہم حصہ حتی المقدور انھیں کے الفاظ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔حضرت کی طبیعت کافی دنوں سے ناساز چل رہی ہے۔اس خطبہ کے بعد آپ ممبئی علاج کے لیے تشریف لے گئے۔اس کے بعد سے گھر پر تشریف فرما ہیں۔حضرت کی صحت یابی کے لیے قارئین حضرات سے خصوصی دعاؤں کی گزارش ہے۔(آل مصطفیٰ مصباحی)

کوئی اہم تحریری کام اسی طرح انجام پاتا ہے کہ شاگردوں میں کچھ لکھنے والے ہوں کچھ ان میں حوالہ نکالنے والے ہوں، کچھ ان میں عبارت پڑھ کر سنانے والے ہوں۔حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کشف الاستار کے لیے کام اسی طرح تقسیم کر دیا تھا، کہ یہ صاحب لکھیں گے، یہ صاحب مضامین تلاش کریں گے، یہ صاحب فلاں کام کریں گے۔مگر آج بڑی مصیبت یہ ہے کہ نہ کوئی کرنے والا ہے، نہ کوئی سننے والا، اللہ تعالی رحم فرمائے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات بڑی بابرکت ذات تھی، لوگ سمجھتے ہوں گے کہ وہ صرف عالم ہی تھے، ایسا نہیں وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، جس زمانے سے میرا ان سے رابطہ ہوا اسی زمانے سے میں نے دیکھا کہ حضرت بڑے مہمان نواز بھی تھے، مہمانوں کو کھانا کھلاتے، ناشتہ کراتے، دستر خوان بھی اچھا ہوتا، اگر کوئی ان کا مہمان کسی جان پہچان والے کے یہاں کھانا کھالیتا اور حضرت کو اس کا علم نہ ہوتا تو بڑے ناراض ہوتے، اور کہتے آپ میرے مہمان ہیں۔

ایک صاحب بریلی شریف سے حضرت کے یہاں آئے تھے، میں بھی حاضر تھا، رات کو تراویح پڑھ کر ہم لوگ سو گئے، صبح بیدار ہوئے، حضرت اس وقت پرانے مکان میں رہتے تھے، پرانا خستہ مکان دیکھ کر ان صاحب نے کہا: حضور آپ جماعت اہل سنت کے اکابرین میں ہیں۔اور آپ کا یہ حال ہے کہ مکان ٹھیک ٹھاک نہیں ہوا ہے۔حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ میرا ابھی ایک شاندار مکان کچھ دوری پر ہے، جو پختہ اور کشادہ ہے۔مگر اس خستہ مکان میں رہنے میں مجھے زیادہ لذت محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ یہاں سے مسجد قریب ہے، یہاں لکھنے پڑھنے کا کام زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علم پھیلاتے تھے، گھنٹوں انہیں ٹیک لگانے کا موقع نہیں ملتا تھا، لکھنے کا حال یہ تھا کہ جملہ بولتے چلے جاتے تھے، اور لکھنے والے لکھتے جاتے، وہ ایسے تقوی طہارت والے تھے کہ جن کو سنور طب اللسان ہے۔حضرت علامہ غلام

جیلانی میرٹھی رحمہ اللہ کے سامنے تذکرہ آیا تو رونے لگے، اور مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ''کافیہ'' کی شرح لکھی تو لکھا (اس کا خطبہ کیا ہے میں بھول گیا کافیہ کی شرح کا خطبہ تھا اب میں یاد کروں تو بڑا مشکل ہے، یاد نہیں آتا) اس میں لکھا یہ تھا "الحمد لله الذي هو أمجد علي" تو ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایسے خطبہ کی کیا ضرورت تھی؟ میرٹھی صاحب رو کر کہنے لگے: میں ان کا نام کیوں نہیں لیتا، کبھی بیمار رہتے، شدت کا بخار ہوتا پھر بھی کہتے تھے: آؤ پڑھ لو، ہمارے استاد مولانا ہدایت اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ایک دن بھی سبق کا ناغہ کرنے سے سبق کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔تو جس نے اس حال میں ہم کو پڑھایا ہم انھیں کیسے بھول جائیں؟ انہیں سے ہم نے سیکھا۔

انہیں کی یہ کتاب (کشف الاستار) ہے۔ان پر یہ کام ہو رہا ہے، بڑا اچھا کام ہے، یہ تو خیری طبیعت کا کام ہے۔میں نے حضرت کی سوانح حیات لکھی تھی، پورا کام نہیں ہو سکا، مگر جتنی تھی وہ بے چارے شرف صاحب آئے، وہ لے گئے، وہ چھپ گئی ہے۔تو اب یہاں یہ مجلس (صدر الشریعہ سیمینار) بہت اچھی ہوئی، اب اسی لائن پر کام ہونا چاہیے، تاکہ کچھ کام ہو سکے۔حضرت صدر الشریعہ کے طرز پر حدیث کی ایک کتاب جمع ہو جائے تو میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوگی۔اور تمام مسلمانوں کا بھلا ہو گا۔وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

باقی صفحہ ۹۳ کا.........نماز پڑھنے کا حکم دیا اور لوگوں کو صدقہ دینے پر ابھارا تو لوگوں نے اپنے کپڑے ڈال دیئے۔آپ نے ان میں سے دو کپڑے اس شخص کو عنایت فرمائے۔پھر دوسرے جمعہ کو آپ نے صدقہ کا حکم دیا تو اس نے اپنا ایک کپڑا صدقے میں دے دیا۔

آپ نے اسے منع فرمایا اور کہا اپنا کپڑا لے لو۔اس حدیث سے اس بات کا بھر پور اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ومنشائے مبارک یہ تھا کہ جب اس صحابی سے دو رکعت نماز پڑھوائی جائے گی تو لوگ ان کی شکستہ حالی دیکھ کر ان پر صدقہ کریں گے کیوں کہ وہ پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس تھے۔حدیث شریف میں خطبہ کے وقت امر بالمعروف سے بھی ممانعت وارد ہوئی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں "اذا قلت لصاحبک انصت والامام یخطب فقد لغوت" (جب تم نے اپنے ساتھی سے دوران خطبہ چپ رہنے کو کہا تو تم نے لغو کام کیا) یہ حدیث صحیح بھی ہے اور اس کی صحت متفق علیہ ہے بلکہ وہ تواتر کے قریب ہے تو جب اس حدیث پاک میں خطبہ کے وقت اس امر بالمعروف سے روکا گیا جو اس حالت میں فرض ہے تو سنت یا مستحب کے ادا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہوگی۔لہٰذا قصد تصدق کو علت کاملہ قرار نہ دینا صرف جزءِ علت قرار دینا نامناسب بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اگر چہ بظاہر قصۂ سلیک کے معارض ہے مگر یہ حدیث قوی ہے۔لہٰذا ترجیح اسی کو حاصل ہوگی اور اس سے بھی قوی آیت کریمہ "اذا قرا القرآن فاستمعوا له وانصتوا" ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو، تو صاحب ترتیب کے علاوہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز پڑھے خواہ فرض ہو یا سنت یا صلوٰۃ تحیۃ المسجد کی، یہی امام اعظم کا مسلک محقق ہے۔۱۲

خطبۂ صدارت

حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد! اللہ کا شکر ہے کہ اتنے علمائے کرام اور ساتھ ہی حضرت بحر العلوم مدظلہ نے اس سیمینار میں شرکت فرما کر ہم لوگوں کو عزت اور سرفرازی سے نوازا۔ حاشیہ طحاوی کی اشاعت کا میرے اوپر بہت بڑا قرض تھا جو اَب بحمدہ تعالیٰ ادا ہوا۔ لوگ کہتے رہے کہ حاشیہ طحاوی شریف کو یہ دبائے بیٹھے ہوئے ہیں، اعتراضات اور طعن میں نے اپنے بڑوں سے بھی سنے، اور اپنے معاصرین سے بھی، اور اپنے بعض جو ہمارے طلبہ ہیں ان سے بھی ہم نے سنے، میرے برادر گرامی حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب نے بار بار مجھ سے تقاضا کیا کہ وہ مسودہ کیوں دبائے رکھے ہوئے ہو، اسے دیدو۔ میں نے کئی طرح سے ان سے حیلے اور بہانے کیے، اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ وہ ناشر ہیں، محقق نہیں۔ اور اس مسودہ کو باقاعدہ نظر تحقیق سے دیکھنے کے بعد ہی شائع کیا جائے گا۔ میں نے کئی بار اس پر کام شروع کیا، کچھ کام ضائع ہوئے، اور کچھ موجود ہیں مگر میرے قبضہ میں نہیں۔ تو میں نے یہی نیت کی کہ باقاعدہ اس حاشیہ طحاوی شریف پر تحقیقی حاشیہ بھی تعلیق کے طور پر ہونا چاہیے، مگر میں نے اپنی مصروفیات اور اپنے کم علمی کی وجہ سے تاخیر دیکھی، اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید میں دو چار سال زندہ رہ پاؤں کہ نہ رہ پاؤں۔ میرا علمی ہاتھ بٹانے کے لیے ایک روز مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب میرے پاس آئے، کہ آپ کے اس کام (شرح ترمذی) میں ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ ہاتھ بٹانا ہے تو میرے اس کام میں نہیں، کیوں کہ میں اپنے کام کو کوئی حیثیت نہیں دیتا، تم حضرت صدر الشریعہ کے حاشیے پر کام شروع کرو اور اس میں میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔ اور میں نے کہا کہ اس کو خوب اچھی طرح دل میں محفوظ کرلو کہ یہ کام تمہارے ہی ہاتھ سے ہونا ہے، یہ بات ان سے ہوئی، مگر چند ہی مہینے کے بعد بغیر میری اطلاع کے آپ مسافر امریکہ ہوئے۔ مگر اللہ کا شکر ہے۔ میں نے ان کو فون پر کہا تھا کہ امریکہ میں علمی اعتبار سے بساط کی طرح سے لپیٹ دیے جائیں گے، وہاں پر کوئی علمی اور تحقیقی کام نہیں ہوسکتا، جتنے دن پیسے کی کمی محسوس ہو رہی ہے رہ لو، اور جلد واپس آنے کے لیے اپنا رخت سفر باندھو۔ کام یہیں کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ہے اور مجھے اس بات پر ناز ہے کہ انھوں نے اور علماء کی طرح سے امریکہ اور یورپ کو اپنا مستقر نہیں بنایا۔ بلکہ انھوں نے بھی یہ احساس کیا کہ میرا علم غائب ہو جائے گا، اس لیے انھوں نے رجعت کی۔ اس رجعت قہقری کے ساتھ یہ اپنے ساتھ مسودہ کا قریب قریب پورا کام ایک جلد کا مکمل کر کے تشریف لے آئے۔ اور انھوں نے میرے سامنے رکھا۔ چند جگہ پر ان کو اشکال نظر آیا، میرے سامنے رکھا، کچھ ہی دیر میں وہ جگہیں حل ہو گئیں۔ اب انھوں نے چاہا کہ میں اس پر کچھ تحشیہ کروں، تو میں نے کہا کہ ابھی تو وقت نہیں ہے۔ خیر، میں نے کہا جیسے ہو گیا ہے ویسے چھاپو، اللہ نے توفیق دی تو میں نہیں تو کوئی نہ کوئی اس پر حاشیہ نگاری کرے گا۔

الحمدللہ یہ حاشیہ حاشیہ بھی ہے، شرح بھی ہے، اور تحقیق بھی ہے۔ اور یہ کتاب اپنے اندر جامعیت رکھتی ہے، ورنہ کتاب کے صفحات کو پھیلانے کے لیے بہت سی جگہیں ایسی ہیں کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ صدر الشریعہ نے جان بوجھ کر اس کو بیان نہیں کیا، کیوں کہ جو چیز علما سمجھتے ہیں اور تھوڑے علم والے بھی وہ جگہ حل کرلیں گے تو کیوں حل کیا جائے۔ الفاظ کی تحقیق انہیں جگہوں پر فرمائی جہاں پر تحقیق بہت ضروری ہے۔ ورنہ انھوں نے بہت سے ایسے مشکل الفاظ کو چھوڑ دیا ہے جنھیں ذرا سا توجہ کرنے کے بعد لوگ حل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے اسماء الرجال پر بھی کلام انھیں جگہ پر زیادہ ضروری سمجھا جہاں مذہب کی تائید و تحقیق کے لیے ضروری تھا کہ وہاں پر اسماء الرجال پر کلام کیا جائے۔ اس لیے یہ کتاب اپنے اندر بھرپور جامعیت رکھتی ہے۔

محشی نے اقوال کے نقل کرنے میں کہیں بھی بخل نہیں کیا، اور اپنے خلاف دلائل جمع کرنے میں بھی کہیں ایسی رائے اختیار نہیں کی کہ جس طرح سے بعض مصنفین کو ہم نے دیکھا کہ اپنے اس مذہب کی جس سے ان کو مخاصمت ہے اس مذہب کو نقل کرتے ہیں تو دلیلیں کمزور کر کے نقل کرتے ہیں، آپ نے ہو بہو ان کی کتابوں میں جیسی دلیلیں تھیں ویسے ہی نقل فرمایا، پھر اسی طرح سے آپ نے جواب بھی دیا، صرف ہمارے اوپر جتنے محققین کے اعتراض وارد ہو سکتے تھے ان سب کی تحقیق کا باقاعدہ جواب بھی آپ نے مرحمت فرمایا۔

اب میں بہت سے مسائل پر گفتگو کرنے کے بجائے ایک مسئلہ پر گفتگو کرتا ہوں۔ وہ مسئلہ پیش نہیں کرنا چاہیے تھا، مگر وہ ایک مسئلہ پیش کر دیتا ہوں۔ منی کی طہارت ونجاست۔ یہ ایک مسئلہ ہے اس کے اوپر حدیثیں ایک ترتیب سے امام طحاوی نے تحریر فرمائیں کہ انھیں حدیثوں کی طرف ایک قوم گئی۔ ان حدیثوں میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض ازواج مطہرات جیسے حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی احادیث جمع فرمائی کہ'' ربما کنت فرکته، افرکه، واحته، واحکه'' اس طرح کے الفاظ اس میں ہیں اب اس سے امام شافعی اور دیگر وہ علما جو کہ منی کی طہارت کے قائل ہیں ان کا استدلال پورا ہوا۔ پھر اس کے بعد'' وخالفهم آخرون'' کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ اب انھوں نے اپنی حدیثیں پیش کیں، پھر امام طحاوی نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ''فرک'' والی حدیثیں جو ہیں ان واقعات سے متعلق ہوں جو سونے والے کپڑے تھے، کیوں کہ ام المومنین نے فرمایا کہ ما کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في لحف النساء اس لیے کہ لباس نماز کے الگ تھے اور سونے کے لباس الگ تھے، یہ انھوں نے ایک استدلال کیا مگر پھر انھوں نے اس کے خلاف بھی ایک دلیل قائم کی بلکہ ام المومنین کی یہ روایت پیش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرک کرواتے، غسل کرواتے، اس کے بعد نماز پڑھتے تو اس پر امام طحاوی نے یہ استدلال کیا کہ ''فرک'' سے بھی طہارت ہو جائے گی جس طرح سے جوتوں کی طہارت اگر تر نجاست لگی ہے اور چلتے چلتے وہ زائل ہو گئی تو وہ جوتا پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر انھوں نے حدیثیں تخریج فرمائی، اب اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے دونوں جہت کی سب حدیثوں پر بھرپور کلام کیا۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ جو حافظ الحدیث بھی ہیں بہت بڑے محقق بھی ہیں اور بڑی ہی دقیق نگاہ بھی رکھتے ہیں انھوں نے حنفیہ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عائشہ کی وہ حدیثیں جو بخاری وغیرہ میں تخریج ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں اگر منی لگ جاتی تو میں دھو دیتی۔ ثم كان يخرج الى الصلوٰة وبقع الماء على ثوبه. بقاع یعنی پانی کا نشان دھبوں کی شکل میں آپ کے کپڑوں پر ہوتا اور نماز پڑھانے چلے جاتے، اس طرح سے کئی روایتیں آپ نے تخریج فرمائی۔ یہاں پر یہ کہنا ہے کہ امام طحاوی نے بھی اس حدیث

کونقل کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: غسل صرف طہارت ہی کے لیے تو نہیں ہوتا۔ اس پر صدر الشریعہ لکھتے ہیں: بے شک غسل طہارت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ طہارت ہی کے لیے غسل کیا جائے، کبھی کبھی برودت حاصل کرنے کے لیے، کبھی میل کچیل صاف کرنے کے لیے، اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن یہ غسل ایک دو مرتبہ کا نہیں ہے، بلکہ مواظبت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ثابت ہوگئی تو یہ غسل وجوب کے لیے ہوا، البتہ خشک منی کے بارے میں خود انھوں نے اعتراض کیا کہ طہارت بغیر غسل کے نہ ہوئی، اس پر امام طحاوی نے جوتے کی مثال دی تھی، میں نے اس میں کچھ اپنے طور پر اضافے کیے تھے میں نے کہا وہ بچے جو کہ دودھ پیتے بچے ہیں ان بچوں کے پیشاب کے لیے ''رش'' اور ''نضح'' سے کام لے لیتے ہیں جب کہ ناپاک مانتے ہیں، تصریح کرتے ہیں کہ ابوال الصبیان ناپاک ہیں، اور ان کی تطہیر کے لیے ''رش'' کافی ہے، غسل کی ضرورت نہیں۔ تو آپ کے نزدیک جب تطہیر کے لیے صرف رش کافی ہے تو غسل کہاں گیا؟ یہ تو میں نے اضافہ کیا، مگر حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی نظیر تو دی جائے کہ رسول پاک نے بے غسل اور فرک کے نماز پڑھی، اس پر حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابن خزیمہ کی وہ روایت تخریج کی اور میں نے بھی اس کو ابن خزیمہ میں دیکھا '' **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي في ثوب به اثر الجماع و كنت أفرک من ثوبه وهو يصلي**'' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جماع کے لباس میں نماز پڑھ لیتے تھے اور ان کے پڑھتے ہوئے میں' میں اس کپڑے سے اس کو فرک کر دیتی تھی۔ تو ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ نماز کے دوران فرک کرتی تھیں اس سے تو ثابت ہوا کہ نماز شروع کی اسی کپڑے میں، جس سے طہارت ثابت ہوگئی۔ مگر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس پر فرمایا کہ عربی میں محاورہ یہ بھی ہے " **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء أن يقول اللهم اني أعوذبک من الخبث والخبائث**"۔ اذا دخل کا معنی کیا ہے؟ **اذا أراد أن يدخل**. یوں ہی "**كان يصلي**"۔ یعنی: ''**كان اذا أراد أن يصلي**''. یہ مراد ہے۔

اس پر میں نے یہ اضافہ کیا کہ مقدار کا اس میں ذکر نہیں ہے، کیوں نہ مانا جائے کہ مقدار قدر درہم سے کم تھی۔ اس لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز ادا فرمالی، یا شروع کرلی۔ نیز ابن خزیمہ کی اس روایت پر بھی کلام کیا جا سکتا ہے، مگر اس وقت وہ کلام ہم نہیں کرتے، اسی متن پر تھوڑا سا کلام کرلیا۔

اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی نظر پورے طور پر ہر گوشے پر ہوا کرتی تھی۔ جیسے استنجا بالحجرین کا باب جو ترمذی کا ہے، دو پتھروں سے استنجا کافی ہے حنفیہ کے نزدیک۔ امام شافعی کے یہاں تین سے کم کی اجازت نہیں۔ تو اس پر امام ابن حجر عسقلانی نے ایک روایت حضرت علقمہ کی پیش کی کہ حضرت علقمہ سے تو روایت ہے کہ دو پتھر کو حضور نے لیا اور مجھ کو کہا کہ تلاش کر وایک تیسرا۔ مگر خود اپنے مقدمے میں علامہ ابن حجر عسقلانی جس وقت ذکر کر رہے ہیں اضطراب کا، کہ اسرائیل کی روایت یوں ہے، قیس ابن ربیع کی روایت یوں ہے، علقمہ کی روایت یوں ہے، زکریا ابن ابی زائدہ کی روایت یوں ہے، فلاں کی روایت یوں ہے۔ سب طرق کو انھوں نے ذکر کیا۔ اور ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں پر صرف زہیر کی روایت لی۔ نہ اسرائیل کی لی، نہ زکریا ابن ابی زائدہ کی، نہ علقمہ کی، نہ قیس ابن ربیع کی، قیس ابن ربیع تو ضعیف ہیں، مگر اور تو ثقہ ہیں، مگر اور کی روایت نہ لی۔ کیوں نہیں لی؟۔ کہتے ہیں: سب کے اندر علت خفیہ موجود ہے۔ اور علقمہ کی روایت کے بارے میں

بھی بتایا کہ اس میں بھی علت خفیہ موجود ہے۔ یہ سب مقدمہ فتح الباری میں خود فرمایا۔ تو صدر الشریعہ نے یہاں فرمایا: کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ عینی کی نظر سے یہ نکتہ چھپا رہ گیا کہ علقمہ کی ایک صحیح روایت یہاں پر موجود ہے، کہ ''تیسرا پتھر تلاش کروایا''۔ حالانکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے تو اپنے مقدمے میں خود اس روایت کے اوپر جرح کی۔ پھر یہاں کیسے اس کی سند پکڑ رہے ہیں؟ ایسی روایت کو کیسے اپنے مدعا کا مدار بنا رہے ہیں؟۔

میں ایک بات یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ سات مہینے کی مدت میں یہ دو جلدوں کا کام حضرت صدر الشریعہ نے جو کیا ہے اس سے آپ کی زود نویسی کا اندازہ نہیں ہوتا؟ وہ بھی زود نویسی تحقیق کے کام میں۔ وہ تحقیق کہ تحقیق کا ایک ایک صفحہ کم سے کم ایک دو روز لے لے، ایک ایک صفحہ میں اتنا وقت لگ جائے، مگر اس سے ان کے علم کے استحضار کا پتہ چلتا ہے۔ اور جس جگہ آپ کام کر رہے تھے وہاں پر تخریج کے لیے تمام تر کتابیں موجود نہیں تھیں کتنی کتابیں وہ ہیں کہ اپنے حفظ سے انھوں نے ان کی تخریج کا ذکر کیا، اور کچھ وہ ہیں کہ نواب حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے ہاں سے منگوائی، اگر ان تخریجوں کے ہی کام میں لگتے تو آپ ذرا سوچو کہ کتنا وقت لگتا، درس پوری گھنٹیوں کا دے رہے ہیں۔ بیمار ہو گئے تو لیٹ کر درس دے رہے ہیں، اور پھر اس کے علاوہ آپ استفتا کا جواب لکھتے ہیں۔ کسی خط کے آنے کے بعد اس کا جواب اتنا ضروری سمجھتے کہ ایک صاحب نے خط کا جواب نہیں لکھا تو آپ نے ان کو لکھا کہ میرا خط آپ کو ملا ہوگا، مگر آپ نے جواب نہیں دیا، خط ملنے کے بعد جواب نہ دینا ایسا ہی ہے جیسے آپ سے کوئی کچھ بات کرے اور آپ اس کو جواب نہ دیں، تو کیا ناخوش گواری ہوگی، تو اس طرح آپ التزاما خطوط کا جواب بھی دیتے، جو تھوڑا سا وقت ملتا تھا اس میں یہ کام کرتے تھے۔ اس میں اگر یہ تحقیق جس کو تخریج کہا جاتا ہے، اس تخریج کا کام اگر شروع کرتے تو سات مہینوں میں ان دو جلدوں میں سے ایک جلد کا آدھا بھی کام مکمل نہیں ہوتا۔ مگر یہ استعداد علمی ہے۔ میں نے بہت سی جگہوں پر چاہا کہ ان تخریجوں کا مقابلہ کروں تا کہ معلوم ہو کہ کہیں کوئی یہ اعتراض نہ کردے کہ فلاں جگہ گھپلا دے دیا ہے صدر الشریعہ نے۔ الحمدللہ ایسی ایسی کتابوں کے حوالے میں نے تلاش کیے جو نایاب تھی اور ان میں میں نے جب دیکھا تو جو جو تخریج دیکھا مل گئی۔ اس سے مجھے سمجھ میں آ گیا کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے پوری دیانت علمی اور پورے استحضار علمی اور پوری قوت فکری اور تمام تحقیق وتدقیق کے ساتھ اس کتاب کو لکھا۔ اور ساتھ ہی اپنے اس عرض حال میں جو کہ بہار شریعت کے سترہویں حصہ میں لکھا اس کا انداز کچھ ایسا ہے کہ جس سے افسوس کا اظہار ہو رہا ہے، کہ میں نے جو لکھا اور اس پر نظر ثانی نہ کر سکا۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نظر ثانی کرتے تو وہ تمام باتیں کہتے جو آنے والے علما کے لیے ایک مشعل راہ بن کر علمی خزانے کا کام دیتیں۔ اللہ تبارک وتعالی حضرت صدر الشریعہ کی قبر اطہر پر انوار و رضوان کی باران بیکراں برسائے۔ اور ان کے ان حواشی سے علماء وطلبہ سب کو فائدہ پہنچائے۔

اب اخیر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں حصوں کی تکمیل کے بعد مولانا فیضان المصطفیٰ پر یہ بوجھ ڈال دیا اور آپ لوگوں سے دعا کا خواہش مند ہوں کہ اب جو باقی پونا کتاب باقی رہ گئی، ایک جلد اور آدھی جلد، اس کی تکمیل کا کام شروع کردیں، عبارتوں کی تخریج کا کام چھوڑیں، آئندہ کوئی کرے گا۔ اگلا کام شروع کریں، میں جو کچھ ہو سکے گا ان کا ساتھ دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

خطبۂ استقبالیہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصباحی صاحب قبلہ استاذ طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

امابعد! حضرات عرس امجدی کے حسین موقع پر "صدرالشریعہ اور خدمت حدیث" کے حوالے سے منعقدہ سیمینار میں ہم تمام اساتذہ منتظمین عرس اراکین جامعہ امجدیہ تمام شرکا کا استقبال کرتے ہیں خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور جملہ حاضرین اور شرکا کے شکر گزار ہیں، کہ آپ سب لوگوں نے اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے سیمینار میں شرکت کر کے ہماری حوصلہ افزائی کیں۔ حضرات یہ پروگرام خالص علمی وفکری پروگرام ہے۔ اس لیے ہماری شرکائے کرام سے گزارش ہے کہ وہ اپنی گفتگو کا محور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا "حاشیہ طحاوی شریف" بنائیں، اور صاحب حاشیہ نے جو علمی نکات ولطائف اپنے تبحر علمی کی روشنی میں ودیعت کیے ہیں انھیں خوب اچھی طرح قوم کے سامنے پیش کریں، تاکہ دنیا پر روشن ہو سکے کہ علمائے اہل سنت نے علم فقہ کے ساتھ ساتھ احادیث کی خدمت کا عظیم اور بہترین کام انجام دیا ہے۔ آج غیروں کی جانب سے الزام لگایا جاتا ہے کہ علمائے اہل سنت نے ہمیشہ بدمذہبوں کی تردید کا ہی کام انجام دیا ہے۔ دیگر ٹھوس علمی مواد کی فراہمی اور علمی کام کے لیے انھوں نے اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ حالاں کہ یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔

ساتھ ہی ساتھ ہم آپ حضرات سے اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ پروگرام میں جو وقت کی تحدید کی گئی ہے اس کا خیال رکھیں، کیوں کہ وقت بہت ہی محدود ہے۔ اور ہمیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے افادات کو سننا ہے۔ اس لیے اگر کچھ لوگ اپنے تأثرات کے اظہار کا موقع نہ پائیں تو ان سے ہماری گزارش ہے کہ وہ تحریری شکل میں اپنے تأثرات ادارہ کے ذمہ داروں کو سونپ دیں۔ انشاء اللہ مجموعۂ مقالات کی اشاعت پر انھیں شامل اشاعت کر لیا جائے گا۔

حضرات! صدرالشریعہ علیہ الرحمہ جن کا علمی فیضان نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے، آپ کے علمی اور فکری کارناموں کو منظر عام پر لانا یہ ہماری جماعتی ذمہ داری ہے۔ یہ صرف ایک فرد واحد یا ادارہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ پوری جماعت اہل سنت کی ذمہ داری ہے کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے علمی اور فنی کارناموں کو منظر عام پر لا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے واقف کرایا جائے۔ الحمد للہ جامعہ امجدیہ رضویہ حضور محدث کبیر مدظلہ النورانی کی سرپرستی اور جامعہ ہٰذا کے فعال ناظم اعلیٰ مولانا علاء المصطفیٰ صاحب کی نگرانی میں اس عظیم منصوبہ پر مسلسل کام کر رہا ہے۔ جس کا ایک نمونہ یہ سیمینار ہے، جس میں ہم لوگ شریک ہیں۔ اس سے پہلے صدرالشریعہ کی شخصیت، اور آپ کی خدمات کے حوالے سے دو عظیم سیمینار ہو چکے ہیں۔ ایک مولانا عبدالمنان کلیمی صاحب قبلہ کی نگرانی میں، اور دوسرا پروگرام آج سے کئی سال پہلے مولانا آل مصطفیٰ صاحب اور دیگر اساتذہ کرام کی کوششوں سے صدرالشریعہ کی شخصیت پر ہوا، اور "حیات وخدمات" کے نام سے ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ یہ تیسرا سیمینار ہے

جس کا موضوع "صدرالشریعہ اور خدمت حدیث" ہے۔

ہم جملہ مندوبین کی بارگاہ میں گزارش کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ہمت افزائی، آپ کی راحت، آپ کی سہولیات کے لیے حسن نظم وضبط کے ساتھ اپنی استطاعت بھرپوری کوشش کی ہے۔ پھر بھی اگر کہیں کوئی کوتاہی کمی محسوس ہو تو آپ اپنے دامن عفو وکرم میں اسے مستور رکھیں، اور ہمیں اپنے نیک مشوروں سے ہرگز محروم نہ کریں۔

میں نے بھی صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت کے تعلق سے حاشیہ طحاوی شریف کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی کرنے کی جرأت کی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنے مقالہ سے ایک اقتباس آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ درود شریف پڑھیے اللهم صل علی سیدنا ومولانا الخ۔

جو لوگ فن حدیث سے شغف رکھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت امام طحاوی کا اسلوب اور منہج علم حدیث کے میدان میں اتنا نرالا ہے کہ جو شخص بنظر غائر طحاوی شریف کا مطالعہ کرتا ہے وہ صاحب کتاب کی حیرت انگیز علمی اور فکری قوت کو دیکھ کر بے حد حیران ومتأثر ہوتا ہے۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ایک باب قائم کیا ہے "باب التطوع في المساجد"۔ اس کے تحت آپ نے کعب ابن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ جب نماز سے آپ فارغ ہوئے تو لوگوں کو دیکھا کہ لوگ نوافل میں مشغول ہیں، تو آپ نے فرمایا "ايها الناس انما هذه الصلوات في البيوت" کہ اے لوگو! ان نمازوں کا محل گھر ہے۔ اس حدیث پاک کی وجہ سے بہت سے محدثین علما مثلاً حضرت سائب بن یزید، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت سوید ابن غفلہ کہتے ہیں کہ مسجد میں نوافل ادا کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ نوافل کا محل گھر ہے۔ اس کے برعکس امام طحاوی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں نوافل پڑھنا بہتر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ نوافل مسجد میں افضل ہے یا گھر میں؟ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے یہ بیان فرمایا کہ گھروں میں نفل کا پڑھنا افضل ہے، اور اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں: "التطوع في المنازل أفضل وقد وردت فيه احاديث منها ما رواه البخاری عن زيد ابن ثابت افضل الصلوٰة صلوٰة المرأ فی بيته الا المكتوبة" چار تخریجات کو ذکر فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسلم، نسائی کے اندر حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لاتجعلوا بيوتكم مقابر" اس طرح آپ نے متعدد احادیث کے ذریعہ گھروں میں نوافل کی افضلیت کو ثابت کیا۔ آخر میں امام نووی اور امام عینی کے حوالے سے آپ فرماتے ہیں: "انما حض علی النوافل فی البیوت لكونها أبعد من الرياء ويتبرک البيت بذٰلک، وتنزل فيها الرحمة والملئكة، وتنفر منه الشياطين" یعنی روایات اور نقل کی حیثیت سے کلام کے بعد آپ نے گھروں میں نوافل کے افضل ہونے کو درایت اور قیاس وعقل کے روشنی میں بیان فرمایا کہ نبی پاک علیہ السلام نے گھروں میں نوافل کی ادائیگی کی تلقین اس لیے کیا ہے کہ گھر کی نماز ریا سے دور اور رائیگاں کرنے والے اسباب سے محفوظ ہوتی ہے۔ اس کے سبب گھر میں برکت ہوتی ہے۔ رحمت اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور شیاطین ایسے گھروں سے بھاگ جاتے ہیں۔ اس طرح محشی علیہ الرحمہ نے قول امام کی ترجیح پر روایت اور درایت دونوں جہتوں سے دلیل قائم کی اور اسے خوب مضبوط فرما دیا۔

حضرت صدر الشریعہ کی علمی خدمات اور پیش رفت

تحریر: مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

یہ مضمون سہ ماہی امجدیہ میں جنوری ۲۰۰۶ء کے شمارے میں اداریہ کے صفحات پر شائع ہوا تھا، جب کہ کشف الاستار کی ترتیب کا کام ہو رہا تھا۔ اس اداریہ سے اُس وقت ترتیب کی صورت حال اور مرتب کے احساسات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضور صدر الشریعہ کا تدریسی سلسلہ ایسے دور میں شروع ہوا جب خالص علمی خدمات کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ پورے عالم اسلام میں دو عظیم جنگوں کے نتیجہ میں سیاسی اتھل پتھل اور برصغیر میں تحریک آزادی کی گرما گرمی نے ہر شخصیت کو سیاسی بنا دیا تھا۔ ایسے وقت میں خالص علمی خدمت کے لیے اگر حضور صدر الشریعہ نے اپنا سارا وقت صرف نہ کر دیا ہوتا تو ہندوستان کی علمی تاریخ آج سے مختلف ہوتی۔ یہی پس منظر تھا جس کی بنا پر علامہ سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس وقت سنی حنفی کوئی ایسا مدرس نہیں جو معقول و منقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو۔ میرے علم میں مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذ علیہ الرحمۃ (علامہ ہدایت اللہ رامپوری) کے صرف آپ ہی یادگار ہیں۔ (مکتوب قلمی ۱۹۳۲ء)

آج تو قبے کی سربلندی اور مقبرے کی ملمع سازی سے ہی صاحب قبر کی عظمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اس لیے حیات قبل الممات میں ہی تحریک مرید سازی گرمائی جاتی ہے۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی نظر میں ان سب چیزوں کی اگر کوئی وقعت ہوتی تو کسی بڑے شہر یا معتقدین کے حلقے میں اپنی تدفین کی وصیت کر جاتے۔ آپ نے وصیت بھی کی تو اپنے جاری کردہ علمی سلسلہ کو آگے بڑھانے کی، جس کا ذکر ابھی آتا ہے۔

آپ نے پوری زندگی وطن سے دور تعلیم و تدریس میں گزار دی۔ اور عمر کا آخری حصہ جو کچھ گھر پر گزارا وہ بھی تصنیف و تالیف کے لیے وقف تھا۔ چنانچہ وطن سے دور سال بھر کی تعلیم و تدریس کے بعد رمضان شریف کی چھٹی میں گھر رہنے کا موقع ملتا تو اس میں بہار شریعت کی تصنیف کا کام شروع کر دیتے، اس دوران صرف کھانے کے لیے گھر کے اندر تشریف لاتے، اور یہاں بھی کسی سے گفتگو نہ کرتے۔ گویا ذہن اس دوران بھی بہار شریعت کے مسائل کی ترتیب پر کام کرتا رہتا۔ زندگی کا سفر تعلیم و تعلم سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوا۔ چنانچہ بہار شریعت کے سترہ حصوں کی تکمیل کے بعد جب اٹھارہویں حصے کی تصنیف کا آغاز کیا تو مزید صحت نے اجازت نہ دی۔ اور ایک حد تک پہنچ کر قصاص کے اس مسئلہ پر تصنیف کا سلسلہ رک گیا۔

"کاٹنے والے کا کان چھوٹا ہے اور اس کا بڑا تھا، یا کاٹنے والے کے کان میں چھید ہے یا یہ پھٹا ہوا ہے اور اس کا کان سالم تھا تو اسے اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت۔ ھذا ما تیسّر لی الی الأن الخ" (بہار شریعت ۱۸/۲۵)

وصیت نامہ میں اس کی وجہ کچھ یوں بیان فرمائی:

"چند سال کے اندر متعدد حوادث پیہم ایسے درپیش ہوئے جنھوں نے اس قابل بھی مجھے باقی نہ رکھا کہ بہار شریعت کی تصنیف کو حد تکمیل تک پہنچاتا، ۷/ شعبان ۱۳۵۸ھ کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا، اور ۲۵/ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو میرا منجھلا لڑکا مولوی محمد یحییٰ مرحوم کا انتقال ہوا، شب دہم رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں ضلع علی گڑھ میں انتقال ہوا اور اسی دوران مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔ ان پیہم حوادث نے قلب و دماغ پر کافی اثر ڈالا، یہاں تک کہ مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کے سوم کے روز جب کہ فقیر تلاوت قرآن مجید کر رہا تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہونے لگا اور اس میں برابر ترقی ہوتی رہی، اور نظر کی کمزوری اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں، ایسی حالت میں بہار شریعت کی تکمیل میرے لیے بالکل دشوار ہو گئی اور میں نے اپنی اس تصنیف کو اس حد پر ختم کر دیا گویا اب اس کتاب کو کامل و اکمل بھی کہا جا سکتا ہے، مگر ابھی اس کا آخری تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر توفیق الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجاتے تو فقہ کے جمیع ابواب پر یہ کتاب مشتمل ہوتی اور کتاب مکمل ہو جاتی۔ اور اگر میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت میں سے کوئی صاحب اس کا قلیل حصہ جو باقی رہ گیا ہے اس کی تکمیل فرمائی تو میری عین خوشی ہے۔" (بہار شریعت ۱۸/۵)

شرح معانی الآثار کے حاشیہ کے متعلق وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"محرم ۱۳۶۲ھ میں فقیر نے چند طلباء خصوصاً عزیزی مولوی مبین الدین صاحب امروہوی و عزیزی مولوی سید ظہیر احمد صاحب نگینوی و حبیبی مولوی حافظ قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی و عزیزی مولوی محمد خلیل مارہروی کے اصرار پر شرح معانی الآثار معروف بطحاوی شریف کا تحشیہ شروع کیا تھا کہ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآراء حدیث و فقہ کی جامع حواشی سے خالی تھی۔ استاذنا المعظم حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب پر کہیں کہیں کچھ تعلیقات تحریر فرمائے ہیں جو بالکل طلبہ کے لیے ناکافی ہیں، مکمل و مفصل حاشیہ کی اشد ضرورت تھی۔ اس تحشیہ کا کام سنہ مذکورہ میں تقریباً ۱۷/ ماہ تک کیا مگر مولوی عطاء المصطفیٰ کی علالت شدیدہ پھر ان کے انتقال نے اس کام کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور کیا۔ جلد اول کا نصف بفضلہ تعالیٰ محشیٰ ہو چکا ہے، جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ ہیں اور ہر صفحہ ۳۵ یا ۳۶ سطر پر مشتمل ہے۔ اگر کوئی صاحب اس کام کو بھی آخر تک پہنچائیں تو میری عین خوشی ہے خصوصاً اگر میرے تلامذہ میں سے کسی کو ایسی توفیق نصیب ہو اور اس کتاب کے تحشیہ کی خدمت انجام دیں تو ان کی عین سعادت اور میری قلبی مسرت کی باعث ہوگی۔" (بہار شریعت ۱۸/۵، ۶)

اس حاشیہ کو تقریباً ۶۵ سال ہو چکے ہیں اس کی تکمیل تو کجا جو کچھ آپ نے تحریر فرما دیا تھا وہی ابھی تک تشنۂ طبع ہے۔ اس دوران ایک نسل گزر گئی جو اس سے مستفیض ہونے کی اولین مستحق تھی۔ مگر انہیں اس کی عبارتوں کا دیدار تک نصیب نہ ہوا۔

حضور صدر الشریعہ کے حاشیہ طحاوی کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ بہار شریعت میں آپ نے صرف منقح مسائل بیان فرمائے ہیں، دلائل اور علمی موشگافیوں سے بالکل پرہیز کیا ہے۔ تاکہ عوام کے لیے سمجھنا اور عمل کرنا آسان ہو، مگر اس کا طرز تحریر غماز ہے کہ اگر آپ کو کوئی ایسا میدان مل جاتا جہاں مقام بیان، علمی استدلال کا تقاضا کرے تو پھر کیا کچھ نہ ہوتا۔

شرح معانی الآثار کے تحشیہ کا کام شروع کیا تو اس میں آپ نے خوب علمی جواہر پارے بکھیرے۔ اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب راقم الحروف نے ۱۴۲۳ھ کے رمضان شریف کی چھٹی میں اس کا مطالعہ اور جن عبارات پر حواشی تھے ان کا طحاوی شریف سے مقابلہ شروع کیا۔ اس وقت تک تو صرف یہ سنا اور پڑھا تھا کہ یہ حاشیہ جلد اول کے نصف اول کا ہے جو ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۳۵، ۳۶ سطروں کا حامل ہے۔ لیکن اب مجھے ایسا لگا کسی نے علم حدیث وفقہ کے مہر بند خزانے کا منھ کھول دیا ہے۔

علم حدیث سے شغف اور حضور محدث کبیر مدظلہ سے ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس لینے کے بعد اور پھر کئی سال تک ترمذی شریف پڑھانے کی بنا پر علم حدیث سے جو لگاؤ ہوا اس سے یہ شوق بیدار ہوا کہ اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس امانت کو قوم کے حوالے کرنے کی فکر بھی کی جائے۔ مزید براں شرح ترمذی کا کام کرتے وقت ایک موقع پر حضرت محدث کبیر نے راقم الحروف سے فرمایا: ”حاشیہ طحاوی کا بقیہ کام تم شروع کردو میں تمہاری مدد کردوں گا“

مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ کس بنیاد پر فرمایا، لیکن یہیں سے ایک داعیہ پیدا ہوا کہ پہلے جو کچھ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی علمی یادگار ہے اسے کسی صورت سے طبع کرا کے اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے، چنانچہ میں نے پورے عزم کے ساتھ یہ کام شروع کردیا۔

کچھ سال قبل حضرت علامہ مفتی عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ (رحمۃ اللہ علیہ) ہندوستان تشریف لائے تھے، تو آپ نے حاشیہ طحاوی کی اشاعت کے ارادہ سے اس کی کاپی مانگی، چنانچہ موجودہ نسخہ کی زیروکس لے کر حضرت موصوف کے حوالہ کردی گئی۔ اب برادرِ گرامی حضرت مولانا مفتی عطاء المصطفیٰ صاحب کراچی سے دریافت کیا گیا کہ اس کی اشاعت کے سلسلے میں پیش رفت ہو رہی ہے یا نہیں؟ انھوں نے پتہ لگا کر بتایا کہ ابھی تک کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ چنانچہ راقم الحروف نے اب مزید کسی انتظار کیے بغیر اس کام آغاز کردیا۔

کام شروع کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس کی اشاعت میں اس قدر تاخیر کیوں ہوئی۔

دراصل جو کچھ اس وقت محفوظ سرمایہ ملا وہ اصل نہیں، بلکہ اس کا عکس ہے۔ وہ بھی منتشر انداز میں، صفحہ نمبر کی ترتیب کے اعتبار سے کچھ صفحات غائب ہیں۔ تحریر باریک ہے۔ کہیں اتنی باریک کہ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ پھر زیروکس مشین کی بھی کرم نوازی یہ کہ اس نے کچھ نقطے چرا لیے تو بیشمار نقطوں کا اضافہ کردیا۔ اصل نسخہ میں جہاں بھی قلم کی سیاہی ہلکی پڑی مشین نے اسے گویا قبول کرنے سے انکار کردیا، اور عبارتوں کے کتنے شوشے اور پیچ وخم صاف ہضم کرگئی۔ چنانچہ پڑھنے میں جو پریشانی ہو رہی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ کبھی کبھی صرف آدھا صفحہ پڑھنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ پھر بھی کوشش ہے کہ جلد از جلد طبع کرا کے یہ امانت قوم کو سپرد کردی جائے۔ ایک سال کی محنت شاقہ سے نصف سے زائد مرحلے طے ہوچکے ہیں۔ قارئین سے عرض ہے کہ دعا فرمائیں تاکہ کوئی رکاوٹ نہ ہو اور آئندہ سال اسے شائع کردیا جائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(اب الحمدللہ دونوں جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں)

مقالات
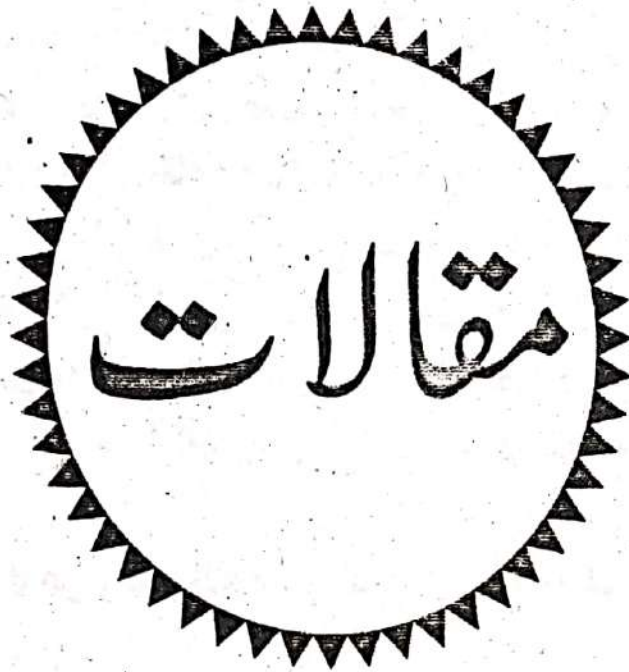
صدرالشریعہ اور خدمت حدیث

کشف الاستاذ کے حوالے سے

مولانا صدرالوریٰ قادری استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب اسلام کی نشر و اشاعت اور تعلیماتِ نبویہ سے فرش گیتی پر بسنے والے انسانوں کو روشناس کرنے اور پرچم حق اوج ثریا سے ہم کنار کرنے میں جہاں ان مردانِ حق آگاہ کی جاں بازی کارفرما ہے، جنھوں نے اپنے لہو سے شجر اسلام کی آب یاری فرمائی، وہیں پر ان صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی مساعی جمیلہ کا بھی اہم کردار ہے جنھوں نے اللہ رب العزت کی توفیق تائید سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے صادر ہونے والے کلماتِ طیبہ کو اپنے سینوں میں محفوظ کر اور "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ" کی مظہرِ اتم احادیث نبویہ کا حفظ و استحضار کر کے پوری امانت و دیانت کے ساتھ چہار دانگ عالم میں انھیں عام سے عام تر کیا۔ صحابۂ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام احادیث نبو کا ذخیرہ جمع کرنے میں صفحاتِ تاریخ پر بہت جلی حرفوں میں نظر آتا ہے۔ علامہ حافظ ابو عمرو عثمان جو ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہیں، وہ فرماتے ہیں:

أكثر الصحابة حديثا عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبو هريرة (مقدمة ابن الصلاح، ص ۱۴۸)

صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں روایت کیں۔

مگر انھیں صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں بعض ایسے صحابہ بھی تھے جو احادیث کے حفظ و استحضار کے ساتھ اپنے اندر اجتہاد و استنباط کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ یعنی ان کے پاس احادیث کا بھی ذخیرہ تھا اور اس کے ساتھ کتاب و سنت کے معانی و مفاہیم پر وہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اور اپنی خداداد قوتِ اخذ و استنباط کی بنیاد پر وہ مسائل شرعیہ کا استخراج و استنباط بھی کرتے تھے۔ انھیں فقہائے صحابہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جن میں حضرات خلفائے راشدین سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عبادلہ اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابودرداء، حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ازواج مطہرات میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اسما تابندہ نقوش کی طرح اصول فقہ وحدیث

کی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

عہد تابعین میں بھی دو قسم کے لوگ نظر آتے ہیں، بعض وہ تابعین تھے جو حدیثیں یاد تو کرتے تھے مگر انھیں اجتہاد و استنباط پر قدرت نہیں تھی، ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ حدیثیں یاد کرتے، پھر انھیں اپنے تلامذہ تک حرف بحرف پہنچا دیتے تھے، ان کا نصب العین رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا:

"نضر الله عبدا سمع مقالتى فحفظها ووعاها وأداها".

اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور محفوظ رکھا پھر اسے لوگوں تک پہنچا دیا۔

قیس بن ابی حازم، ابوعثمان نہدی، قیس بن عباد، ابوساسان حصین بن المنذر، ابووائل، ابورجاء عطاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سرفہرست ہیں۔ اسی عہد میں ایسے بھی تابعین تھے جو حفظ حدیث کے ساتھ اپنی اجتہادی بصیرت اور فقہی عبقریت کی وجہ سے دیگر تابعین سے ممتاز تھے، جن میں خاص طور پر مدینہ طیبہ کے فقہائے سبعہ حضرت سعید بن المسیب، حضرت قاسم بن محمد، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت خارجہ بن زید، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عقبہ، حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه" (کیونکہ بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حاملین فقہ ان لوگوں تک فقہ کی بات پہنچاتے ہیں، جو ان سے فقاہت میں بڑھے ہوتے ہیں) ان کے پیش نظر تھی۔

پھر بعد کے فقہا میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم، امام عبدالرحمٰن اوزاعی، فقیہ لیث بن سعد سمرقندی، قاضی ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاں احادیث کے حفظ و اتقان میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے، وہیں فقہ و اجتہاد میں بھی انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں موجود تھے کہ اسی درمیان کسی شخص نے امام اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے، انھوں نے امام اعظم سے پوچھا: اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرما دیے، امام اعمش نے کہا: کہاں سے ان احکام کو بیان کرتے ہیں؟ فرمایا آپ ہی کی بیان کردہ احادیث سے۔ اور ان احادیث کو سندوں کے ساتھ بیان فرما دیا، اس پر امام اعمش نے امام اعظم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر الفقهاء أنتم الأطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل أخذت بكلا الطرفين.

(الخيرات الحسان، ص ٦٦، ٦٧)

اے گروہ فقہا! آپ لوگ طبیب ہیں اور ہم محدثین عطار ہیں اور آپ نے تو دونوں کو حاصل کر لیا۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ مصری طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ان فقہائے احناف میں سے ایک ہیں جنھیں حدیث و فقہ دونوں میں یکساں درک و رسوخ تھا، یہ حضرات احادیث پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور فقہ کے اسرار و رموز سے واقف بھی تھے،

یقیناً ان فقہانے اپنی محدثانہ بصیرت کے ساتھ فقہ کے بحر ناپیدا کنار میں غواصی کر کے مذہب حنفی کو بیش بہا جواہر اور چمک دار موتیوں سے مزین و مرصع فرمایا، بڑے بڑے ائمہ نے حدیث وفقہ میں امام طحاوی کے براعت وکمال کا اعتراف کیا اور زمانے کے منفرد علما ان کی ثنا خوانی ومدح سرائی سے رطب اللسان نظر آتے ہیں، امام ابوسعید بن یونس نے فرمایا:

كان الطحاوي ثقة ثبتا فقيها عاقلا لم يخلف مثله

امام طحاوی ثقہ، ثبت، فقیہ صاحب عقل وتمیز تھے ان کے بعد ان کے جیسا پیدا نہ ہوا۔

امام یافعی نے فرمایا:

برع في الفقه والحديث وصنف التصانيف المفيدة

فقہ وحدیث میں باکمال ہوئے اور مفید کتابیں تصنیف فرمائیں۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ان کے بارے میں حافظ الحدیث اور فقیہ ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الامام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة وكان ثقة ثبتا فقيها لم يخلف بعده

امام طحاوی امام ہیں علامہ ہیں، حافظ الحدیث ہیں، نادر تصانیف والے ہیں، اور وہ ثقہ ثبت فقیہ ہیں اپنے بعد انھوں نے اپنے جیسا نہ چھوڑا۔

صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز فرہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صار من عظماء المجتهدين على مذهب الحنفية وإنا لانجد فيهم بعد الثلاثة مثل الطحاوي و ابن الهمام لإحاطتهما بعلم الحديث. (نبراس، ص ۷۳)

امام طحاوی مذہب حنفی کے عظیم مجتہدین سے ہوگئے ہمیں ائمہ ثلاثہ (امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد) کے بعد امام طحاوی اور امام ابن الہمام جیسا نظر نہیں آتا کیونکہ ان دونوں نے علم حدیث کا احاطہ کرلیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضل وکمال پر مقتدر ائمہ باوقار علما کی شہادتیں اور ان کے اعترافات کیوں کر نہ ہوں جب کہ فقہ وحدیث اور عقائد وکلام میں ان کی تصانیف کو اپنے امتیازات کی وجہ سے قبول عام حاصل ہے، خاص طور پر شرح معانی الآثار میں آپ نے ابواب فقہیہ کے مطابق جس حسن ترتیب سے احادیث کا ذخیرہ جمع فرمایا اور مذاہب فقہا کو ذکر کر کے ہر ایک کی مستدل بہ ومویدحدیثوں کو تحریر فرما کر روایت ودرایت کی روشنی میں مذہب حنفی کی ترجیح وتائید فرمائی ہے، اس کی وجہ سے یہ کتاب دیگر کتب احادیث سے ممتاز ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا مقام مسانید سے کچھ کم نہیں ہے، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

والمسانيد في الحديث سنن أبي داؤد و النسائي والترمذي وفي مرتبتهما مسند الروياني و مثلها بل فوق بعضها شرح معاني الآثار للطحاوي و كتاب الآثار لمحمد.

اور حدیث میں مسانید سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ترمذی کی طرح ہیں اور مسند رویانی اسی درجے میں

ہے اور انھیں کے مثل بلکہ بعض سے بڑھ کر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار اور حضرت امام محمد کی ''کتاب الآثار'' ہے۔

ماضی قریب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے بعد جب ہم صف اول کے علما پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلفا میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ الحاج مفتی امجد علی قدس سرہ کا نام انھیں علمائے اعلام کی فہرست میں نظر آتا ہے، جنھوں نے علم حدیث اور علم فقہ دونوں میں براعت وکمال حاصل کیا، آپ کی مشہور زمانہ اور مقبول انام تصنیف ''بہار شریعت'' ہی تنہا اس دعوی کی ایک واضح دلیل ہے، جس میں ابواب فقہیہ کے مطابق مسائل شرعیہ رجیحہ کو جمع فرمایا اور ہر باب کے تحت ان احادیث کو بھی ذکر فرمایا جن سے اس باب کے مندرجات کا استخراج واستنباط ہوتا ہے، اس طرز تصنیف سے یقینی طور پر یہ عیاں ہے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ انھیں رجال سے ہیں جو طبیب یعنی فقیہ بھی ہیں اور عطار یعنی محدث بھی ہیں۔

بہار شریعت کے ساتھ مزید حاشیۂ طحاوی ''کشف الاستار'' آپ کی فقہی بصیرت اور محدثانہ شان کا دوسرا علمی وفنی شاہ کار ہے، اس کتاب کی سطر سطر سے جہاں آپ کی شان فقاہت ظاہر ہوتی ہے وہیں علوم حدیث میں جامعیت وکمال بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے، فن حدیث کی کسی کتاب کی شرح میں خاص طور پر جو امور ضروری ہوتے ہیں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ''کشف الاستار'' میں ان تمام چیزوں کا تمام تر لحاظ رکھا ہے، چنانچہ مشکل الفاظ کی جامع تشریح ہو یا مسائل شرعیہ کا استنباط، احادیث کی تخریج ہو یا رجال حدیث کی تجریح وتعدیل، متعارض حدیثوں کے درمیاں تطبیق ہو یا ترجیح دلیل، ناسخ ومنسوخ کی تعیین ہو یا صحیح غیر صحیح کا امتیاز، یہ تمام چیزیں اس حاشیہ میں ملحوظ رکھی گئی ہیں، مزید برآں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے حوالے سے قدیم شارحین حدیث کے کلام پر نقد ونظر بھی ہے، نقل مذہب میں امام طحاوی کے طرز بیان پر ناقدانہ کلام بھی ہے، تنقیح مذہب کے ساتھ، فقہائے مذہب کے اختلاف کی صورت میں قول صحیح ورجح کی تعیین بھی فرمادی ہے، ساتھ ہی احناف کی مستدل بہ احادیث پر محدثین نے سند یا متن کی حیثیت سے جو بحث کی ہے اس کا علمی وفنی محاسبہ بھی فرمایا ہے، اب ہم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اس علمی شاہ کار کے کچھ نمونے نذر قارئین کرتے ہیں تاکہ اثبات مدعیٰ بھی ہو اور اس کے کچھ گوشے بھی سامنے آجائیں۔

احادیث کی تخریج:

شرح معانی الآثار کے بارے میں بعض متعصب ناقدین وتبصرہ نگاروں کا عام رجحان یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حنفی مذہب کی تائید وتقویت کے لیے از خود حدیثیں وضع کرلی ہیں اس لیے تحشیہ طحاوی کا ایک اہم عنصر یہ ہے کہ احادیث کی تخریج بھی کی جائے مثلاً فلاں حدیث کو امام بخاری نے تخریج کیا یا امام مسلم نے یا دیگر اصحاب صحاح وغیرہم نے تاکہ ان بے بنیاد الزامات کی نقاب کشائی ہوسکے اور یہ امر عیاں ہوجائے کہ غیر مقلدین کا نقد وتبصرہ کس حد تک حقیقت سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جہاں متون کی شرح پورے بسط وتفصیل سے کی وہیں احادیث کی تخریج بھی فرمادی

ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ مذکورہ نقد وتبصرہ حقیقت سے ماوراء محض تعصب وعناد پر مبنی ہے۔ ذیل میں ہم ایک نمونہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حدثنا احمد ابن داؤد قال ثنا مسدد قال ثنا حماد بن زيد عن أفلح بن حميد عن القاسم عن عائشة قالت كنت أغتسل أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد تختلف فيه أيدينا من الجنابة. (باب سور بني آدم ،ص ۱۴)

احمد بن داؤد نے ہم سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مسدد نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا وہ روایت کرتے ہیں افلح بن حمید سے وہ روایت کرتے ہیں قاسم سے وہ روایت کرتے ہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وہ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت ایک برتن سے کرتے جس میں ہمارے ہاتھوں کا تبادلہ ہوتا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قوله كنت أغتسل أنا،إلخ اخرجهُ البخارى و مسلم والنسائي والبيهقي وابن حبان وغيرهم وفى رواية أبى عوانه وابن حبان بعد قوله تختلف أيدينا فيه، وتلتقى وفي رواية الإسماعيلي من طريق إسحاق بن سليمان عن أفلح تختلف فيه أيدينا حتى تلتقيا وفى رواية البيهقي من طريقه تختلف أيدينا فيادرني حتى أقول دع لي وفي رواية النسائي فيه يعني وتلتقي وفيه إشعار بان قوله وتلتقي مدرج وفي رواية أخرى لمسلم من طريق معاذة عن عائشة فيادرني حتى أقول دع لي وفي رواية النسائي و أبادرهُ حتى يقول دعي لي (كشف الاستار، ج ۱ ،ص ۴۸)

"اس حدیث کی تخریج امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام بیہقی، امام ابن حبان وغیرہم نے کی اور ابوعوانہ اور ابن حبان کی روایت میں تختلف فیہ أیدینا کے بعد وتلتقی ہے اور اسحاق بن سلیمان عن افلح کے طریقے سے اسماعیلی کی روایت میں تختلف فیہ أیدینا حتی تلتقیا ہے اور اسی طریقے سے بیہقی کی روایت میں تختلف أیدینا فیادرنی حتی أقول دع لی ہے، اور نسائی کی روایت میں فیہ یعنی وتلتقی ہے اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ "وتلتقی" مدرج ہے، اور معاذہ عن عائشہ کے طریقے سے مسلم کی دوسری روایت میں "**فيادرني حتى أقول دع لي**" ہے اور نسائی کی روایت میں "**وأبادره حتى يقول دعي لي**" ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو مذکورہ سند ہی کے ساتھ امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی اور امام بیہقی، امام ابن حبان وغیرہ نے تخریج کیا مگر ابوعوانہ اور ابن حبان کی روایت اس طرح ہے۔

"**تختلف أيدينا فيه و تلتقى**" اور اسماعیلی نے بجائے حماد ابن زید عن افلح روایت کرنے کے اس طریقے سے

روایت کی ہے **إسحق بن سليمان عن أفلح** اور اس طریقہ سے روایت میں یہ ہے "**تختلف فيه أيدينا حتى تلتقيا**"۔

اور امام بیہقی نے بھی بطریق اسحاق بن سلیمان عن افلح روایت کیا مگر ان کی روایت میں درج ذیل اضافہ ہے۔

"**تختلف أيدينا فيبادرني حتى أقول دع لى**" امام مسلم نے امام طحاوی کے طریقۂ روایت کے علاوہ مزید **معاذه عن عائشة** کے طریقے سے بھی روایت کی ہے، اور اس طریقۂ روایت میں یہ الفاظ ہیں "**حتى أقول دع لى**" اور امام نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "**وأبادرهُ حتى يقول دعى لى**"۔

اس طرح سے بے شمار مقامات ہیں جن میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے احادیث کی تخریج میں جامع کلام فرمایا مزید برآں اختلاف طرق کے ساتھ اختلاف الفاظ کا بھی احاطہ فرمایا۔

رجال حدیث کی تجریح وتعدیل:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے جہاں حدیث کی تخریج کی وہیں اسماء الرجال کا بھی ایک ذخیرہ جمع فرمادیا، چنانچہ رجال حدیث کی ایسی تجریح وتعدیل فرمائی ہے جسے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ چودہویں صدی ہجری میں وقت کے ابوزرعہ اور یحییٰ بن سعید قطان ہیں جو راویوں کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچ دے رہے ہیں کہ یہ راوی ثقہ ہے، یہ ضعیف ہے یہ مختلط ہے، یہ مدلس ہے۔

اس سلسلے میں بھی ہم ایک نظیر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"**أبو بكرة قد حدثنا قال ثنا أبو عاصم عن قرة بن خالد قال ثنا محمد بن سيرين عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال طهور الإناء اذا ولغ فيه الهرأن يغسل مرة او مرتين قرة شك**" (باب سور الهرة)

"ابوبکرہ نے ہم سے بیان کیا کہ ہم سے ابوعاصم نے قرہ بن خالد سے روایت کر کے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن سیرین نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر کے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی جب برتن میں منہ ڈال دے تو اس کی پاکی یہ ہے کہ اسے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دھوئے، قرہ سے شک ہوا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان قرہ بن خالد پر حاشیہ نگاری کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"**هو قرة بن خالد السدوسى أبوخالد و يقال أبومحمد النصرى قال صالح بن أحمد عن على بن المديني عن يحيىٰ بن سعيد كان قرة عندنا من أثبت شيوخنا وقال عبدالله بن أحمد سالت أبي عن قرة وعمّران بن حدير فقال ما فيهما إلاثقة قال وسئل أبي عن قرة وأبي خلدة قال قرة فوقه وهو دون حبيب بن الشهيد قيل له قرة والقاسم بن الفضل**

قال ما أقربه منه وقال مرة ثقة وقال إسحق بن منصور عن ابن معين ثقة، وقال ابن أبى حاتم، قرة أحب إلي من جرير بن حازم و من أبي خلدة وقرة ثبت عندى وقال ابن أبي حاتم سئل أبومسود الرازي قرة أثبت عندک أو حسين المعلم فقال قرة وقال الآجرى ذكر أبو داؤد قرة فرفع من شانه وقال أيضا سالت أباداؤد عنه وعن الصاقع ابن حزن فقال قرة نوقه وقال النسائي ثقة و ذكرهُ ابن حبان فى الثقات قال أبونعيم مات سنة نيف و سبعين و ماة وقال غيره مات سنة أربع و خمسين و ماة. (کشف الاستار ۱/۳۴۲)

''وہ قرہ بن خالد سدوسی ابوخالد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ابومحمد نصری ہیں صالح بن احمد علی بن مدینی سے وہ یحییٰ بن سعید قطان سے روایت کر کے فرماتے ہیں کہ قرہ ہمارے نزدیک ہمارے ثابت شیوخ میں سے ہیں اور عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے قرہ اور عمران بن حدیز کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ دونوں ہی ثقہ ہیں فرمایا اور میرے والد سے قرہ اور ابوخلدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا قرہ ان سے بڑھ کر ہیں اور یہ حبیب بن شہید سے درجہ میں کم ہیں ان سے پوچھا گیا قرہ اور قاسم بن فضل؟ فرمایا ان سے کیا ہی قریب ہیں اور مرہ نے ثقہ فرمایا اور اسحٰق بن منصور نے ابن معین سے روایت کر کے فرمایا ثقہ ہیں اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ قرہ میرے نزدیک جریر بن حازم اور ابوخلدہ سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور قرہ میرے نزدیک ثابت ہیں، اور ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ ابومسعود رازی سے پوچھا گیا کہ قرہ آپ کے نزدیک زیادہ ثابت ہیں یا حسین معلم تو فرمایا قرہ اور آجری نے کہا کہ ابوداؤد نے قرہ کا ذکر کیا تو ان کی شان بلند کی نیز فرمایا کہ میں نے ابوداؤد سے قرہ اور صاقع بن حزن کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ قرہ ان سے بڑھ کر ہیں اور نسائی نے فرمایا ثقہ ہیں اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ابونعیم نے کہا کہ ۱۷۰ھ کے بعد انتقال ہوا اور بعض نے کہا کہ ۱۵۴ھ میں۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کو فن جرح وتعدیل میں بھی ید طولی حاصل تھا۔

مشکل الفاظ کی تشریح:

شرح معانی الآ ثار پر حاشیہ نگاری کے دوران اگر کوئی مشکل لفظ آتا جس کی صحیح شناخت یا اس کے معنی کی معرفت میں کوئی اشکال ہو خواہ وہ اشکال حرکات وسکنات کی جہت سے ہو یا حرکات وسکنات کے اعتبار سے لفظ متعین ہونے پر اس کے معنی میں کوئی اشتباہ ہو، بہر حال حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے ایسے مقامات میں الفاظ کی ایسی تشریح فرمائی ہے کہ کسی بھی طرح کا کوئی اشتباہ نہیں رہ جاتا، امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج فرمائی، وہ فرماتے ہیں:

صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صلوة العصر بالمخمص، الخ

حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مخمص میں ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، الخ (شرح معانی الآ ثار، ۱/۳۴۰)۔

اس حدیث شریف میں لفظ ''مخمص'' کس طور سے پڑھا جائے، ارباب لغت نے اس پر حرکات وسکنات کا ضبط کیسے کیا ہے، پھر اس کا کیا معنی ہے یہ کسی جگہ کا علم ہے یا یہ اسم جنس ہے، حضرت محشی صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

قوله: "المخمص" كذا وقع بالخاء المعجمة و الصاد المهملة فى رواية النسائى، قال فى القاموس: المخمص كمنزل اسم طريق، وضبط السندى فى حاشية النسائى بميم مضمومة وخاء معجمة مفتوحة ثم ميم مفتوحة مشدده اسم موضع، وضبط العينى المحمض بفتح الميمين وسكون الحاء المهملة وفى آخرها ضاد معجمة وهو الموضع الذى ترعى فيه الإبل الحمض و هو ما حمض و ملح وأمر من النبات كالرمث والأثل والطرفا ونحوها، قال فى القاموس المحمض ويضم أوله الموضع. (كشف الأستار ۱/۱ ۳۴، ۳۴۲)

ان کا قول مخمص، نسائی کی روایت میں ایسے ہی نقطہ والی خاء اور بغیر نقطہ والی صاد کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے ہے، قاموس میں ہے مخمص بروزن منزل ایک راستہ کا نام ہے، اور سندی نے حاشیہ نسائی میں اس کا ضبط میم مضمومہ اور خائے معجمہ مفتوحہ پھر میم مفتوحہ مشددہ کے ساتھ کر کے ایک جگہ کا نام قرار دیا ہے، اور علامہ عینی نے محمض کا ضبط دونوں میم کے فتحہ اور حائے مہملہ کے سکون اور اخیر میں ضاد معجمہ کے ساتھ کیا ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں اونٹ حمض چرتا ہے اور یہ وہ پودا ہے جو ترش، نمکین اور نبات سے کڑوا ہوتا ہے جیسے رمث، اثل اور طرفا وغیرہ، قاموس میں ہے محمض اور شروع میں ضمہ بھی دیا جاتا ہے، ایک جگہ ہے۔

لفظ ظل، اور لفظ فئی دونوں کا معنی اردو زبان میں سایہ کیا جاتا ہے مگر کیا دونوں کی حقیقت اور موقع استعمال ایک ہے یا مختلف ہے، بظاہر سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب دونوں کا معنی ایک ہی ہے تو دونوں باہم مترادف ٹھہرے لہٰذا ہر ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ پر درست ہونا چاہئے، مگر جب ہم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاشیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں میں کوئی ترادف نہیں، بلکہ درحقیقت دونوں کا معنی ایک دوسرے سے مختلف ہے، فئی اس سایہ کو کہتے ہیں جو آفتاب کے ڈھلنے کے بعد ہوتا ہے اور ظل وہ سایہ ہے جو صبح شام ابتدائے نہار سے آخر نہار تک ہوتا ہے، بلفظ دیگر ظل وہ سایہ ہے جس کے لیے دھوپ ناسخ ہو اور فئی وہ سایہ ہے جو دھوپ کے لیے ناسخ ہو، حضرت محشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله وفى كل شئ الخ هو من فاء أى رجع قيل الظل الذى بعد الزوال فى لأنه رجع من جانب المغرب إلى جانب الشرق والظل ما ينسخه الشمس والفى ما ينسخ الشمس

ويتوهم الناس أن الظل والفيء بمعنى واحد وليس كذلك بل الظل بكون غدوة وعشية من أول النهار إلى آخره وأما الفيء فلا يكون إلا من بعد الزوال ولا يقال لما قبل الزوال فيء. (كشف الاستار، ١/٣٢٩)

ان کا قول وفیٔ کل شئی الخ، یہ فاء سے ہے یعنی لوٹا، وہ سایہ جو زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسے فیٔ کہا گیا کیونکہ وہ جانب مغرب سے جانب مشرق کی طرف لوٹا، اور ظل وہ ہے جس کے لیے دھوپ ناسخ ہو اور فیٔ وہ ہے جو دھوپ کے لیے ناسخ ہے۔ اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ظل اور فیٔ دونوں کا معنی ایک ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ظل صبح اور شام ابتدائے نہار سے آخر نہار تک ہوتا ہے، جب کہ فیٔ زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے اور زوال سے پہلے جو سایہ ہوتا ہے اس کو فیٔ نہیں کہا جاتا۔

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ شرح معانی الآثار پر حاشیہ کے دوران اگر کوئی مشکل لفظ آیا جس کے معنی میں کچھ ابہام ہو تو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کی جامع تشریح بھی فرمادی ہے۔

مسائل شرعیہ کا استنباط:

کتب احادیث کی شرح اور ان پر تعلیق وتحشیہ کا ایک اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ احادیث احکام سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا جائے اور یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے بلکہ یہ ان مقتدر ہستیوں کا کام ہے جن کو فقہ وافتا میں کامل رسوخ ہو اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ انھیں علمائے اعلام سے ہیں جن کو فقہ وافتا پر مکمل عبور حاصل تھا بلکہ اس میدان میں وہ اپنے معاصرین میں منفرد وممتاز نظر آتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ وہ اس بارگاہ کے فیض یافتہ اور اس خرمن علم کے خوشہ چین ہیں جن کو دنیا مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، جن کے بارے میں ان کے فتاویٰ وتحقیقات دیکھ کر وقت کے ارباب علم وفضل نے فرمایا کہ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں دیکھتے تو ان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں اور ان کو اپنے اصحاب میں شامل کر لیتے، ایسے مجدد نے حضرت صدر الشریعہ کے متعلق فرمایا:

''تفقہ جس کا نام ہے وہ موجودین میں مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا'' ملخصا۔

تو جو میدان فقاہت میں اتنے عظیم منصب پر فائز ہو بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ احادیث احکام کو پڑھ کر ایسے ہی گزر جائے اور اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط نہ کرے، ایسا نہیں ہوسکتا اور ہوا بھی نہیں ہے بلکہ احکام سے متعلق کوئی حدیث آئی تو اس سے بھرپور مسائل کا استنباط فرمایا، موقع کی مناسبت سے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا روایت کی:

إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلّوا عليّ فإنه من صلىّ عليّ صلوة صلى الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله تعالىٰ لي الوسيلة فإنها منزل في الجنة لا ينبغي لأحد إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو فمن سأل الله لي الوسيلة حلت له الشفاعة.

جب تم لوگ مؤذن کو اذان کہتے سنو تو جیسے وہ کہے ویسے ہی تم لوگ کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو کہ یہ جنت میں ایک مقام ہے جو سوائے ایک بندۂ خدا کے اور کسی کو زیبا نہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں لہٰذا جو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرے اس کے لیے شفاعت حلال ہوئی۔

اس حدیث شریف سے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے درج ذیل مسائل کا استنباط فرمایا:

(١) کلمات اذان میں موذن کی متابعت سے فارغ ہونے کے بعد حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے۔

(٢) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کی دعا کرنا مستحب ہے۔

(٣) موذن جیسے جیسے کلمات اذان کہتا جائے اذان سننے والا ان کلمات کو دہراتا جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ موذن پوری اذان سے فارغ ہو تو یہ کلمات اذان کا اعادہ کرے مثلا موذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو سننے والا بھی اسی وقت یہ کلمہ دہرائے نہ یہ کہ ختم اذان کا انتظار کرے۔

(٤) اگر کوئی شخص کسی کو کار خیر کی ترغیب دے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ تنشیط طبع کی خاطر دلائل رغبت بھی بیان کرے تا کہ سننے والے کا دل اس امر خیر کی طرف مائل ہو اور اس کو سرور واطمینان خاطر حاصل ہو۔

(٥) اس حدیث سے امت کے حق میں شفاعت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے، خواہ وہ شفاعت زیادت ثواب ورفع درجات کے لیے ہو یا خطا کاروں سے عذاب دور کرنے کے لیے ہو کیونکہ فمن سأل، الخ فرمایا گیا ہے اور لفظ ''من'' عموم کے لیے آتا ہے لہٰذا یہ حدیث معتزلہ کے خلاف حجت ہے، چنانچہ ان لوگوں نے شفاعت کو صرف رفع درجات کے لیے مانا ہے اور مطیعوں ہی کے ساتھ اسے خاص کیا ہے، اب کشف الاستار کی اصل عبارت چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمائیں اور حضرت محشی کی شان استنباط کا اندازہ کریں فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث فوائد منها استحباب الصلوة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد فراغه من متابعة الموذن و استحباب سوال الوسيلة له، ومنها أنه يستحب أن يقول السامع كل كلمة بعد فراغ المؤذن منها ولا ينتظر فراغه من كل الأذان ومنها أنه يستحب لمن يرغب غيره في خير أن يذكر له شيئا من دلائله لينشطه لقوله صلى الله عليه وسلم فإنه من صلىّ عليّ مرة صلى الله عليه بها عشرا ومن سأل لي الوسيلة حلّت له الشفاعة ومنها اثبات الشفاعة للأمّة صالحا و طالحا لزيادة الثواب أو اسقاط العذاب لأن لفظة من عامة فهو حجة على المعتزلة حيث خصّصوها بالمطيع لزيادة درجاته

فقط. (۱/۷ا ۳ باب ما يستحب للرجل أن يقوله إذا سمع الأذان)

اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ موذن کی موافقت سے فراغت کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلہ کا سوال بھی مستحب ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سننے والا ہر کلمۂ اذان کو اسی وقت کہے جب کہ موذن اس کلمہ سے فارغ ہو، پوری اذان سے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسرے کو کسی امر خیر کی ترغیب دے اس کے لیے مستحب ہے کہ بعض دلائل ترغیب بھی نشاط طبع کی خاطر بیان کردے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور جو میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے تو اس کے لیے شفاعت حلال ہوتی ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زیادت ثواب یا اسقاط عذاب کے لیے امت کے نیک وبد افراد کے لیے شفاعت کا اثبات ہوتا ہے اس وجہ سے کہ لفظ من عام ہے، لہٰذا یہ حدیث معتزلہ کے اوپر حجت ہے جو انھوں نے شفاعت کو صرف زیادت درجات کے لیے مطیع کے ساتھ خاص کیا ہے۔

ایک حدیث کے مختلف گوشوں سے اتنے مسائل شرعیہ کا استخراج حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی محدثانہ بصیرت، قوت استنباط، فقہی مہارت، دقت نظر اور وسعت مطالعہ کی روشن دلیل ہے، یہ مسائل شرعیہ کے استنباط کی صرف ایک مثال ہے، اور اس طرح کی نامعلوم کتنی مثالیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے، اہل بصیرت کے لیے مشتے از خاک ہی کافی ہے۔

متعارض احادیث کے درمیان تطبیق:

احادیث کے درمیان تعارض کے وقت اصطلاح اصول میں دفع تعارض کی پہلی شکل یہی ہوتی ہے کہ ایسی صورت کا استخراج کیا جائے جس سے متعارض احادیث پر عمل بھی ہو جائے اور تعارض بھی رفع ہو جائے یہ خوبی بھی حاشیہ طحاوی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

چنانچہ ایک حدیث ہے:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يغتسل الرجل بفضل المرأة والمرأة بفضل الرجل. (باب سورة بنى آدم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو غسل کرنے اور مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کو غسل کرنے سے منع فرمایا۔

پھر دوسری حدیث میں ہے:

عن عائشة قالت كنت أغتسل أنا و رسول الله صلى الله عليه وسلم من إناء واحد

فاقول ابق لى ابق لى

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تو میں کہتی کہ میرے لیے بھی پانی بچادیں میرے لیے بھی پانی بچادیں۔

یہاں پہلی حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرسکتا جب کہ دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل و وضو کر سکتے ہیں۔

اسی تعارض کی جانب اشارہ کرتے ہوئے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقد روينا فى هذه الآثار تطهر كل واحد من الرجل والمرأة بسؤر صاحبه فضاد ذلك ما روينا في أول هذا الباب.

ہم نے جس آثار کی روایت کی ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے مرد وعورت میں سے ہر ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے طہارت حاصل کر سکتے ہیں جبکہ اس کے معارض اس باب کی پہلی روایت ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اس تعارض کو دفع کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

يمكن الجمع بين الأحاديث بأن يحمل النهى عن ماء تساقط عن الأعضاء والجواز بما بقى فى الإناء أو يحمل النهى على التنزيه. (کشف الاستار، ج ۱ص ۵۰)

ان احادیث کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے، پہلی حدیث میں اس پانی سے غسل کرنے سے نہی وارد ہوئی جو اعضاء سے جدا ہو جائے اور دوسری حدیث میں اس پانی سے طہارت جائز کی گئی، جو برتن میں باقی رہے یا پھر یہ کہ حدیث اول میں نہی برائے تنزیہ ہے۔

دفع تعارض کی ایک دوسری نظیر:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث میں ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن بلالا ينادى بليل فكلوا واشربوا حتى ينادى ابن ام مكتوم.

بلال رات میں اذان کہتے ہیں تو تم لوگ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان کہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات میں اذان کہتے، جب کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اذان کہا کرتے، اسی بنا پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اذان کہنے کے باوجود روزہ داروں کو کھانے پینے کی اجازت عطا فرمائی اور یہ اجازت حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان تک رہتی تھی۔

مذکورہ حدیث کے برخلاف حضرت انیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

إن ابن ام مکتوم یوذن بلیل فکلوا واشربوا حتی تسمعوا نداء بلال

ابن ام مکتوم رات میں اذان کہتے ہیں تو کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ بلال کی اذان سن لو۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رات میں اذان حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے، جب کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اذان کہتے، لہٰذا ان دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہوا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے دفع تعارض کی صورت یہ ذکر فرمائی کہ ہوسکتا ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم کے درمیان رات میں اذان کہنے کی ذمہ داری باری کے طور پر تقسیم فرمادی ہو، اس کے اعتبار سے کبھی حضرت بلال رات میں اذان کہتے اور جب صبح صادق طلوع ہوتی تو حضرت ابن ام مکتوم اذان دیتے، اور جب باری بدلتی تو رات میں حضرت ابن ام مکتوم اذان دیتے اور حضرت بلال صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اذان کہتے، اس تطبیق سے دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض مکمل طور سے دور ہوجاتا ہے، اب کشف الاستار کے حوالے سے اصل عبارت نذر قارئین کی جاتی ہے، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تعارض ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: یجوز أن یکون النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد جعل الأذان باللیل نوبة بین بلال و ابن أم مکتوم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما فأمر فی بعض اللیالی بلالاً أن یوذن أولا باللیل فإذا نزل بلال صعد ابن أم مکتوم فأذن بعدہ بعد طلوع الفجر فإذا جاء ت نوبة ابن أم مکتوم فأذن بلیل فإذا نزل صعد بلال فأذن بعدہ بعد طلوع الفجر وکانت مقالة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إن بلالا یوذن بلیل، فی الوقت الذی کانت النوبة لبلال فی الأذان باللیل وکانت مقالتہ ھذہ أی ابن أم مکتوم یوذن بلیل، فی الوقت الذی کانت نوبة بلال بعد طلوع الفجر. (کشف الاستار، ج ۱ ص ۳۰۷)

میں نے کہا ہوسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتوم کے درمیان رات میں اذان دینے کی باری تقسیم فرمادی ہو تو بعض راتوں میں حضرت بلال کو پہلے رات میں اذان دینے کا حکم دیا ہو، جب حضرت بلال اذان دے کر منذنہ سے اترتے تو ابن ام مکتوم اس پر چڑھتے اور صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اذان کہتے، اور جب ابن ام مکتوم کی باری آتی تو یہ رات میں اذان دیتے اور جب منذنہ سے اترتے تو حضرت بلال چڑھتے اور ان کے بعد صبح صادق طلوع ہونے پر اذان کہتے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بلال رات میں اذان کہتے ہیں، اس وقت میں تھا جب رات میں اذان دینے کی باری حضرت بلال کی تھی اور حضور کا یہ ارشاد کہ ابن ام مکتوم رات میں اذان کہتے ہیں، اس وقت میں تھا جب حضرت بلال کی باری صبح صادق طلوع ہونے کے بعد اذان کہنے کی تھی۔

پھر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے ابن خزیمہ، دارمی، نسائی کی روایات سے اس تطبیق کو موثق ومبرہن فرمایا ہے، تفصیل کے لیے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

دلائل کا تعارض اور ترجیحی عمل:

جب دو دلیلوں کے درمیان تعارض ہو اور ناسخ ومنسوخ کا بھی علم نہ ہو تو قوت وضعف کے لحاظ سے ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح ٹھہرایا جاتا ہے مگر یہ انتہائی مشکل مقام ہے کیونکہ ترجیح کا دارومدار خود حجت کی قوت پر ہے نہ کہ دلیل مستقل پر، نورالانوار میں ہے:

"إنما یترجح کل واحد من القیاس والحدیث والکتاب بقوة فیه"

قیاس اور حدیث اور کتاب میں سے ہر ایک کی ترجیح اس کی قوت ہی سے ہوگی۔

اور قوت کا اندازہ ہر شخص نہیں لگا سکتا کیونکہ اولاً نصوص کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ، (۲) ظنی الثبوت، ظنی الدلالۃ، (۳) قطعی الثبوت، ظنی الدلالۃ، (۴) ظنی الثبوت، قطعی الدلالۃ۔

پھر طلب بھی کبھی جازم ہوتی ہے، اور کبھی غیر جازم، اس کے علاوہ کبھی امر سے متعلق ہوتی ہے تو کبھی نہی سے اور جب تک ان تمام چیزوں پر عبور نہ ہو اس وقت تک قوت وضعف کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ اس خوبی پر مشتمل ہے چنانچہ شوافع مسئلہ قرأت خلف الامام میں سورۂ فاتحہ کی فرضیت پر حدیث ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔ "**لا تفعلوا إلا بفاتحة الکتاب فإنه لا صلوة لمن لم یقرأبها**" سورۂ فاتحہ پڑھو کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

جب کہ احناف "**فاقرأوا ما تیسر من القرآن**" سے استدلال کرکے مطلق قرأت کی فرضیت کے قائل ہیں، باقی سورۂ فاتحہ کی تعیین تو یہ صرف واجب ہے فرض نہیں ہے کیونکہ اگر خبر واحد کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کو فرض ٹھہرایا جائے تو کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ نسخ ہے اور کتاب کا نسخ خبر واحد سے جائز نہیں۔

اس دلیل پر بعض شوافع نے اعتراض کیا کہ ہماری روایت کردہ حدیث خبر واحد نہیں ہے بلکہ خبر مشہور ہے اور خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قلت لا نسلم أنه مشهور لأن التابعین اختلفوا فی ھذہ المسئلة ولئن سلمنا أنه مشهور فالزیادة بالمشهور إنما تجوز إذا کان محکما أما اذا کان محتملا فلا وھذالحدیث محتمل لأن کلمة لا التی لنفی الجنس قد تستعمل لنفی الجواز وقد تستعمل لنفی

الفضيلة كقوله عليه السلام لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد كما مر في بيان التسمية في الوضوء.(كشف الأستار، ج ا ص ۳۸۰) باب القرأة خلف الامام)

ترجمہ: میں جواب دوں گا کہ یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ یہ خبر مشہور ہے کیونکہ اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ خبر مشہور ہے تو مشہور سے زیادتی اس وقت جائز ہے جبکہ وہ محکم ہو لیکن جب محتمل ہو تو زیادتی جائز نہیں اور یہ حدیث محتمل ہے اس لیے کہ لائے نفی جنس کا استعمال کبھی نفی جواز کے لیے ہوتا ہے اور کبھی نفی فضیلت کے لیے مثلا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہے مگر مسجد میں جیسا کہ وضوء میں تسمیہ کے بیان میں گذرا۔

حاصل یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ خبر مشہور سے کتاب اللہ کا نسخ جائز ہے مگر "لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب" خبر مشہور نہیں کیونکہ اگر خبر مشہور ہوتی تو اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف نہ ہوتا۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ یہ خبر مشہور ہے تو بھی یہ قاعدہ کہ خبر مشہور سے کتاب کا نسخ جائز ہے اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ خبر مشہور محکم ہو محتمل نہ ہو اور ''لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب'' محکم نہیں بلکہ محتمل ہے کیونکہ لائے نفی جنس کبھی نفی جواز کے لیے آتا ہے اور کبھی اس کا استعمال نفی کمال اور نفی فضیلت کے لیے ہوتا ہے مثلاً حدیث ''لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد'' میں بالاجماع نفی فضیلت ہی مراد ہے معلوم ہوا کہ شوافع کی مستدل بہ حدیث گو کہ مشہور ہو تاہم وہ محتمل ہے، لہٰذا اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں۔

ناسخ ومنسوخ کی معرفت:

احادیث کے درمیان تعارض کے وقت اگر اس کا علم ہو جائے کہ یہ حدیث منسوخ ہے وہ حدیث ناسخ ہے جب بھی تعارض رفع ہو جاتا ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اس کا علم قطعی ہو کہ حدیث منسوخ پہلے کی ہے اور ناسخ بعد کی اور یہ علم بجائے خود ایک مشکل امر ہے، حاشیہ طحاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس علم کا بھی ایک وافر حصہ جمع فرمادیا ہے، ذیل میں ایک نظیر ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے کتنی بار دھلنا ضروری ہے؟ اس بارے میں احناف کا نظریہ ہے کہ تین مرتبہ دھلنا کافی ہے، سات مرتبہ کی شرط نہیں جبکہ شوافع یہ کہتے ہیں کہ سات مرتبہ دھلنا ضروری ہے، شوافع حضرات ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا ولغ الكلب في الاناء فاغسلوه سبع مرات**'' جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھلو۔

جب کہ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس برتن میں کتا یا بلی منہ ڈال دے اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے تین مرتبہ دھوئے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث پاک پر

کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں اضطراب ہے کیونکہ دارقطنی نے **عن الأعرج عن أبي هريرة عنه صلى الله عليه وسلم** روایت کی تو اس میں یہ ہے **يغسل ثلثا او خمسا او سبعا** سے تین بار یا پانچ یا سات بار دھولے، اور یہ بھی فرمایا ''**وفي سنده مقال**'' اس کی سند محل کلام ہے، پھر دارقطنی عن عطا کر کے موقوفا یہ روایت کی۔

''**إذا ولغ الكلب في الإناء أهرقه ثم غسل ثلث مرات**'' جب برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس کے اندر کی چیز بہادے پھر تین مرتبہ دھوئے۔

اور ابن عدی نے کامل میں اسے مرفوعا روایت کی مگر اس کی سند میں حسین بن علی کرابیسی ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث میں صرف یہی ایک حدیث منکر ہے، محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سات بار دھلنے کی حدیث ابتدائے اسلام پر محمول ہے، پھر علی سبیل التنزل حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> **ولو طرحنا الحديث بالكليه كان في عمل أبي هريرة على خلاف حديث السبع وهو رواية كفاية لاستحالة أن يترك القطعي بالرأى منه وهذا لأن ظنية خبر الواحد إنما هو بالنسبة إلى غير راويه، فأما بالنسبة إلى راويه الذى سمعه من في النبي صلى الله عليه وسلم فقطعي حتى ينسخ به الكتاب إذا كان قطعي الدلالة في معناه فلزم أن لايتركه إلا بقطعه بالناسخ إذا لقطعي لايترك إلا بقطعي فاذا علمت ذلک كان تركه بمنزلة روايته للناسخ بلا شبهة فيكون الآخر منسوخا بالضرورة لأن مع حديث السبع دلالة التقدم للعلم بما كان من التشديد في أمر الكلب أول الامر حتى أمر بقتلها. الخ**
>
> **(كشف الأستار، ج ا ص ۴۲،۴۳)**

ترجمہ: اور اگر ہم اس حدیث کو بالکل ہی اس کے حال پر چھوڑ دیں تو حضرت ابوہریرہ کا عمل سات کی حدیث کے برخلاف ہے اور یہ روایت کافی ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ حضرت ابوہریرہ اپنی رائے سے حدیث قطعی کو ترک کردیں اس لیے کہ خبر واحد کی ظنیت صرف اس کے لحاظ سے ہے جو اس کا راوی نہ ہو لیکن اس حدیث کا وہ راوی جس نے براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث سنی تو اس کے لحاظ سے وہ قطعی ہے یہاں تک کہ جب وہ اپنے معنی میں قطعی الدلالۃ ہو تو اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز ہے تو لازم آیا کہ حضرت ابوہریرہ نے اس پر عمل صرف اس لیے ترک کیا کہ انھیں ناسخ کی قطعیت حاصل تھی کیونکہ قطعی کو قطعی ہی کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے جب آپ نے اتنی بات جان لی تو حضرت ابوہریرہ کا سات کی حدیث کو ترک کرنا بلا شبہ ناسخ کی روایت کی منزل میں ہے تو دوسری حدیث بالبداہت منسوخ ہوگی اس لیے کہ سات کی حدیث تقدیم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ابتدائے اسلام میں کتے کے بارے میں بہت سختی تھی حتی کہ اسے قتل کرنے کا حکم تھا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر ہم سات کی حدیث کو چھوڑ ہی دیں اور اس کے اضطراب سے صرف نظر کرلیں پھر بھی وہ ہمارے منافی نہیں کیونکہ وہ حدیث منسوخ ہے اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روایت کیا مگر خود انھیں کا عمل اس کے برخلاف ہے اور یہ اس کے نسخ کی دلیل ہے کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت ابو ہریرہ نے محض قیاس ورائے سے اس پر عمل ترک کیا ہو کہ یہ ان کی عدالت کے منافی ہے پھر یہ کہ اس میں قطعی کا ترک ظنی سے لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں بلکہ قطعی کا ترک قطعی سے جائز ہے، لہٰذا ترک عمل کی وجہ صرف یہی ہے کہ سات کی حدیث ان کی نگاہ میں منسوخ تھی اس بنیاد پر اگرچہ انھوں نے ناسخ کی روایت نہیں کی تاہم ان کا عمل روایت ناسخ ہی کی منزل میں ہے۔

اقوال کا ابہام اور مسئلہ کی تنقیح:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جہاں اپنے حاشیہ میں حدیث کے جملہ علوم وفنون کی رعایت کی وہیں ان مسائل کی تنقیح بھی کردی ہے جن میں صاحب مذہب سے کوئی متعین صراحت نہیں مثلاً اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب، اس سلسلے میں صاحب مذہب سے کوئی صراحت نہیں بلکہ صرف اس قدر تصریحیں ملتی ہیں کہ اذان کا جواب دے مگر یہ مبہم ہی ہے کہ امر وجوبی ہے یا استحبابی؟۔

اسی لیے اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہوا بعض وجوب کے قائل ہیں جبکہ بعض صرف استحباب کے قائل ہیں، اسی کی جانب امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> قد قال قوم قول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا سمعتم الأذان فقولوا مثل ما یقول المؤذن علی الوجوب و خالفهم فی ذلک اخرون فقالوا ذلک علی الاستحباب لاعلی الوجوب. (باب إجابة الاذان)
>
> ایک قوم نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جب تم اذان سنو تو ویسے ہی کہو جیسا موذن کہے یہ وجوب پر محمول ہے اور دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی تو فرمایا کہ یہ استحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں۔

عدم وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی اثنا میں موذن کی آواز سنائی دی "اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر" تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی الفطرة پھر جب موذن نے کہا "اشهد أن لا اله الا اللّٰہ" تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "خرج من النار، الخ۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس پر قرینہ ہے کہ پہلی حدیث میں "قولوا" وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے، احناف کی ایک جماعت نے اس کی صراحت بھی کی ہے، اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح بھی ٹھہرایا ہے اور امام قاضی خان نے بھی اسی پر عمل کیا، یہ تھا حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان اس مسئلہ کی تنقیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اقول ههنا امران من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أحدهما فقولوا مثل ما یقول المؤذن و ثانیهما اذا سمعت داعی اللّٰہ فاجب فالامر الأول هو الإجابة باللسان هی لیست بواجبة هذا ما ذکره الامام الطحاوی رحمهٔ اللّٰہ تعالیٰ و الثانی الأمر بالإجابة ای الحضور لصلوة الجماعة و یقال لها الاجابة بالقدم وهی واجبة علی ما قاله الامام الحلوانی ولیست لهٰذا الامر قرینة صارفة عن الوجوب فالحق عندی أن الإجابة باللسان مستحبة والإجابة بالقدم واجبة بحیث لا تفوته الجماعة من غیر عذر لکن هذا الوجوب لیس علی الفور بأن یترک جمیع مشاغله حین سمع النداء بل له رخصة الی ان یحضر وقت الجماعة. (کشف الأستار، ج ۱ ص ۳۲۴)

میں کہتا ہوں کہ یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو امر منقول ہیں، ایک فقولوا مثل مایقول المؤذن (جو موذن کہے وہ کہو) دوسرا اذا سمعت داعی اللّٰہ فاجب (جب اللہ کے داعی کو سنو تو جواب دو، امر اول کا معنی ہے زبان سے جواب دینا یہ واجب نہیں، اسی کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا، دوسرا اجابت کا امر اس کا معنی ہے نماز جماعت کے لیے حاضر ہونا اور اس کو قدم سے جواب دینا کہتے ہیں اور یہ واجب ہے جیسا کہ امام حلوانی نے فرمایا اور اس امر کو وجوب سے پھیرنے کے لیے کوئی قرینہ صارفہ نہیں تو میرے نزدیک حق یہ ہے کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور اور قدم سے جواب دینا واجب ہے اس طور پر کہ جماعت بلا عذر فوت نہ ہو لیکن یہ وجوب فوراً ہی اس طریقے پر نہیں ہے کہ اذان سنتے وقت اپنے تمام مشاغل چھوڑ دے بلکہ اسے وقت جماعت تک رخصت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اور فقہا نے اس باب میں دو محمل متعین نہیں کیے بلکہ دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے مطلقاً وجوب و استحباب کا اختلاف کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تنقیح نہیں کی تاہم ان کی مراد اجابت باللسان (زبان سے جواب دینا) ہی ہے اور اسی کو مختلف فیہ کہہ کر دو قسم کی حدیثیں ذکر کیں۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اجابت کی تقسیم کردی، ایک اجابت باللسان (زبان سے جواب دینا) دوسری اجابت بالقدم (چل کر جواب دینا)

پہلی حدیث "وقولوا مثل مایقول المؤذن" میں اجابت لسانی مراد ہے اور یہ یقیناً واجب نہیں بلکہ مستحب ہے یہی امام طحاوی نے ذکر کیا ہے۔ دوسری حدیث "إذا سمعت داعی اللّٰہ فاجب" میں اجابت بالقدم مراد ہے یعنی چل کر جواب دینا یہ واجب ہے اور معنی وجوب سے پھیرنے کے لیے یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں، یہی شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

البتہ یہ وجوب اذان سننے کے بعد ہی فوراً متوجہ نہ ہوگا کہ جیسے ہی اذان ہو فوراً تمام کام بند کر کے مسجد کا راستہ اختیار کیا جائے بلکہ اسے اتنی رخصت ہے کہ جماعت نہ چھوٹے۔

پھر امام طحاوی کے قول پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے چند قوی اشکالات وارد کیے جن کا حل علوم حدیث میں تبحر کے بغیر ممکن نہیں، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے نہایت ہی تفصیل سے ان اشکالات کا محققانہ حل پیش کیا پھر مذکورہ تنقیح کو دیگر شواہد سے مستحکم بھی کیا، یہاں مختصر وقت میں اس کی گنجائش نہیں اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔

احناف کے استدلالات پر کلام اور محدثین کا علمی محاسبہ:

بہت سارے مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں احناف اور شوافع کے مابین جواز و عدم جواز کا اختلاف ہوتا ہے، شوافع جواز کے قائل ہوتے ہیں تو احناف عدم جواز کا قول کرتے ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عذر سفر کی وجہ سے دو نمازوں کو حقیقی طور پر ایک ساتھ جمع کرنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے، جمع حقیقی کے عدم جواز پر ائمہ حنفیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذیل سے بھی استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں:

ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى صلاة قط فى غير وقتها إلا أنه جمع بين الصلاتين بجمع وصلى الفجر يومئذ لغير ميقاتها.

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بھی نماز غیر وقت میں کبھی بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر یہ کہ مزدلفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ جمع فرمایا اور اس دن فجر کی نماز وقت معتاد کے علاوہ میں ادا فرمائی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو علمائے شافعیہ میں اصحاب وجوہ سے ہیں انھوں نے ائمہ حنفیہ کی اس دلیل پر یہ کلام فرمایا کہ اس حدیث کے صرف مفہوم مخالف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کے علاوہ کبھی جمع بین الصلاتین نہ فرمایا حالانکہ حنفیہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں ان کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، اور ہم لوگ (شافعیہ) مفہوم مخالف کے قائل تو ہیں مگر چونکہ حدیث منطوق اس کے معارض ہے اس لیے ہم نے حدیث منطوق کو مفہوم پر مقدم کیا۔

مزید برآں کثیر احادیث صحیحہ سے جمع بیان الصلاتین کا جواز ثابت ہوتا ہے، علاوہ ازیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متروک الظاہر بھی ہے کیونکہ اس میں عرفات میں ظہر و عصر کے جمع فرمانے کا بھی تذکرہ نہیں ہے جب کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں، وہ فرماتے ہیں:

والجواب عن هذا الحديث أنه مفهوم و هم لا يقولون به ونحن نقول بالمفهوم ولكن إذا عارضه منطوق قدمناه على المفهوم وقد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بجواز الجمع ثم هو متروك الظاهر بالإجماع فى صلاتى الظهر والعصر بعرفات

ترجمہ: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم ہے اور وہ لوگ (حنفیہ) اس کے قائل نہیں ہیں، ہم لوگ مفہوم کے قائل ہیں لیکن جب حدیث منطوق اس کے معارض ہے تو ہم نے اسے مفہوم پر مقدم کیا، اور جمع بیان

الصلاتین کے جواز پر احادیث صحیحہ کثرت کے ساتھ آئی ہیں، پھر عرفات میں ظہر و عصر کی نمازوں کے تعلق سے یہ حدیث اجماعی طور پر متروک الظاہر ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کلام کو نقل فرما کر اس کا جواب یہ دیا کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ جمع بین الصلاتین کی نفی اس حدیث کے مفہوم مخالف سے ہو رہی ہے بلکہ ہمارا کہنا ہے کہ اس حدیث کے منطوق سے جمع بین الصلاتین کی نفی ہو رہی ہے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی بھی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیر وقت میں کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مفہوم مخالف سے یہ نفی ہو رہی ہے جب بھی ہمارے استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مفہوم مخالف کے بارے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف کلام شارع میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا، باقی حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشادات اور بعد کے علمائے شرع کے کلام میں بلاشبہہ اس کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ تحریر الاصول، النہر الفائق، درمختار وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

رہا امام نووی کا یہ فرمانا کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر کثرت کے ساتھ احادیث صحیحہ آئی ہیں، تو اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے چہ جائے کہ کثرت کے ساتھ اس سلسلے میں وارد ہوں، اور جن احادیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا وہ جمع صوری پر محمول ہیں جمع حقیقی ان سے مراد نہیں ہے، علاوہ ازیں وہ حدیثیں مبیح ہیں جو جمع بین الصلاتین کی اباحت و جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ہماری مستدل بہ حدیثیں حاظر ہیں جو اس فعل کے منع و تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور دلیل حاظر و مبیح میں حاظر کو مقدم کیا جاتا ہے۔

پھر جانب منع میں حدیث قولی و فعلی دونوں ہیں اور جانب اباحت میں محض احادیث فعلیہ ہیں اور حدیث قولی کو حدیث فعلی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

اور امام نووی کا یہ فرمانا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث متروک الظاہر ہے کیونکہ اس میں عرفات میں ظہر و عصر کے بھی جمع کرنے کا ذکر نہیں ہے جب کہ یہ اجماعی ہے، اس کا بھی جواب ہم دے چکے ہیں کہ اس روایت میں اختصار ہے، اس لیے کہ خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ عرفات میں ظہر و عصر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ جمع کرکے ادا کرنا جائز و درست ہے، یا بر بنائے شہرت عرفات کی ان دو نمازوں کا ذکر نہیں فرمایا، حضرت محشی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

أقول هذا الحديث ينفى الجمع بين الصلاتين بمنطوقه لا بمفهومه لأن لفظه الصريح ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى صلاة قط فى غير وقتها، وقوله إن منع الجمع مفهوم لا يصح ولو سلمنا أنه مفهوم فالحنفية لاينفون المفهوم مطلقا بل فى كلام الشارع وأما فى كلام الصحابة ومن بعدهم من العلماء فيجوز فيه المفهوم كما

نص عليه فى تحرير الأصول والنهر الفائق والدر المختار وغيرها، وأما قوله قد تظاهرت الأحاديث الصحيحة بجواز الجمع وقد أجبناعنه سابقا بأنه ليس فيه حديث صحيح صريح فضلا عن الأحاديث الصحيحة، وأما قوله هو متروك الظاهر إلى آخره وقد أجبنا عنه سابقا أن فى هذه الرواية اختصارا لأنه أخبر ايضا بجواز الجمع فى عرفات أو ترک صلاتى العرفات لشهرته. (کشف الأستار، ج ا ص ۳۶۵)

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث جمع بین الصلاتین کی نفی اپنے منطوق سے کرتی ہے نہ کہ اپنے مفہوم سے اس لیے کہ ان کا صریح لفظ یہ ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی کوئی نماز غیر وقت میں پڑھتے نہیں دیکھا، لہٰذا امام نووی کا یہ کہنا کہ منع جمع، مفہوم ہے، صحیح نہیں، اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ مفہوم ہے جب بھی مضر نہیں کیونکہ حنفیہ مطلقاً مفہوم کی نفی نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف کلام شارع میں اسے نامعتبر مانتے ہیں اور رہا صحابہ اور ان کے بعد کے علما کے کلام میں تو وہاں مفہوم کا اعتبار ہے، جیسا کہ تحریر الاصول، النہر الفائق، درمختار وغیرہ میں اس کی صراحت ہے، رہا امام نووی کا یہ فرمانا کہ جمع بین الصلاتین کے جواز پر احادیث صحیحہ بکثرت آئی ہیں، تو اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ اس بارے میں ایک بھی صریح حدیث صحیح نہیں چہ جائیکہ کئی احادیث صحیحہ ہوں اور رہا ان کا یہ کہنا کہ یہ متروک الظاہر ہے تو اس کا بھی جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ اس روایت میں اختصار ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنا جائز ہے یا بربنائے شہرت عرفات کی ان دو نمازوں کا ذکر نہیں فرمایا۔

یہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی وفنی بصیرت ہے جوانھوں نے اپنی مستدل بہ حدیث پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وارد ہونے والے اشکالات کا بھرپور محاسبہ فرمایا اور بحسن وخوبی انھیں حل فرمایا اور اپنے مذہب کے معارض احادیث کی ایسی توجیہ فرمائی کہ وہ حدیثیں ہمارے خلاف نہیں رہ جائیں بلکہ ہمارے نزدیک بھی ان پر عمل ہوتا ہے۔

نقل مذہب میں امام طحاوی کے طرز بیان پر ناقدانہ کلام:

نقل مذہب میں شرح معانی الآثار کی بعض تعبیروں وطرز بیان سے اگر ایک ظاہر بیں کو اصل مراد تک پہنچنے میں دشواری لاحق ہوتی ہو اور معنی مقصود سمجھنے میں اشتباہ پیدا ہوتا ہو تو ایسے مقام میں حضرت محشی قدس سرہ نے اپنے شیخ فی العلم والعمل مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہ کے حوالے سے اس کی نشان دہی فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ بہتر تعبیر یہ تھی، اس لفظ کی بجائے یہ لفظ مناسب تھا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اوقات نماز کے باب میں امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر بھی بحث فرمائی ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے یا اصفرار شمس یعنی آفتاب میں زردی آنے پر ختم

ہو جاتا ہے اور آفتاب کی زردی اور اس کے غروب کے درمیان کا وقت مہمل ہے جو کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہے۔

اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیثیں جمع فرمائی ہیں اور نقلی وعقلی دونوں جہتوں سے تفصیلی بحث بھی کی ہے اور اخیر میں ترجیح اسی بات کی ہے کہ عصر کا وقت تغیر آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے اور تغیر آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقت مہمل ہے، اور طرز بیان یہ ہے کہ پہلے یہ حدیث اور اس کے مفہوم کی حدیثیں تخریج فرمائیں:

من أدرک رکعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر

جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر پالی۔

اس کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرمایا:

فلما كان من أدرک من العصر ما ذكرنا فى هذه الآثار صار مدركالها ثبت أن آخر وقتها هو غروب الشمس.

تو جب ان آثار کی روشنی میں غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پانے والا عصر کا پانے والا ہوا تو ثابت ہوا کہ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہی ہے۔

پھر فرمایا:

وممن قال بذلک أبو حنيفة وأبو يوسف و محمد بن الحسن رحمهم الله تعالىٰ

اور اس کے قائلین میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

اس کے بعد کثرت کے ساتھ ایسی حدیثیں تخریج فرمائی ہیں جن سے غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے، پھر بعض علما کے حوالے سے فرمایا:

قالوا فلما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلوة عند غروب الشمس ثبت أنه ليس بوقت صلوة وأن وقت العصر يخرج بدخوله

ان علما نے کہا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو یہ ثابت ہوا کہ وہ کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہے اور اس وقت کے داخل ہوتے ہی عصر کا وقت نکل جاتا ہے۔

پھر عقلی اعتبار سے اس پر بحث کرتے ہوئے فرمایا:

فهذا هو النظر عندنا. یہی ہمارے نزدیک مقتضائے نظر ہے۔

اور اس کے معاً بعد فرمایا:

وهو قول أبى حنيفة وأبى يوسف و محمد اور یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔ یہاں پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "هو" کی ضمیر استعمال کی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ ثلٰثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک بھی عصر کا وقت تغیر آفتاب تک ہی رہتا ہے اور اس کے بعد سے غروب آفتاب

تک کا وقت مہمل رہتا ہے، کیونکہ ضمیر کا مرجع قریب کا ہوتا ہے، جب کہ حضرات ائمہ ثلٰثہ کا مذہب یہ ہے کہ عصر کا وقت غروب آفتاب تک ممتد ہے اور اس درمیان کا کوئی بھی وقت مہمل نہیں ہے، اور خود امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو بیان بھی فرمایا ہے کہ امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک عصر کا وقت غروب آفتاب تک باقی رہتا ہے، اس بنا پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو "هو" کی بجائے "ذلک" کہنا چاہیے تا کہ خلاف مقصود کا کوئی شبہہ نہ پیدا ہو اور مقصد بھی واضح ہو جائے، پھر امام طحاوی نے اس سے پہلے اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرمایا "هذا هو النظر عندنا" تو اگر ضمیر "هو" کے بدلے "ذلک" کہتے تو اسم اشارہ "هذا" سے تقابل بھی اچھی طرح ہو جاتا، یعنی قول ثانی ہمارا موقف ہے، جب کہ وہ یعنی جو قول اس سے پہلے بیان ہوا وہ حضرات ائمہ ثلٰثہ کا مذہب ہے، ورنہ امام طحاوی نے جو قول اختیار فرمایا ہے وہ حضرات ائمہ ثلٰثہ میں کسی کا مذہب نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ امام حسن بن زیاد کی ایک روایت نادرہ ہے کہ تغیر آفتاب سے غروب تک کا وقت مہمل ہے، اور روایت نادرہ کو قول نہیں کہا جاتا، ان حضرات کا قول وہی ہے جو پہلے بیان ہوا، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

قوله: وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، أي ما تقدم من أن آخر وقت العصر إلى غروب الشمس فكان الأولى إبدال "هو" بذٰلك، ليفيد بعد المشار إليه ويحسن مقابلته بهٰذا لكن لا حرج بعد وضوح المراد فقد قدّم أن ممن قال بذٰلك أي بأن آخر وقت العصر هو غروبها أبوحنيفة وصاحباه رحمهم الله، أما هذا الذي اختاره الطحاوي فمعلوم أن أحداً من ائمتنا الثلثة لم يقل به، اللّٰهم إلا راوية حسن بن زياد أن من وقت التغير إلى المغيب وقت مهمل كما حكاه عنه الإمام شمس الأئمة السرخسي كما في الحلية وغيرها والرواية النادرة لاتسمّى قولا إنما القول ماتقدم. (كشف الأستار، ۱/ ۳۴۱)

ترجمہ: اور وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی جو پہلے گزرا کہ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب تک ہے، اس لیے "ہو" کے بدلے "ذٰلک" لانا مناسب تھا تا کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا اس کے بعد کا افادہ ہوتا اور "ہٰذا" سے مقابلہ بھی اچھی طرح ہوتا، لیکن مقصود واضح ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود امام طحاوی نے پہلے یہ واضح فرما دیا ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت باقی رہنے کے قائلین میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، رہا یہ قول جو امام طحاوی نے اختیار فرمایا تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ وہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ میں کسی کا قول نہیں ہے، ہاں حسن بن زیاد کی ایک روایت ہے کہ تغیر آفتاب سے غروب تک کا وقت مہمل ہے جیسا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے ان سے یہ نقل کیا ہے، چنانچہ حلیہ وغیرہ میں اس کی صراحت ہے اور روایت نادرہ کو قول کا نام نہیں دیا جاتا قول تو وہی ہے جو پہلے گزرا۔

اس حاشیہ کے اختتامی عدد (۱۲) کے بعد تحریر فرمایا:

"شيخنا المجدد رحمه الله تعالى" اس کے علاوہ اور بھی جگہوں میں یہ لفظ ملتا ہے، اس سے یہ عیاں ہے کہ

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے دوران حاشیہ اپنے شیخ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز کے ارشادات عالیہ کو بھی پیش نظر رکھا اور ان سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

یہ کشف الاستار کے چند صفحات کے مطالعہ کے بعد چند ذیلی گوشے بادی النظر میں سامنے آئے جن سے قارئین کو آگاہ کیا گیا اور کتاب کی دونوں جلدوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی بہت سی ایسی خوبیاں بھی اجاگر ہوں گی جن کی طرف عام قاری کا ذہن نہیں جاتا۔

بہر حال کشف الاستار حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایسی علمی وفنی شاہ کار ہے، جس کی تخریجات کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ وقت کا کوئی امام زیلعی ہے جو کسی حدیث کی تخریج کرتا ہے تو اس کے تمام طرق روایت کا احاطہ کر ڈالتا ہے، اور جب اس کی بحثوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ کا کوئی علامہ عینی ہے جو اپنے مذہب کی حمایت میں احادیث کا ذخیرہ جمع کر دیتا ہے اور اگر سند یا متن کی حیثیت سے ان پر کوئی کلام کرتا ہے تو اس کا ایسا علمی محاسبہ کرتا ہے کہ شکوک وشبہات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور اقوال کے ہجوم میں قول امام اعظم نیر تاباں بن کر افق تحقیق پر جلوہ گر ہوتا ہے، اور الفاظ کی لغوی تشریحات دیکھی جائیں تو اپنے عہد کا کوئی امام لغت معلوم ہوتا ہے جو مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق پیش کر کے مقصود کی رہ نمائی کر رہا ہے، اس طرح یہ کتاب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فقہی فضل وکمال، محدثانہ شان، علمی تبحر، وسعت فکر و نظر، ذوق تحقیق کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔ اس لیے بقول امام اعمش آپ طبیب یعنی فقیہ بھی ہیں اور عطار یعنی محدث بھی ہیں۔

والحمد لله رب العلمين.

(باقی صفحہ ۱۸۵ کا)...... حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے کشف الاستار کے حوالے سے ایک مفصل ومدلل مقالہ کے لیے ۱۳؍ عناوین کا ایک خاکہ پیش کیا۔ اور ان میں سے ایک ذیلی عنوان "صدر الشریعہ کا امام طحاوی کے طرز تعبیر پر کلام" کو بطور نظیر پیش فرمایا۔ اور بڑے دل نشین انداز میں ایک فقہی بحث سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ اور اس کے بعد تحقیقی مقالہ لکھنے کا وعدہ کیا۔ ان کے بعد مفتی مہاراشٹر حضرت مولانا مفتی محمود اختر صاحب قادری نے اپنے تأثراتی خطاب میں فرمایا کہ "صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ طحاوی میں مذہب حنفی پر کیے جانے والے مخالفین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ اگر عناد کا چشمہ اتار کر کوئی غیر مقلد اس کا مطالعہ کرے تو یقیناً وہ حنفی واعظمی بن جائے گا۔ اس کے بعد مختصر سے وقت کے لیے ڈاکٹر محب الحق صاحب اسٹیج پر وارد ہوئے، اور اپنے قیمتی تأثرات سے ہم کو سرفراز کیا۔ اس کے بعد بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی بحر العلوم عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی زینت اسٹیج ہوئے اور اپنے ناصحانہ کلمات کے دوران حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی قوت حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے خود ان کا قول ذکر کیا کہ حضور صدر الشریعہ نے ارشاد فرمایا کہ "میاں میں کسی چیز کو یاد کرنے کے لیے کبھی کوئی چیز رٹتا نہیں بلکہ یاد کرنے کی نیت سے صرف اسے تین بار دیکھ لینا کافی ہوتا ہے"۔ اس کے بعد صدر سیمنار محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری تشریف لائے اور صدر الشریعہ کی تحقیق وتدقیق اور بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ بعدہ مفتی بحر العلوم کی دعاؤں پر اس سیمینار کا اختتام ہوا۔

رپورٹ: مولانا عالمگیر اشرف مصباحی بھیروی

حضرت صدر الشریعہ کی علم حدیث میں مہارت

تحریر: مولانا عارف اللہ صاحب شیخ الادب مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو

''کشف الاستار'' احادیث احکام کی مشہور و معروف کتاب ''شرح معانی الآثار'' کا ایک ایسا جامع حاشیہ ہے جس کے محشی حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں بے جا تطویل اور حاشیے کو ضخیم بنا کر علمی حلقوں میں اپنا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے جذبے سے مکمل احتراز کرتے ہوئے انتہائی اختصار و جامعیت کے ساتھ وہ سارے امور ذکر کردیے ہیں جو ایک تحقیقی و تنقیدی حاشیے کے لوازم گردانے جاسکتے ہیں۔ اس میں شرح معانی الآثار میں وارد احادیث کی دوسری کتب احادیث سے تخریج، درجات حدیث کی تعیین، راوی حدیث کی توثیق یا تضعیف، دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق، احادیث صحیحہ کی روشنی میں اپنے مذہب کی تائید و توثیق، ضرورت ہونے پر حدیث کے مفہوم و مطلب کی دل نشین اور قابل فہم توضیح، شراح حدیث کی لغزشوں پر تنبیہ، حدیث سے مستفاد فوائد و مسائل کا بیان، امام طحاوی کی کسی مغلق اور پیچیدہ عبارت کی آسان تشریح و تفہیم، یا ان کے کسی قول کی مناسب اور معقول توجیہ، مذہب حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات کے تحقیقی جوابات، فقہی مسائل میں راجح قول کی نشان دہی اور اس کی دلائل منقول و معقول سے تائید و تقویت، اپنی تحقیقات کا ذکر اور انھیں جیسی اور بہت سی قیمتی اور گراں قدر معلومات کا ذخیرہ سمودیا گیا ہے۔

میں اپنی بے مائیگی علم کا اعتراف کرتے ہوئے یہاں صرف چند امور کے ذکر پر اکتفا کروں گا، اہل علم و نظر سے گزارش ہے کہ وہ بھرپور استفادے کے لیے بذات خود اس کا بنظر غائر مطالعہ کریں۔

تخریج احادیث، ان کے مراتب کا بیان، روایتوں میں اختلاف الفاظ ہونے کی صورت میں ان مختلف الفاظ کا بیان۔

شرح معانی الآثار کے باب الوضوء للصلوة مرة مرة و ثلثا ثلثا میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اَلا اُنَبِّئُکُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّۃً مرة اَوْ قَالَ تَوَضَّأَ مَرَّۃً کی تخریج ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> هذا الحديث مما تفرد به البخاری عن مسلم و اخرجه الاربعة فابو داؤد عن مُسَدَّد عَنْ يَحيىٰ عن سفيان عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يَسَار عن ابن عباس، والترمذی عن محمد بن بَشَّار عن يحيىٰ به، وعن قتيبةَ وَهَنَّاد وابی كُرَيْبٍ وَثَلٰثِهِمْ عن وكيع عن سفيان به، والنسائی عن محمد بن مُثَنّٰی عن يحيىٰ به، وابن ماجةَ عن ابی بكر بن خَلَّادٍ الباهلیّ عن يحيىٰ بإسناده، وأيضا. الكُلُّ أَخْرَجُوه فی كتاب الطهارة وقال الترمذی

> عقيبَ إخراجِه وفی الباب عن عمر وجابر و بريدةَ وأبی رافع وابن الفاكهة وحديث ابن عباس أحسن شيئ فی الباب قلت: لاجرَمَ اقتصر عليه البخاری.

ترجمہ: یہ حدیث بھی شیخین میں سے تنہا امام بخاری نے روایت کی، امام مسلم نے روایت نہیں کی، ہاں چاروں ائمہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے، چنانچہ ابوداؤد نے مسدد سے، مسدد نے یحییٰ سے، یحییٰ نے سفیان ثوری سے، سفیان نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے۔ ترمذی نے محمد بن بشار سے، محمد بن بشار نے یحییٰ سے ان کی سند کے ساتھ اور انھیں ترمذی نے قتیبہ، ہناد اور ابو کریب سے، پھر ان تینوں نے وکیع بن الجراح سے اور وکیع نے سفیان سے ان کی سند کے ساتھ۔ نسائی نے محمد بن مثنیٰ سے اور محمد بن مثنیٰ نے یحییٰ سے ان کی اسناد کے ساتھ۔ اور ابن ماجہ نے ابوبکر بن خلاد باہلی سے اور ابوبکر بن خلاد نے یحییٰ سے ان کی اسناد کے ساتھ تخریج کی، پھر ان سبھی حضرات نے اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں تخریج کیا، اور بعد تخریج امام ترمذی نے فرمایا: اس باب میں حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت بریدہ، حضرت ابورافع اور حضرت ابن الفاکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث بھی ہیں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اس باب کی احسن حدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: ''امام بخاری نے یقیناً اسی وجہ سے حدیث عبداللہ بن عباس پر اکتفا کیا''

(حاشیہ نمبر ۸، ص ۵۷، ۵۸۔ کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار، اول)

☆ "باب حکم الأذنین فی وضوء الصلوة" میں حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء کی حدیث اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ عِنْدَھَا فَمَسَحَ رَأْسَہٗ عَلٰی مَجَارِی الشَّعْرِ وَمَسَحَ صُدْغَیْہِ وَاُذُنَیْہِ ظَاھِرَھُمَا وَبَاطِنَھُمَا" کی تخریج ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی کے حوالے سے اس کا حسن ہونا بھی ذکر فرمادیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> رَوَاہ ابن مَاجةَ وَأَبُوْدَاؤدَ بِطُرُقٍ کَثِیْرَۃٍ، وَالطَّبَرَانِی وَالتِّرْمِذِیُ وَقَالَ: ھٰذَا حَدِیْثٌ حسن

اس حدیث کو ابن ماجہ و ترمذی نے بطرق کثیرہ اور طبرانی و ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

☆ "باب فرض الرجلین فی وضوء الصلوة" ص ۷۱ پر مذکور حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث انه كان جالسا عند النبی صلی اللّٰه عليه وسلم الخ کا درجہ علامہ عینی کے حوالے سے متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هذا الحديث حَسَّنَه ابوعلی الطوسی الحافظ، وأبوعيسى الترمذی وابوبكر البزار، وصَحَّحَه الحافظ، وابن حبان وابن حزم، اس حدیث کو حافظ حدیث ابوعلی طوسی، ابوعیسی ترمذی اور ابوبکر بزار نے حسن قرار دیا اور حافظ ابن حجر اور ابن حبان و ابن حزم نے اس کو صحیح کہا، پھر امام عینی نے کہا: ابن قطان نے کہا کہ اس کی اسناد میں یحییٰ بن علی بن خلاد مجہول ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ ابن قطان کے اس دعوے کو ان لوگوں کا قول مخدوش کر رہا ہے جنھوں نے اس حدیث کو صحیح یا حسن کہا ہے اور ابن حبان نے یحییٰ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

☆ حضرت مقدام بن معدی کرب کی حدیث رایت رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یتوضا فلما بلغ مسحَ راسہ ،الخ کی تخریج ذکر کرنے کے بعد اسی حدیث کی دوسری روایت میں آئی ہوئی زیادتی سے آگاہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: وقال أبوداؤد وزاد ہِشام وأدخَلَ أصَابِعَہ فی صِمَاخِ أذنَیْہ. ابوداؤد نے کہا: ہشام نے اس حدیث میں وأدخل أصابعہ فی صماخ أذنیہ کا اضافہ فرمایا ہے یعنی حضور نے اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں اپنی انگلیاں داخل فرمائیں۔

☆ ''باب الرجل یخرج مِنْ ذَکرہ المذی کیف یَفْعَلُ؟'' میں حضرت رافع بن خدیج کی حدیث أنَّ عَلِیًّا أمَرَ عَمَّارً أنْ یَّسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ،الخ کے مختلف طرق میں موجود اختلاف الفاظ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ھٰذا الحدیث رواہ الجماعۃ فی بعض طرقہ مذاکرہ وفی بعضھا ذکرہ وانثییہ وفی بعضھا ذکرہ وفی بعضھا فیہ الوضوء وفی بعضھا توضأ واغسلہ وفی بعضھا توضأ وانضح فرجک'' اس حدیث کو جماعت محدثین نے روایت کی۔

اس کے بعض طرق میں ''مذاکیرہ''، بعض میں ''ذکرہ وانثییہ'' مذی نکلنے پر اپنے ذکر اور دونوں خصیوں کو دھوئے۔ بعض میں ''ذکرہ'' اپنے ذکر کو دھوئے، بعض میں ''فیہ الوضوء'' اسمیں (یعنی مذی نکلنے کی صورت میں) وضو ہے، بعض میں ''توضأ واغسلہ'' وضو کر اور ذکر کو دھولے، اور بعض میں ''توضأ وانضح فرجک'' ہے، یعنی وضو کرلے اور اپنی شرم گاہ (ذکر) پر پانی چھڑک لے۔

حدیثی اصول کے مطابق ،حدیث کے موقوف ہونے پر اس کے مرفوع ہونے کو ترجیح اور دوسرے ائمہ کا رد۔

☆ شہر بن حوشب سے مروی، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: أنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ أذنَیْہِ مَعَ الرأس'' کے آخری ٹکڑے ''وقال: الأذنان مِنَ الرأس'' کے متعلق امام ترمذی نے قتیبہ کا یہ قول نقل کیا کہ حماد کا کہنا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا ابوامامہ باہلی کا۔ بیہقی نے کہا: حماد سے قتیبہ کی جو روایت ہے اس میں حماد کو اس کے مرفوع ہونے میں شک ہے، اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ مجھے پتہ نہیں یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضرت ابوامامہ کا۔ سلیمان بن حرب اسے حماد سے روایت کرتے اور کہتے کہ یہ ابوامامہ کا قول ہے۔ اور شہر بن حوشب کو ضعیف بھی قرار دیا گیا ہے۔

حضرت صدرالشریعہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

حماد سے یہ مرفوعاً بھی مروی ہے اور موقوفاً بھی۔ چنانچہ ابوالربیع نے حماد سے اسے مرفوعاً روایت کیا اور کہا: میں نے اپنی دانست کے مطابق جن جن لوگوں سے اس کا سماع کیا انھوں نے اسے مرفوعاً روایت کیا، اسی طرح حماد سے مسدد کی روایت بھی مختلف ہے، ایک روایت مرفوع ہے تو دوسری موقوف۔ اور ضابطہ ہے کہ جب کوئی ثقہ راوی ایک حدیث کو مرفوعاً روایت کرے اور دوسرا ثقہ روی اسے موقوف قرار دے، یا ایک ہی ثقہ راوی ایک ہی حدیث کو مرفوع اور موقوف دونوں طرق سے روایت کرے تو رفع کو تقدیم و ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ یہ ایک ''زیادت'' ہے۔ (باب حکم الاذنین فی وضوء الصلوۃ، ص۲۶۷)

راوی کی تعیین، یا غلطی پر تنبیہ

☆ ''تخریج احادیث'' کے تحت درج حدیث عبداللہ بن عباس کے سلسلہ رواۃ میں ''سفیان'' مطلقاً مذکور ہے جس سے علم الحدیث سے تعلق رکھنے والے شخص کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس سے کون متعین راوی مراد ہیں، سفیان ثوری یا سفیان بن عیینہ۔ اسی لیے حضرت صدرالشریعہ نے تصریح فرمائی کہ اس سے مراد سفیان ثوری ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

سفیان وھو الثوری فإن الترمذی صرح بروایۃ الثوری عن زید بن اسلم عن عطاء عن ابن عباس، وکذٰلک صرح الحافظ فی فتح الباری، وصرح ابوداؤد والاسمعیلی فی روایتھما لسماع سفیان لہ من زید بن اسلم، وقال العینی سفیان اما ابن عیینۃ وإما الثوری لکن الراجح أنہ الثوری لأن أبانعیم صرح بہ فی کتابہ،

ترجمہ: یہاں سفیان سے مراد سفیان ثوری ہیں، کیوں کہ ترمذی نے اس حدیث کی اپنی تخریج میں یہ صراحت فرمادی ہے کہ سفیان ثوری نے زید بن اسلم سے، زید نے عطا سے اور عطا نے حضرت ابن عباس سے یہ حدیث روایت کی۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس کی تصریح فرمائی ہے، ابوداؤد اور اسماعیلی نے اپنی اپنی روایتوں میں صاف صاف بیان کیا ہے کہ سفیان ثوری کو زید بن اسلم سے اس حدیث کا سماع حاصل ہے، امام عینی نے فرمایا: یہاں سفیان سے مراد یا تو سفیان بن عیینہ ہیں یا سفیان ثوری۔ لیکن راجح یہ ہے کہ مراد سفیان ثوری ہیں کیوں کہ ابونعیم نے اپنی کتاب میں اس کی تصریح کی ہے۔ (ص۵۷، حاشیہ نمبر ۶، اول)

☆ دو انصاری صحابی ایسے ہیں جن کے نام اور جن کے باپوں کے نام ایک ہونے کے ساتھ دونوں کا قبیلہ بھی ایک ہے، مگر دونوں اپنے اپنے دادا اور قبیلے کے بطن میں باہم جدا ہیں، ایک قبیلۂ خزرج کی شاخ مازن سے جب کہ دوسرے اسی قبیلے کی ایک اور شاخ حارث سے تعلق رکھتے ہیں۔ شرح معانی الآثار کے ''باب فرض مسح الرأس فی الوضوء'' میں حدیث أنَّہٗ أخذ بِیَدِہٖ فِیْ وُضُوْءِ ہٖ لِلْصَّلٰوۃِ مَاءً فَبَدَأ بِمُقَدَّمِ رَأسِہٖ، الخ کے راوی حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب مازنی ہیں جب کہ دوسرے صحابی کا نام حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ حارثی ہے۔ مگر حضرت سفیان بن عیینہ جیسے حافظ حدیث کو وہم ہوگیا اور انھوں نے دونوں کو ایک ہی ذات سمجھ لیا اس لیے حضرت صدرالشریعہ نے اس چوک پر تنبیہ فرمائی تاکہ کوئی طالب حدیث نبوی غلطی میں نہ پڑے۔ فرماتے ہیں:

عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ زَیْدِ بْنِ عَاصِمٍ ھُوَ غَیْرُ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ زَیْد بن عبدر بہ الذی أری الاذان فی المنام ووھم من قال باتمادھما قال النوی! عبداللّٰہ بن زید بن عاصم ھُوَ غیر عبداللّٰہ بن زید بن عبد ربہ صاحب الأذان کذا قالہ الحفاظ مِنَ المتاخرین والمتقدمین، وَغلّطُوا سفیانَ بنَ

عُيَيْنَةَ فِيْ قَوْله هُوَ هُوَ فِيْمَنْ نَصَّ علىٰ غَلطِه فِي ذٰلک البخاری فی کتاب الإستسقاءِ مِن صحیحه وقد قِيْلَ إِنَّ صَاحِبَ الأذان لا يُعْرَفُ له غيرُ حديثِ الأذانِ وَاللّٰهُ أعلم.

ترجمہ: یہاں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم سے مراد حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نہیں جنھیں خواب میں کلمات اذان سے باخبر کیا گیا۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اسے وہم ہوا، علامہ نووی نے کہا: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم اور حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ صاحب اذان، دونوں جداگانہ شخصیتیں ہیں، یہی متاخرین ومتقدمین حفاظ کا قول ہے، اسی لیے انھوں نے سفیان بن عیینہ کی اس بات کو غلط قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں اور ان کو غلط قرار دینے والوں میں امام بخاری بھی ہیں جنھوں نے اپنی صحیح کی کتاب الاستسقاء میں ان کی اس غلطی کا ذکر کیا، کہا گیا کہ صاحب اذان حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے حدیث اذان کے علاوہ اور کوئی حدیث مروی نہیں۔

اس کے لیے حضرت نے علامہ عینی کا ایک تفصیلی و تحقیقی حوالہ بھی درج فرمایا ہے جس سے بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ دونوں دو الگ شخصیتیں ہیں۔ (ص ۵۹، حاشیہ نمبر ۲، اول)

☆ حضرت معاویہ کی حدیث أَنَّه أَرَاهُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلخ، کے ایک راوی کا نام، امام طحاوی نے "ابوالولید بن مسلم" ذکر کیا ہے جو صحیح نہیں بلکہ ان کا صحیح نام "ولید بن مسلم" ہے، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں: "وَفِيْ رِوَايَة أَبِي دَاوٗدَ الوليدُ بن مُسلم، وهٰذا هو الصَّوَابُ" "ابوداؤد کی روایت میں ولید بن مسلم ہے، اور یہی درست ہے۔

☆ ص: ۶۵ پر ایک راوی حریز بن عثمان کا ذکر ہے، کاتب نے غلطی سے ان کا نام جیم کے ساتھ جریر لکھ دیا، آپ نے اس کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے لکھا "جریر بالجیم خطأ مِن الكاتب" جریر جیم کے ساتھ کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہے۔

درجۂ راوی کی تعیین:

☆ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ شہر بن حوشب کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ نے اس بے جا جرح کا زوردار جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں: جہاں تک شہر بن حوشب کی تضعیف کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں، ابوزرعہ، امام احمد بن حنبل، یحییٰ، عجلی، یعقوب بن شیبہ اور سنان بن ربیعہ جیسے نامور اور معتمد ناقدین حدیث ورجال نے انھیں ثقہ کہا۔ امام مسلم نے ان کی روایات کی تخریج دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر فرمائی۔ امام ترمذی نے بھی حضرت ام سلمہ سے ان کی روایت کردہ یہ حدیث تخریج کی اور اسے حسن صحیح قرار دیا:

عَنْ أُم سلمةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَّلَ الحسَنَ، والحُسَيْنَ، وَعَلِيًّا، وَفَاطِمَةَ رضی اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمْ كِسَاءً ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، الخ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین اور علی وفاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک چادر سے ڈھانکنے کے بعد

فرمایا: اے اللہ یہ مرے اہل بیت ہیں۔

انھیں امام ترمذی نے "باب ما جاء لا وصية لوارث" میں اشہر بن حوشب کی یہ حدیث بھی تخریج کی اور اسے بھی حسن صحیح قرار دیا۔

"عَن عمرو بن خارجةَ أَنَّ النبيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ علىٰ نَاقَتِهِ وَأَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا وَهِي تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا، وَإِنَّ لُعَابَهَا يَسِيْلُ بَيْنَ كُتِفَيَّ فَسِمعته يقولُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَعْطىٰ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، والولدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ. هٰذا حَدِيْث حسن صحيح".

حضرت عمرو بن خارجہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کی پشت سے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، میں اس وقت اونٹنی کی گردن کے نیچے تھا، وہ جگالی کر رہی تھی اور اس کی رال میرے دونوں شانوں کے درمیان بہ رہی تھی، میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ بزرگ و برتر نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے اس لیے قریب مرگ شخص کا کسی وارث کے لیے اپنے مال میں وصیت کرنی جائز نہیں، بچہ شوہر کا ہوگا اور زناکار کے لیے پتھر کے سوا کچھ نہیں۔

ابن القطان نے کہا: میں نے ضعیف قرار دینے والوں سے ان کے ضعیف ہونے کی کوئی حجت اور دلیل نہیں سنی، ان سے متعلق جو بھی باتیں ان لوگوں نے ذکر کیں یا تو وہ صحیح نہیں یا وہ مخرج حدیث کے خلاف پڑتی ہیں جو ان کے لیے بالکل ضرر رساں نہیں، رہا یہ الزام کہ انھوں نے کسی کا تھیلا رکھ لیا تھا تو یہ محض جھوٹ اور ایک شاعر کی افترا پردازی ہے جس نے لوگوں کی نگاہوں میں انھیں معیوب بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (ص ۶۶، حاشیہ نمبر ۹، جلد اول)

☆ طلحہ بن مصرف بن عمرو ہمدانی یامی کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ابن معین، ابوحاتم اور عجلی نے کہ: ثقہ ہیں، ابومعشر نے کہ: انھوں نے اپنے بعد اپنا کوئی ثانی نہ چھوڑا اور ان کی تعریف کی، عبداللہ بن ادریس نے کہا: میں نے اعمش کو طلحہ کے علاوہ کسی بھی ایسے شخص کی تعریف کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس سے انھوں نے ملاقات کی ہو، ابن ادریس نے کہا: لوگ انھیں سرآمد قرا کہتے تھے۔ عجلی نے کہا: وہ عثمانی تھے اور اہل کوفہ میں سب سے بڑے قاریوں اور سب سے نیک لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، حکم بن عتبہ کے گھر پر قرا کا اجتماع ہوا اور ان سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ وہ تمام باشندگان کوفہ میں سب سے بڑے قاری ہیں۔ لیکن جب یہ بات طلحہ تک پہنچی تو وہ آئندہ صبح اعمش سے اکتساب علم کے لیے ان کے پاس جا پہنچے تاکہ یہ نام ان کی ذات کے ساتھ باقی نہ رہے۔ (ص ۶۰، حاشیہ نمبر ۵، اول)

☆ لیث بن ابی سلیم کی تضعیف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: وَأَمَّا لَيْثُ بْنُ أَبِيْ سليم فِي هٰذا السَّند فهو أيضاً ضَعِيْف. قَال النووی: ضَعَّفَه الجماهير، قالوا اخْتَلَطَ وَاضْطَرَبَتْ أَحَادِيْثُهٗ.

اس سند میں مذکور لیث بن ابی سلیم بھی ضعیف ہیں۔ نووی نے کہا انھیں جمہور اصحاب جرح و تعدیل نے ضعیف کہا، او

رکھا کہ ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور ان کی احادیث میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ (ص ۶۱، حاشیہ نمبر ۶، اول)

دو متعارض حدیثوں میں تطبیق:

"باب التسمية على الوضوء" میں حضرت مہاجر بن قنفذ کا بیان ہے:

أَنّه سَلَّمَ عَلىٰ رَسُوْلِ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَضَّأ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْه، فلما فَرَغَ مِنْ وُضُوْئِه قَالَ إِنَّه لَمْ يَمْنَعْنِيْ أَنْ أَرُدَّ عَلَيْکَ إِلَّا أَنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلىٰ طَهَارَةٍ"

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے وضو کرنے کے دوران سلام عرض کیا تو آپ نے اس کا جواب نہ دیا، پھر جب وضو سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ میں نے بے طہارت اللہ کا ذکر کرنے کو ناپسند کیا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بے طہارت دعا کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ اس کے برخلاف صدر الشریعہ نے اپنے حاشیہ نمبر ۸ ص ۵۱، ۵۲ پر مندرجہ ذیل دو ایسی حدیثیں بھی ذکر فرمائی ہیں جن سے حضور کا بے طہارت بھی دعا کرنا ثابت ہے۔

☆ حضرت عائشہ کہتی ہیں: إِنَّه كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ يَقُوْلُ غُفْرَانَکَ، اخرجه ابوداؤد وصححه الحاكم وأبوحاتم، وابن خزيمة وابن حبان. "حضور جب بیت الخلا سے باہر آتے تو کہتے: خدایا ہمیں تیری مغفرت درکار ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ "كَانَ يَقُوْلُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاء "أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيَ الْأَذىٰ وَعَافَانِيْ" حضور جب بیت الخلا سے نکلتے تو کہتے "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے بول و براز کو دور فرمایا اور مجھ کو صحت و عافیت عطا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعہ ان احادیث کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قُلْتُ: الذِكْرُ عَلىٰ نَوْعَيْنِ مختص بِوَقْتٍ، وغير مختص، فالذكرُ المختص يأتى به فى وقته سَوَاءٌ كَانَ مُحْدِثًا اَوْ طَاهِرًا، وَاَمَّا السَّلَامُ فَلَيْسَ لَه وَقْت مختص فَلَوْ اَخَّرَ إِلَى الطَّهَارَةِ بِشرطِ أَنْ لَا يَفُوْتَ فَهُوَ أَفْضَلُ.

میں کہتا ہوں: ذکر کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ ذکر جو کسی وقت کے ساتھ خاص ہو، (۲) وہ ذکر جو کسی وقت کے ساتھ مختص نہ ہو، پہلی قسم کا ذکر، ذاکر اس کے خاص وقت میں ہی کرے گا، خواہ وہ محدث ہو یا طاہر، لیکن چونکہ سلام ایسا ذکر ہے جس کا کوئی وقت مخصوص نہیں اس لیے اس کے فوت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ اگر اسے پاک ہونے تک مؤخر کر دے تو یہ افضل ہے"۔

تائید مذہب:

"باب فرض مسح الرأس فى الوضوء" میں امام طحاوی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث تخریج فرمائی إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ عِمَامَة، فَمَسَحَ عَلىٰ عمامته، وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِه "حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر عمامہ پہنے ہوئے وضو فرمایا تو چہرہ اور ہاتھ کو دھونے کے بعد اپنے عمامہ پر مسح فرمایا اور اپنے سر کے چوتھائی حصے کا مسح فرمایا:

اس حدیث میں "فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِه" کی بنیاد پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اے حنفیو! آپ لوگوں نے اسی حدیث کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ سر کا مسح، چوتھائی سر کی مقدار ہے لیکن حدیث کے باقی حصہ یعنی "مَسَح عمامه" پر عمل کو آپ لوگوں نے ترک کر دیا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر ہم پوری حدیث پر عمل کریں گے تو خبر واحد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں، رہا مسح سر کا مسئلہ تو یہ کتاب یعنی قرآن کریم سے ثابت ہے اس لیے خبر واحد سے نص قرآن پر زیادتی لازم نہ آئے گی، اور جہاں تک حضور کے اپنے عمامے پر مسح فرمانے کا سوال ہے تو بعض علما نے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ "فَمَسَحَ عَلىٰ عِمَامَتِه" سے مراد سر ہے جو زیر عمامہ ہوتا ہے۔

اس طور پر یہ محل پر اسم حال کا اطلاق کیے جانے کی قبیل سے ہوگا، بعض دوسرے علما نے یہ تاویل فرمائی کہ راوی چوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوری پر تھا اس لیے جب حضور نے عمامے کو اتارے بغیر اپنے سر کا مسح فرمایا تو اس نے یہ گمان کر لیا کہ حضور نے عمامہ پر مسح فرمایا۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا: ہمارے اصحاب نے حدیث "مَسَحَ عَلىَ العِمَامَةِ" کو سب سے بہتر جس بات پر محمول فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ شاید حضور کو کوئی مرض تھا جو سر کھولنے سے مانع تھا، اس لیے عمامہ اس پٹی کی طرح ہو گیا جس پر ضرورتاً مسح کیا جاتا ہے۔ (کذا فی العینی)

امام محمد بن حسن نے موطا میں فرمایا: ہمیں مالک نے خبر دیتے ہوئے بتایا کہ مجھے جابر بن عبد اللہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ ان سے عمامہ پر مسح کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا: یہ مسح جائز نہیں جب تک کہ تری بالوں سے نہ چھو جائے، امام محمد نے ہی فرمایا: ہمیں مالک نے خبر دی، مالک نے کہا ہمیں نافع نے بتایا: میں نے اپنی صغرسنی میں حضرت صفیہ بنت ابی عبید کو وضو کے دوران دیکھا کہ وہ اپنا دوپٹہ اپنے سر سے اتار کر سر کا مسح کر رہی ہیں۔ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، مسح نہ تو دوپٹے پر کیا جائے گا اور نہ عمامے پر۔ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ عمامے پر مسح پہلے کیا جاتا تھا، پھر ترک کر دیا گیا، یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ (تفصیل کتاب میں دیکھیں) (ص ۶۲، حاشیہ نمبر ۱۱، اول)

دوسرا اعتراض: اگر تم اعتراض کرو کہ مسح ناصیہ والی حدیث، خبر واحد ہے اس لیے آپ لوگ کیسے اس حدیث سے مقدار ناصیہ کا مسح فرض ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔

جواب دوں گا: ہم فرضیت کا اثبات آیت کریمہ "وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ" سے کرتے ہیں جو مجمل ہے اور فعل نبی (مقدار ناصیہ کا مسح) اس کا بیان ہے جو اسی آیت کے ساتھ لاحق ہے۔ (ص ٦٢، حاشیہ نمبر ١١، اول)

☆ مسواک کے بارے میں ہمارے اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ دونوں روایتوں (وضو کے وقت اور نماز کے وقت مسواک کرنے کی روایتوں) کے درمیان تطبیق دینے کے لیے ہر وضو اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔ ہم کہتے ہیں: مسوک کرنا وضو کے وقت یا منہ سے بدبو زائل کرنے کے لیے مستحب ہے، اور جس روایت میں "عِنْدَ کُلِّ صَلوٰۃٍ" وارد ہے وہ عِنْدَ وُضُوْءِ کُلِّ صَلوٰۃٍ کی تقدیر پر ہے یعنی "لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلیٰ أُمَّتِیْ لَأَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ وُضُوْءِ کُلِّ صَلوٰۃٍ" اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔ اور ایسی تقدیر کلام عرب میں شائع و عام ہے یوں مسواک کرنا وضو کی سنت ہوگی نہ کہ نماز کی۔ کیوں کہ مسواک کرنے میں مسوڑھے کے زخمی ہونے اور خون نکلنے کا ظن ہوتا ہے جو ناقض وضو ہے تو یہ حرج کا باعث ہوگا اور شریعت نے حرج کو دفع فرما دیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مروی نہیں کہ آپ نے نماز کے لیے کھڑے ہونے کے وقت مسواک فرمایا ہو اس لیے حضور کے قول "عند کل صلوۃ کو عند وضوء کل صلوۃ پر حمل کیا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مسواک کرنا ہر نماز کے وقت مستحب ہوتا تو خلفائے اربعہ نے مسواک کیا ہوتا اور ان سے یہ عمل منقول ہوتا۔ (ص ٩٥، حاشیہ نمبر ٣٠، اول) (مسواک کے سلسلے میں احادیث اسی صفحے پر دیکھیں)

☆ ہمارے نزدیک ایک بار پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے، جب کہ شافعیہ کے نزدیک تین بار پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے۔ اس پر شافعیہ کی دو دلیلیں ہیں۔ (١) یہ لوگ سر کے مسح کو غَسْلِ اَعْضَا (اعضائے وضو کو دھونے) پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح وضو میں اعضائے وضو کو تین بار دھویا جاتا ہے اسی طرح تین بار سر کا مسح بھی کیا جائے گا۔

(٢) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین تین بار وضو کیا یعنی چہرہ، ہاتھوں اور پیروں کو تین تین بار دھویا اور تین بار سر کا مسح فرمایا۔

حضرت صدر الشریعہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: امام عینی نے کہا کہ ابن بطال نے کہا: امام شافعی کے خلاف حجت یہی ہے کہ کسی امر مسنون کے ثبوت کے لیے شرع کی حاجت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔ اور حدیث عثمان میں اگر چہ "تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا" ہے لیکن اس میں یہ بھی تو ہے کہ "حضور نے ایک بار اپنے سر کا مسح فرمایا"۔

کرمانی نے کہا: تین بار مسح کے مسنون ہونے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ "حضور نے تین بار مسح فرمایا"۔ لیکن حضرت عثمان سے مروی ایک جماعت محدثین کی حدیث میں صرف ایک بار مسح کا ذکر ہے۔ اسی لیے ابوداؤد نے اپنی سنن میں کہا، حضرت عثمان سے مروی صحیح احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ مسح راس ایک بار ہے۔ کیوں کہ ان احادیث میں ان محدثین نے یہ تو ذکر کیا کہ حضور کا وضو تین تین بار تھا اور یہ بھی کہا کہ حضور نے اپنے سر کا مسح فرمایا لیکن انھوں نے اس میں عدد کا ذکر نہ کیا جس طرح انھوں نے غیر مسح راس

میں کیا۔ حضرت عبداللہ بن زید کی ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن زید نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَ مَسَحَ بِرَاْسِہٖ مَرَّۃً" "حضور نے ایک بار سر کا مسح فرمایا"۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت سلمہ بن الاکوع اور ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور کے وضو کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَسَحَ بِرَاْسِہٖ مَرَّۃً" ان کی احادیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو تکرار مسح راس میں صریح ہو۔ بیہقی نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بوجوہ غریبہ، مسح راس کی تکرار کا ذکر مروی ہے، مگر یہ تمام وجوہ، ثقہ حفاظ حدیث کی روایتوں کے برخلاف ہونے کے سبب اہل معرفت کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔

مسح راس کا باقی اعضا پر قیاس اس سے مسترد ہو جاتا ہے کہ مسح، غسل کے برخلاف، تخفیف پر مبنی ہے تو اگر اس میں تکرار مشروع قرار دے دی جائے تو یہ بالکل غسل کی طرح ہو جائے گا اور مسح راس کے بدلے غسل راس کے مکروہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے اگر چہ یہ غسلِ راس کافی ہو جائے گا۔ (ص ٥٩، ٦٠ حاشیہ نمبر ٥، اول۔ تفصیل حاشیے میں دیکھیں)

توضیح معنی حدیث:

☆ محمد بن یحیٰ بن حبان کی حدیث، قلتُ رأیتَ تَوَضُّأ ابنِ عمرَ لِکُلِّ صلوٰۃٍ طاھراً کَانَ أو غیرَ طَاھرٍ، عَمَّ ذَاکَ" میں عَمَّ ذَاکَ کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ لکھتے ہیں: امام احمد کی روایت میں عَمَّ ذَاکَ کی جگہ عَمَّنْ أَخَذَہ ہے۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں: عَمَّنْ أَخَذَہ أَرَأَیْتَ کے معنی سے متعلق ہے اور "أَخَذَہ" کی ضمیر منصوب متصل اسم اشارہ "ھٰذَا" کے معنی میں ہے اور مشار الیہ وضوئے مخصوص ہے، یعنی مجھے بتائیے کہ انھوں نے یہ وضوئے مخصوص کس سے اخذ کیا؟ شرح معانی الآثار کے لفظ عم ذاک کی خود تشریح و توضیح فرمائی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: وَعَلیٰ رِوَایَۃِ الکتاب معناہ اخبرنی عن سببِ ذلک، وما وجھہ؟ کتاب کی روایت کے مطابق معنی ہے۔ مجھے اس کا سبب بتائیے اور اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ بتائیے۔ (ص ٩٣، حاشیہ نمبر ٢١، اول)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث "وَیْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" میں "أعقاب" کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قولہ للأعقاب أی أصحاب الأعقاب الذین قصروا فی غسلہ، کما فی قولہ تعالی: واسْأَلِ الْقَرْیَۃَ أی أَھْلَ الْقَرْیَۃ. یہاں أعقاب سے پہلے اصحاب مقدر ہے تو معنی ہوگا، ہلاکت ہے ان ایڑی والوں کے لیے جنھوں نے انھیں دھونے میں کوتاہی کی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول واسال القریۃ میں قریہ سے پہلے اھل مقدر ہے۔ اب معنی ہوگا، بستی والوں سے دریافت کرو۔ (ص ٨٢، ج اول)

☆ حضرت عمرو بن عبسہ کی حدیث میں اغْتَسَلْتَ مِنْ عَامَّۃِ خَطَایَاکَ" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ای تَطَھَّرْتَ أَنْتَ وَغُفِرَتْ ذُنُوْبُکَ" تو گناہوں سے پاک ہو جائے گا اور تیرے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

امام طحاوی کی عبارت کی توضیح یا اس کی توجیہ:

امام طحاوی کے قول "وظهور الناصية دليل علىٰ ان بقية الرأس، الخ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یہ ایک دخلِ مقدر کا رد ہے۔ دخل مقدر کی تقریر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کے کھلے ہوئے حصے یعنی ناصیہ کا مسح فرمایا، پھر اپنے عمامے کا بھی مسح فرمایا، اس لیے عمامے کا مسح باقی سر کا قائم مقام ہوگیا اور دونوں یعنی ناصیہ اور عمامے کے مجموعے سے مسح راس کا استیعاب پالیا گیا۔ لہٰذا یہ ثابت نہیں ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں بلکہ بعض سر کا مسح ہی فرض ہے۔ حضرت مصنف کتاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضور کے ناصیہ پر مسح فرمانے سے معلوم ہوگیا کہ سر کے مسح میں ناصیہ ہی مقدار مفروض ہے، کیوں کہ یہ ثابت ہی نہیں کہ حضور نے ناصیہ سے کم کا مسح فرمایا ہو۔

جہاں تک مسح عمامہ کا تعلق ہے تو یہ باقی ماندہ سر کے مسح کا قائم مقام نہیں ہے، کیوں کہ اگر ایسا ہو تو یہ مسح، موزوں پر مسح جیسا ہوگا اور موزوں پر مسح اسی وقت جائز ہے جب دونوں پیر، موزوں کے اندر چھپے ہوئے ہوں اور ان کا کوئی بھی حصہ کھلا ہوا اور نکلا ہوا ہو تو ان پر مسح جائز ہی نہیں ہوگا بلکہ اس صورت میں دونوں پیروں کے دھونے کا حکم ہے، یوں پیروں کا جتنا حصہ موزوں کے اندر ہے اس کا حکم وہی ہے جو ان پیروں کے نکلے ہوئے حصے کا ہے۔ اور جب نکلے ہوئے حصے کا دھونا فرض تو موزے کے اندر کے حصے کا دھونا بھی فرض ہوگا، تو اگر پورے سر کا مسح فرض ہو تو نکلے ہوئے اور چھپے ہوئے دونوں حصوں کا مسح فرض ہوگا حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سر میں مقدار ناصیہ کے مسح پر ہی اکتفا فرمالیا تو معلوم ہوگیا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں، اور جن روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے پورے سر کا مسح فرمایا تو یہ تحصیل فضیلت کی غرض سے ہے نہ کہ فرض ہونے کی وجہ سے۔ (ص۶۲، ۶۳، ج اول)

☆ امام طحاوی نے "باب فرض الرِّجْلَيْنِ فِيْ وُضُوْءِ الصَّلٰوةِ" میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث روایت فرمائی:

قال تَخَلَّفَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا صَلٰوةُ الْعَصْرِ، وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلىٰ أَرْجُلِنَا، فَنَادىٰ بِلَال "وَيْل لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّار، مَرَّتَيْنِ أَو ثَلَاثًا.

"حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سے پیچھے تشریف لا رہے تھے اور جب ہم سے آکر ملے تو ہماری حالت یہ تھی کہ ہمیں نماز عصر نے برانگیختہ کر رکھا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے تو حضرت بلال نے حضور کے حکم سے دو یا تین بار آواز لگائی "ان ایڑی والوں کے لیے آتش دوزخ سے ہلاکت ہے"۔

اس پر امام طحاوی نے لکھا: اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو نے بتایا کہ صحابۂ کرام وضو میں پہلے پیروں کا مسح کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں کامل وضو کرنے کا حکم دیا اور ایسا نہ کرنے پر انھیں ڈراتے

ہوئے فرمایے: "ان ایڑی والوں کے لیے آتش جہنم سے ہلاکت ہے"۔

لہٰذا یہ قول اس بات پر دلیل ہے کہ صحابۂ کرام کا پیروں پر مسح کرنا منسوخ ہوگیا، کیوں کہ یہ قول زبانِ رسالت مآب سے بعد میں صادر ہوا۔

امام طحاوی کے اس قول نسخ پر امام عینی نے کہا: "فيه نظر" یہ محل نظر ہے۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کے قول "نَمْسَحُ عَلىٰ أَرْجُلِنَا" میں یہ احتمال ہے کہ اس کا معنی "نَغْسِلُ غَسْلاً خَفِيْفاً مُبَقَّعًا" ہو، ہم خفیف طور پر پیروں کو اس طرح دھو رہے تھے کہ کہیں ان کا کچھ حصہ بے دھوئے رہ گیا۔ اس پر دلیل بعض روایتوں میں آیا ہوا یہ قول ہے کہ "رَأىٰ قَوْمًا تَوَضَّأُوْا كَأَنَّهُمْ تَرَكُوْا مِنْ أَرْجُلِهِمْ شَيْئًا" حضور نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انھوں نے اس طرح وضو کیا کہ یوں لگ رہا تھا جیسے انھوں نے اپنے پیروں کا کوئی حصہ چھوڑ دیا ہو۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام وضو میں پیروں کو دھوتے تو تھے لیکن یہ غسل (دھونا) مسح سے قریب ہوتا اسی لیے حضور نے "أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ" فرمایا یعنی کامل وضو کرو۔ مزید لکھتے ہیں: وعید تو فرض کو چھوڑنے پر ہوتی ہے اس لیے اگر غسل (پیروں کا دھونا) ان کے نزدیک پہلے سے فرض نہ ہوتا تو اس وعید کا رخ ان کی طرف نہ ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر مسح ان کے درمیان عام اور معمول بہ ہوتا تو حضور بغیر وعید کے انھیں مسح ارجل کو ترک کرنے اور غسل ارجل کی طرف منتقل ہونے کا حکم دیتے

حضرت صدر الشریعہ نے امام طحاوی کے مندرجہ بالا قول کی ایسی عمدہ اور قابل قبول توجیہ فرمائی کہ اس سے امام عینی کا فیہ نظر فرمانا بے محل ہوگیا۔

فرماتے ہیں: امام طحاوی کے قول کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ صحابۂ کرام نے آیت وضو یعنی اللہ تعالیٰ کے قول "وَأَرْجُلَكُمْ" کے بارے میں یہ سمجھا کہ یہ "رُؤُسِكُمْ" پر معطوف ہے، اس تقدیر پر آیت کریمہ کا معنی ہوگا "تم اپنے پیروں اور سروں کا مسح کرو"۔ یوں سر کی طرح پیروں کا وظیفہ بھی مسح ہوگا، اس لیے صحابۂ کرام نے اپنے پیروں کا مسح فرمایا اور ان سے معنی آیت کے فہم میں خطا سرزد ہوگی۔ لیکن جب حضور نے ان کا یہ فعل دیکھا تو انھیں اس خطا پر متنبہ فرمایا اور حکم دیا کہ اس طرح پیروں کو دھویا کرو کہ ان کا کوئی جز ایسا باقی نہ رہے جس پر پانی نہ بہے۔ اسی کو حضرت امام طحاوی نے نسخ سے تعبیر فرمایا۔

اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ کے کہنے کے مطابق صحابۂ کرام نے غلطی سے پیروں کا مسح فرض سمجھ لیا ورنہ حقیقت میں اس کا دھونا ہی فرض تھا، تو پھر حضور نے انھیں نماز کے اعادے کا حکم کیوں نہیں دیا کیوں کہ ایسا وضو باطل و نادرست ہوگا جس میں پیروں کو دھویا نہ گیا ہو، حضرت نے اس کا یہ جواب دیا کہ اعادہ کا حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ معنی آیت کے فہم میں ان سے جو خطا سرزد ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھی اور ایسی خطا، بطلان عمل کا موجب نہیں اس لیے انھیں اعادے کا حکم نہیں دیا۔

ایک اعتراض یہ بھی وارد ہوتا ہے کہ اگر بعض روایتوں میں "مَسْحِ أَرْجُل" مذکور ہے تو دوسری روایتوں میں "غَسْلِ ارجل" (پیروں کا دھونا) بھی تو مذکور ہے اس لیے آپ کا یہ کہنا درست نہیں کہ صحابۂ کرام نے آیت کریمہ سے غلطی سے مسح ارجل (پیروں کا مسح کرنا) سمجھ لیا تھا، لہٰذا امام عینی کا "فیہ نظر" کہنا اپنی جگہ باقی ہے اور مسح سے وہی غسل خفیف مراد لیا جائے گا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: صحابۂ کرام کے حالات مختلف تھے، چنانچہ بعض صحابۂ کرام نے پیروں کو دھویا مگر نماز میں تاخیر ہو جانے کے سبب ہونے والی عجلت کے باعث ان کے پیروں میں کہیں کچھ حصہ پر پانی نہ بہ سکا تھا، جب کہ بعض دوسرے صحابۂ کرام نے پیروں کو نہ دھو کر صرف ان کا مسح فرمایا کیوں کہ ان کا گمان تھا کہ پیروں کا وظیفہ مسح ہے غسل نہیں۔ اس طرح حضور کا ارشاد ''أَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ'' دونوں فریقوں کے لیے ہوگا کہ وہ اپنے پیر اس طرح نہ دھوئیں کہ کہیں کچھ حصہ دھونے سے رہ جائے اور نہ ہی غسل (دھونے) کے بدلے اپنے پیروں پر مسح ہی کریں۔ آخر میں فرماتے ہیں: ''هٰذَا مَا سَنَحَ لِيْ أَوَانَ تَحْرِيْرِ هٰذِهِ الْأَسْطُرِ'' ان سطور کی تحریر کے دوران میرے ذہن میں یہ بات آئی۔

اپنی تحقیق:

☆ تائید مذہب کے ذیلی عنوان میں ہم نے حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کی یہ توجیہ حضرت صدر الشریعہ کے حوالے سے نقل کی۔ رہیں وہ احادیث جن میں تین بار مسح راس کا ذکر آیا ہے تو ادلہ کے درمیان تطبیق کے نقطۂ نظر سے ان احادیث کے صحیح ہونے کی شرط پر انھیں مسح راس میں استیعاب کرنے کے ارادے پر حمل کیا جائے گا، پورے سر کے تین مستقل مسح مراد نہیں ہوں گے۔

اس توجیہ کو علامہ عینی نے فیہ نظر (یہ محل نظر ہے) کہہ کر رد فرما دیا، ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ثلث (تین بار) منصوص و مصرح ہ اور مسح کا استیعاب عدد پر موقوف نہیں۔ درست یہ ہے کہ کہا جائے جس حدیث میں تین بار مسح کا ذکر ہے وہ ان احادیث کا مقابل نہیں ہو سکتی جن میں صرف ایک بار مسح کا ذکر ہے اسی لیے ترمذی نے کہا: اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم کا ایک بار کے مسح پر عمل ہے۔

حضرت صدر الشریعہ اس نظر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علامہ عینی کی نظر اس توجیہ پر وارد نہیں ہوتی اس لیے کہ علامہ ابن حجر نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ استیعاب عدد پر موقوف ہے بلکہ انھوں نے تطبیق کی راہ اختیار فرماتے ہوئے لکھا ''ممکن ہے کہ حضور نے استیعاب کے قصد سے اپنے سر کا تین بار مسح اس طرح فرمایا ہو کہ پہلی بار اپنے سر کے بعض حصے کا، دوسری بر دوسرے بعض حصے کا اور تیسری بار باقی ماندہ حصے کا مسح فرمایا ہو لیکن راوی نے گمان کر لیا کہ یہ تین مسح ہیں، جیسے احادیث میں ہے کہ حضور اپنے ہاتھ کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے یعنی (مسح راس میں) ہاتھ کو آگے لاتے ہوئے سر کے بعض حصے کا اور پیچھے لے جاتے ہوئے سر کے بعض حصے کا مسح فرمایا۔ یہی صورت حال یہاں بھی ہے۔

☆ علما میں اس بابت اختلاف ہے کہ اعضائے وضو کو تین بار دھونا سنت ہے یا اس میں تفصیل ہے، ہدایہ میں ہے ''وَتَكْرَارُ الْغَسْلِ إِلَى الثَّلٰثِ سُنَّةٌ'' تین بار دھونا سنت ہے۔ فتح القدیر میں ہے، پہلا غسل (دھونا) فرض، دوسرا سنت اور تیسرا اکمال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دوسرا اور تیسرا سنت ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ دوسرا سنت اور تیسرا نفل ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دوسرا نفل اور تیسرا سنت ہے۔ علامہ ابو بکر اسکاف سے مروی ہے کہ تینوں فرض واقع ہوں گے جس طرح نماز میں قیام اور رکوع کو

چاہے جس قدر طویل کیا جائے وہ فرض ہی ہوں گے۔

اس پر حضرت صدر الشریعہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: میرے نزدیک قول ثانی کا معنی اگر یہ ہے کہ غسل ثانی سنت ہونے کے لیے غسل ثالث (تیسری بار دھونا) کی طرف مضاف ہے یعنی دونوں مل کر سنت ہوں گے تو یہ حق ہے۔ لہٰذا غسل ثانی (دوسری بار دھونا) فی حدِّ ذاته وصف ''سنیت'' سے متصف نہ ہوگا، اس لیے اگر کوئی شخص وضو میں غسل ثانی پر ہی اکتفا کر لے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ ''سنت'' کو بجا لایا، کیونکہ بعض شے، شے نہیں، اسی طرح غسل ثالث کو بھی اس وقت تک وصف سنیت سے متصف نہیں کیا جائے گا جب تک اس کا اس کے ماقبل کے ساتھ لحاظ نہ کیا جائے۔

☆ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ہر نماز کے لیے وضو فرماتے تھے، اس پر امام طحاوی نے ایک تاویل یہ ذکر فرمائی کہ ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے واجب تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اس کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا: طحاوی نے کہا کہ یہ احتمال ہے کہ یہ خاص حضور پر فرض رہا ہو، پھر حضرت بریدہ کی اس حدیث سے منسوخ ہو گیا، جسے امام مسلم نے تخریج کی کہ حضور نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں، جب حضرت عمر نے دریافت کیا تو فرمایا: میں نے ایسا بھول کر نہیں بلکہ دانستہ کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں: طحاوی نے یہ احتمال بھی ذکر کیا کہ حضور ایسا بطور استحباب کیا کرتے تھے، پھر آپ کو اندیشہ ہوا کہ اس کے فرض ہونے کا گمان نہ کر لیا جائے اس لیے بیان جواز کے لیے اسے ترک فرما دیا۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر کہتے ہیں: هٰذَا أَقْرَبُ، وَعَلٰى تَقْدِيْرِ الأَوَّلِ فَالنَّسْخُ كَانَ قَبْلَ الفَتْحِ بِدَلِيْلِ حَدِيْثِ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ فَإِنَّه كَانَ فِيْ خَيْبَرَ، وَهِيَ قَبْلَ الفَتْحِ بِزَمَانٍ اهـ میں کہتا ہوں یہ احتمال قریب تر ہے، اور احتمال اول کی تقدیر پر (عرض ہے کہ) نسخ فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے نہ کہ فتح مکہ کے دن۔ اس کی دلیل حضرت سوید بن نعمان کی حدیث ہے۔ کیونکہ کہ وہ خیبر کی مہم میں شریک تھے جو فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے پیش آئی اور اس میں انھوں نے نسخ کا بیان فرمایا ہے۔ یوں علامہ ابن حجر نے پہلے احتمال کو رد کر دیا۔ لیکن حضرت صدر الشریعہ اس رد کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: أَقُوْلُ: الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ. مَاادَّعٰى فِيْ كِتَابِهٖ هٰذَا أَنَّ الْوُضُوْءَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ نُسِخَ بِحَدِيْثِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ،إلخ یعنی میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو حدیث بریدہ سے منسوخ ہوا ہے بلکہ انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ اگر کہا جائے کہ ہر نماز کے لیے وضو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب تھا تو یہ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ حدیث عبد اللہ بن حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جو اس طرح ہے۔ إن رسول الله امر بالوضوء لكل صلوة طاهرا كان او غير طاهر فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عليه أُمِرَ بِالسِّوَاكِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم پہلے دیا گیا تھا خواہ باوضو ہوں یا بے وضو۔ لیکن جب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق ہوا تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کا حکم دیا گیا''۔ اس لیے علامہ ابن حجر کا یہ قول کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منزل صہبا میں ایک وضو سے دو نمازیں پڑھیں اور یہ فتح مکہ سے ایک زمانہ پہلے کا واقعہ ہے، حضرت امام طحاوی کے ذکر کردہ احتمال اول پر وارد نہ ہوگا۔ آگے لکھتے ہیں: علامہ ابن حجر کیسے کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث بریدہ سے منسوخ ہے حالانکہ خصم نے ہر نماز کے لیے وضو کے فرض ہونے پر

حدیث بریدہ کو حجت قرار دیا ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ ان کی یہ حدیث ناسخ ہے تو لازم آئے گا کہ یہی ایک حدیث بیک وقت ناسخ بھی ہو اور منسوخ بھی۔

علامہ ابن حجر کا وعلی تقدیر الأول فالنسخ ،الخ فرمانا بھی درست نہیں، اس لیے کہ ہر نماز کے لیے وضو کی فرضیت کے قائلین حدیث کو مقیم کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ وہ مسافروں پر بھی اس کے فرض ہونے کے قائل نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث بریدہ جس طرح مسافر کے لیے ایک وضو سے کئی نمازوں کی ادا کا افادہ کر رہی ہے، اسی طرح حدیث سوید بن نعمان بھی، تو نسخ کی تقدیر پر نہ یہ ناسخ ہے اور نہ وہ۔

علامہ ابن حجر کا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ احتمال یہ ہے کہ یہ ''خاص حضور پر واجب تھا'' اس لیے کہ امام طحاوی نے اپنے کلام میں لفظ خاص کا نہ ذکر فرمایا اور نہ یہ ان کے کلام سے مستفاد ہی ہوتا ہے، بلکہ ان کے قول کا حاصل صرف یہ ہے کہ اگر یہ حضور پر واجب ہو تو یہ منسوخ ہوگا۔ (ص ٩٢، ٩٣۔ ج اول)

احادیث سے ثابت فوائد و مسائل کا بیان:

☆ ''امام طحاوی کی عبارت کی توضیح'' کے تحت جو حدیث میں نے ذکر کی ہے، اس کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں چند فوائد ہیں:

(١) ایسی جلد بازی مذموم ہے جس سے کسی امر شرعی کا ترک ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "اَلتَّأَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ، والعُجْلَةُ مِنَ الشَّیْطٰنِ" جلد بازی نہ کرنا رحمان کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے۔

(٢) علم کو بلند آواز سے بتانا جب دوری، یا کثرت مجمع یا کسی اور وجہ سے اس کی حاجت ہو، پند و موعظت کے وقت آواز بلند کرنے کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، جیسا کہ یہ اس حدیث جابر سے ثابت ہے۔

"كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ وَذَكَرَ السَّاعَةَ اشْتَدَّ غَضَبه، وَعَلَاصُوْتُه. الحديث أخرجه مسلم. وَلِأحمدَ مِنْ حديثِ النُّعْمَانِ فِیْ مَعْنَاهُ، وزَادَ حَتّٰی لَوْ أَنَّ رَجُلًا بِالسُّوْقِ لَسَمِعَه".

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے اور اس میں قیامت کا ذکر فرماتے تو چہرۂ نور سے سخت غضب ظاہر ہوتا اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی (مسلم) امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے، آواز اس قدر بلند ہوتی کہ اگر بازار میں کوئی شخص ہوتا تو وہ سن لیتا۔

(٣) منکر (برائی) کو دیکھنے پر اس سے منع کرنا۔

(٤) بات کو دو تین بار دہرانا تاکہ مخاطب اسے سمجھ لے۔

(٥) جہنم میں جسم کو عذاب ہوگا۔

☆ ''باب الوضوء هل يجب لكل صلوة أم لا؟'' کے صفحہ ٩٠ پر حضرت جابر بن عبد اللہ کی یہ حدیث ہے:

قالَ ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إلَی امْرَأَةٍ مِنَ الأنْصَارِ وَمَعَه أصْحَابُه فَقَرَّبَتْ لَهُمْ شَاةً مَصْلِیَّةً فَأكَلَ وَأكَلْنَا ثُمَّ حَانَتِ الظُّهْرُ فَتَوَضَّأَ وَصَلّٰی ثُمَّ رَجَعَ إلیٰ فَضْلِ طَعَامِه فَأكَلَ ثُمَّ حَانَتِ العَصْرُ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأ".

حضرت جابر بن عبد اللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ایک انصاری خاتون کے یہاں تشریف لے گئے، ان خاتون محترمہ نے ایک بھنی ہوئی بکری، ان لوگوں کے سامنے لاکر رکھ دی جس میں سے حضور نے اور ہم لوگوں نے تناول کیا، پھر نماز ظہر کا وقت آگیا تو حضور نے وضو فرما کر نماز ادا فرمائی، پھر واپس بچے ہوئے کھانے پر تشریف لائے اور اسے تناول فرمایا، پھر نماز عصر کا وقت نے پر نماز تو ادا فرمائی لیکن وضو نہ فرمایا۔

اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی هذا الحديث فوائد. منها: الذهابُ إلیَ الأصدِقَاءِ والأحِبَّاءِ لِزِيَارتِهِمْ، ومنها إطْعَامُ المزورِ الزائرَ مِمَّا يَتَيَسَّرُ له. ومنها: استحْبَابُ أكْلِ الزائرِ مِمَّا قُرِّبَ إلَيْه إنِ اشْتَهیٰ إلَيْهِ، ولِذَا تَعَجَّبَ سَيِّدُنَا إبْرَاهيم عليه السلام، لَمَّا قَرَّبَ إلیٰ أضيَافِه العِجْلَ الحَنِيْذَ وخاف مِنْهُم، ومنها: أنه لا يُنْقَضُ الوُضُوْءُ لِكُلِّ شَيءٍ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ. واللّٰهُ تعالیٰ اعلم.

اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(١) اپنے دوست احباب سے ملاقات کے لیے ان کے یہاں جانا۔

(٢) جو کچھ بھی میسر ہو اسے ملاقات کے لیے جانے والے کے سامنے کھانے کے لیے پیش کرنا۔

(٣) جو کچھ بھی پیش کیا جائے اسے اگر خواہش ہو تو ملاقات کے لیے جانے والے کا کھا لینا مستحب ہونا، اسی لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت تعجب اور خوف ہوا جب انھوں نے اپنے مہمانوں کے سامنے بکری کا بھنا ہوا بچہ رکھا اور ان لوگوں نے اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

(٤) آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔

☆ ''باب الوضوء هل يجب لكل صلوٰة أم لا؟'' میں حضرت بریدہ کی حدیث ہے:

صَلّٰی رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يومَ فتح مكة خمس صلوات بوضوء واحد ومسح على خفيه فقال له عمر صنعت شيئا يا رسول الله لم تكن تصنعه فقال عمدًا فعلتُه يا عمر"

حضور نے پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور اپنے موزوں کا مسح فرمایا، حضرت عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کام کیا جو آپ نہیں کرتے تھے؟ جواب دیا، عمر! میں نے یہ کام قصداً کیا۔

اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی الحدیث أنواع من المسائلِ. منها: جواز مَسْحِ الخُفِّ وجوازُ الصَّلَوَاتِ المفروضات والنوافل بوُضُوءٍ وَاحِدٍ مالم يُحْدِثْ وهذا جائز عندَ الجمهور، بل ادَّعَى النَّووی الاجماع. والنبی صلی اللّٰه علیه وسلم كان يواظب علىَ الوضوء لكل صلوةٍ عملاً بالأفضل وصلىَ الصَّلَوَاتِ فی هذا اليَوْمِ اَوْفِیْ مَوَاضِعَ أُخْرىٰ بِوُضُوْءٍ وَاحِدٍ بَيَانًا لِلْجواز لِئَلَّا يَتَوَهَّمَ مُتَوَهِّمٌ أَنْ تَجْدِيْدَ الوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلوٰةٍ وَاجِب نَظْراً لظَاهِرِ فِعْلِهٖ كَمَا قالَ صلی اللّٰه علیه وسلم لِعُمَرَ عَمَداً صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ. وَمعنى الآيَةِ إِذَا قُمْتُمْ إِلىَ الصَّلوٰة إذا قمتم وأنتم مُحدثون ومنها جواز سُوال المفضولِ الفاضِلَ عَنْ بَعْضِ أعمَالِه الَّتی فی ظَاهرها لِلْعَادَةِ لِأَنَّهَا قَدْ تَكُوْنُ عَنْ نِسْيَانٍ فيرجع عنها وقد تكون تعمداً لمعنىً خَفِیَ عَلىَ المَفْضُوْلِ فَيَسْتَفِيْدُه (ص ٨٩، ج اول)

اس حدیث میں کئی نوع کے مسائل ہیں۔

(۱) موزوں پر مسح کا جواز۔ (۲) ایک وضو سے کئی فرائض ونوافل کا جواز جب تک حدث لاحق نہ ہو یہ حکم جمہور علما کے نزدیک ہے بلکہ علامہ نووی نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل پر عمل کرنے کے لیے ہمیشہ ہر نماز کے لیے وضو فرماتے، لیکن بیان جواز کے لیے اسی فتح مکہ کے دن یا دوسرے مقامات پر ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تا کہ کسی کے دل میں یہ وہم پیدا نہ ہو کہ فعل رسول کے پیش نظر ہر نماز کے لیے تجدید وضو واجب ہے۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا اے عمر! میں نے یہ کام قصداً کیا۔ اور آیت کریمہ "إِذَا قُمْتُمْ إِلىَ الصَّلوٰةِ" کا معنی ہے إذا قُمْتُمْ إلىَ الصَّلوٰةِ وَأَنْتُمْ مُحْدِثُوْنَ" یعنی جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور بے وضو ہو تو..........

(۳) کم فضیلت والے شخص کا اپنے سے افضل شخص سے اس کے کسی ایسے عمل کے بارے میں پوچھنا جو بظاہر اس کے معمول کے خلاف ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ بھول چوک کی وجہ سے ہو تو سوال کرنے پر وہ اس سے رجوع کر لے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قصداً کسی ایسی وجہ سے ہو جو کم فضیلت والے پر مخفی رہ گئی اس لیے سوال کرنے پر اسے اس کا استفادہ ہو جائے گا۔

لغوی اور نحوی تحقیق:

"امام طحاوی کی عبارت کی توضیح" کے تحت مذکور حدیث کے الفاظ فادْرَكْنَا وَقَدْ اَرْهَقَتنا صلوة العصر" کی لغوی

اور نحوی تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اَدْرَكْنَا" کاف کے فتحے کے ساتھ ہے جس میں ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور "صلوٰة العَصْرِ" تا کے رفع کے ساتھ "اَرْهَقَتْنَا" کا فاعل ہے اور جملہ وقد ارهقتنا حال ہے۔

ایک روایت "اَرْهَقْنَا" فعل مذکر کے ساتھ بھی آئی ہے تو اس وقت "صلوة" کی ت کا نصب اس بنا پر جائز ہوگا کہ یہ مفعول بہ ہے یعنی ہم نے نماز کو مؤخر کر دیا، اور اس تقدیر پر اس کا رفع بھی جائز ہے کہ یہ فاعل ہے اور فعل کو مذکر لانا اس لیے جائز ہے کہ "صلوة" مؤنث غیر حقیقی ہے۔

امام عینی نے کہا: "اَرْهَقَتْنَا الصلوة" کا معنی ہے ہمیں نماز نے ڈھانپ لیا یعنی نماز نے ہمیں ادا پر برانگیختہ کیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ "أَرْهَقَتْنَا الصلوٰة" کا معنی ہے: وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز نے ہمیں عجلت میں ڈال دیا۔

امام قاضی عیاض نے کہا: اسی سے مواھق، ھا کے فتح کے ساتھ حجر شرعی (صغر سنی یا سفاہت یا جنون کی وجہ سے تصرف سے شرعی ممانعت) میں آتا ہے، اور کسرے کے ساتھ اس کا معنی ہے، وہ شخص جسے تنگی وقت نے طواف کی عجلت میں ڈال دیا ہو۔

موعب میں ہے: ابوزید نے کہا: ھا کے کسرے کے ساتھ رَهِقَتْنَا الصلوة رُهُوْقًا کا معنی ہے۔ نماز کا وقت ہم سے قریب آ گیا جب کہ "أَرْهَقْنَا عَنِ الصلوة إِرْهَاقاً" کا معنی ہے ہم نے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر دیا۔

کتاب "العین" کے مصنف نے کہا: اس کا معنی ہے، ہم نے نماز کو اتنا مؤخر کر دیا کہ دوسری نماز کا وقت قریب آ گیا، اور رَهِقْتُ الشئی رَهَقاً" کا معنی ہے، میں شے سے قریب ہوا۔ کتاب المحکم میں ہے: اَرْهَقَنَا اللَّيْلُ کا معنی ہے، رات ہم سے قریب آئی اور رَهِقَتْنَا الصلوة رَهَقاً کا معنی ہے، نماز کا وقت ہم سے قریب ہوا، ایک اور کتاب میں ہے (یہاں فی کے مجد کتاب کا نام کمپوز نہیں ہوسکا ہے) رَهِقَتْنَا الصلوة کا معنی ہے نماز نے ہمیں ڈھانپ لیا اور ہمیں نماز لاحق ہوئی، رمانی کی کتاب الاشتقاق میں ہے الرهَق کا اصل معنی "غشَيان" یعنی ڈھانپنا ہے زجاج نے بھی ایسا ہی کہا۔

ابوالنصر نے کہا: رَهِقَنِی کا معنی ہے: وہ مجھ سے قریب ہوا، ابن اعرابی نے کہا: رَهِقْتُه اور أَرْهَقْتُه دونوں کا معنی ہے: میں اس سے قریب ہوا۔

جوہری نے کہا: ھا کے کسرے کے ساتھ رَهِقَه رَهَقاً کا معنی ہے، اس نے اسے ڈھانپ لیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَر وَّلَا ذِلَّة" ان کے چہروں کو نہ معاشی تنگی ڈھانپے گی اور نہ ذلت ہی۔

ابوزید نے کہا: اَرْهَقَه عُسْرا کا معنی ہے: اس نے اس کو سختی کا مکلف کر دیا یعنی سختی میں مبتلا کر دے، کہا جاتا ہے "لا تُرْهِقْنِیْ لَا اُرْهِقُکَ" تو مجھے سختی میں نہ ڈال، میں تجھے سختی میں نہ ڈالوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے قول: "لا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْراً" کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: میرے ساتھ سخت امر لاحق نہ فرما۔ یہ عربوں کے قول "رَهِقَه الشئی" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے شے نے اسے ڈھانپ لیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: مجھے میرے سخت امر کی عجلت میں نہ ڈال، اور ابوزید کے قول پر معنی ہوگا "لا تُكَلِّفْنِی" یعنی مجھے مکلف نہ بنا اور اسے میرے اوپر لازم نہ فرما۔ (ص ٨٢، ج اول)

صدر الشریعہ کی خدمت حدیث

تحریر: مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ شاہ محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان ان عبقری شخصیتوں میں سے ہیں جن کا فیض نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں جاری وساری ہے۔ آپ کے چشمۂ فیض سے جہان اسلام سیراب ہو رہا ہے اور صبح قیامت تک سیراب ہوتا رہے گا۔ آپ مختلف علوم وفنون میں حیرت انگیز دسترس رکھتے تھے علم فقہ میں تو آپ کو ایسا کمال حاصل تھا کہ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا"

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ارشاد فقہ میں آپ کے رسوخ وکمال کی روشن دلیل ہے، اسی لیے دنیائے اسلام آج آپ کو نہ صرف فقیہ بلکہ فقیہ اعظم کے نام سے جانتی پہچانتی ہے، اس کی روشن دلیل آپ کے گراں قدر فتاوی ہیں جو فتاوی امجدیہ کی شکل میں شائع شدہ ہیں۔ اور بہار شریعت تو اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ تو فقہ اسلامی کا ایسا انسائیکلو پیڈیا ہے کہ میرے علم میں بہار شریعت کے علاوہ کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں ماخوذ ومفتی بہ اقوال صحیحہ رجیحہ معتمدہ مستندہ اس شان کے ساتھ موجود ہیں کہ آج کسی مفتی کو جب کسی مسئلہ میں ماخوذ ومفتی بہ قول میں تشویش ہوتی ہے تو بہار شریعت کی طرف ضرور مراجعت کرتا ہے اور اس میں موجود قول کو مفتی بہ تسلیم کرتا ہے۔ تنقید کرنا بہت آسان ہے مگر تنقید کرنے والے آج تک ایسا فقہی شاہ کار پیش نہ کر سکے۔ بہار شریعت کے مطالعہ سے نہ صرف آپ کی فقاہت واشگاف ہوتی ہے بلکہ آپ کی محدثانہ شخصیت آفتاب نصف النہار سے، زیادہ روشن نظر آتی ہے مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بہار شریعت کے ابتدائی حصوں پر اپنی تقریظ جلیل اور وقیع دستخط ثبت فرما کر نہ صرف آپ کی فقاہت پر مہر لگادی ہے۔ بلکہ آپ کی محدثانہ شخصیت پر بھی مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔

محدث اجل واکبر امام ابو جعفر طحاوی جیسا جامع امامت حدیث وفقہ آج تک شاذ ونادر ہوا ہو، آپ کی تصنیف لطیف شرح معانی الآثار کا علمی پایہ کس قدر بلند ہے وہ اصحاب نظر سے پوشیدہ نہیں اس کی تدریس کے لیے کس قدر علوم وفنون میں رسوخ درکار ہے اسے ایک دیانت دار استاذ ہی جانتا ہے ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر ایک گراں قدر حاشیہ تحریر کیا جائے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس گراں قدر اہم کام کے لیے وقت کا ایک اہم حصہ نکالا اور اس کام کا آغاز فرمایا اور اس شان کا حاشیہ تحریر فرمایا کہ ایک عادل، منصف مزاج، صائب الرائے، علم حدیث میں آپ کی جلالت شان کا اعتراف کرتا ہوا نظر آئے گا جہاں اختصار کی ضرورت تھی مختصرا حاشیہ تحریر فرمایا اور دریا

کو کوزے میں بھر دیا اور تفصیل کے مقام پر علوم وفنون کے ایسے گوہر آبدار لٹائے کہ نگاہیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔ علم حدیث میں آپ کو اس قدر کمال حاصل تھا کہ ایک حدیث، حدیث کی کن کن کتابوں میں اور کن کن مقامات پر کن روایتوں کے ساتھ موجود ہے آپ اس پر گہری نظر رکھتے۔ حاشیہ شرح معانی الآثار میں کثیر شواہد موجود ہیں۔

حدیث عرینہ کی سند ومتن کی تحقیق:

امام ابو جعفر طحاوی نے "باب حكم بول ما يو كل لحمه" میں عرنیین کی حدیث تخریج فرمائی۔ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر تفصیلی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ امام بخاری نے آٹھ مقامات پر فلاں فلاں راویوں سے یہ حدیث تخریج فرمائی۔

"باب الابل والدواب" میں سلیمان بن حرب سے تخریج کی:
"محاربین" میں قتیبہ سے تخریج کی:
اور "جہاد" میں معلی بن اسد سے
اور "محاربین" میں موسی بن اسماعیل اور علی بن عبداللہ اور محمد بن الصلت سے
اور "تفسیر" میں علی بن عبداللہ سے
اور "مغازی" میں محمد بن عبدالرحیم سے
اور "دیات" میں قتیبہ سے تخریج کی
اور اسی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ مزید فرمایا:

امام مسلم نے "باب المحاربين والمرتدين" میں ہارون بن عبداللہ بن سلیمان بن حرب، اور حسن بن احمد، اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن، اور ابوبکر ابن ابی شیبہ، اور محمد بن الصباح، اور محمد بن مثنی، اور احمد بن عثمان نوفلی سے تخریج کی۔

ابوداود نے "کتاب الطهارة" میں سلیمان بن حرب اور موسی بن اسماعیل، اور محمد بن الصباح، اور عمرو بن عثمان اور محمد بن قدامہ سے تخریج کی۔

نسائی نے "المحاربة" میں احمد بن سلیمان اور عمرو بن عثمان اور اسحاق بن منصور اور اسماعیل بن مسعود سے تخریج کی اور "کتاب التفسير" میں عمرو بن عثمان کی حدیث دوبارہ تخریج کی۔

اس تفصیل کے بعد آپ نے ایک بحث فرمائی کہ مسلم کی روایت میں ابوایوب اور ابوقلابہ کے درمیان ابورجاء مولی ابو قلابہ ایک راوی ہیں اور دارقطنی نے ذکر فرمایا کہ حماد بن زید کی روایت صرف اس طرح ہے:

"عن أيوب عن أبي رجاء عن أبي قلابة"

اور فرمایا کہ ابورجاء راوی کا ذکر بعض روایتوں میں موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں درست ہے اشبہ یہ ہے کہ ایوب نے ابو

قلابہ سے انھوں نے انس سے محض عرینیین کا قصہ سنا ہوا اور ابورجاء سے انھوں نے ابوقلابہ سے ان کی حدیث عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ "قسامة" کے بارے میں اور اس کے آخر میں عرینیین کا قصہ سماعت کیا ہو تو حماد بن زید نے ایوب سے دونوں قصہ حفظ کرلیا "عن أبی رجاء عن أبی قلابة" اور دوسرے حضرات نے ابوقلابہ سے انہوں نے انس سے صرف عرینیین کا قصہ حفظ رکھا۔

اس تفصیل کے بعد مزید تخریج ذکر فرمائی اور فرمایا:

امام ترمذی نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے حمید اور ثابت اور قتادہ اور انس سے تخریج کی اور ابن ماجہ نے حمید سے انہوں نے انس سے تخریج کی اور عرینیین کی حدیث صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس طرح مروی ہے:

" قدم أناس من عكل أو عرينة فاجتووا المدينة فأمرهم النبي صلى الله عليه وسلم بلقاح وأن يشربوا من أبوالها وألبانها فانطلقوا راعى النبى صلى الله عليه وسلم واستاقوا النعم فجاء الخبر فى أول النهار فبعث فى آثارها فلما ارتفع النهار جيئ بهم فامر فقطع أيديهم وأرجلهم وسمرت أعينهم وألقوا فى الحرة يستسقون فلا يسقون"

عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے تو انہیں مدینہ کی آب وہوا ناخوشگوار ہوئی تو انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا یہ لوگ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہا کے پاس پہنچے اور چوپایوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں دن کے ابتدائی حصہ میں حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کے پیچھے اپنے اصحاب کو بھیجا جب دن بلند ہوا انھیں بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو حضور نے ان کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم فرمایا اور گرم سلائی سے ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں اور انہیں سخت دھوپ میں ڈال دیا گیا پانی مانگتے انھیں نہ دیا جاتا۔

اس کے بعد یہ تفصیل فرمائی کہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والے وفد کی تعداد کتنی تھی؟ تو فرمایا کہ اس وفد میں "عرینہ" کے چار اور "عکل" کے آٹھ اشخاص تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ سات افراد تھے "عرینہ" کے چار اور "عکل" کے تین تھے حدیث پاک کی روایت میں "ناس من عرينة" اس لیے فرمایا گیا کہ اس وفد میں عرینہ کے لوگ زیادہ تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مویشی مدینہ منورہ سے چھ میل دوری پر "نمیر" کے قریب "قبا" کے ایک گوشہ میں چر رہے تھے جب یہ لوگ ان مویشیوں کے پاس پہنچے انھوں نے ان کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحتیاب ہوگئے انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ چرواہا "یسار" کو قتل کردیا ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے آنکھ اور زبان میں کانٹے چبھو دیے یہاں تک کہ آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد فرمادی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سرکش لوگوں کے پیچھے کرز بن فہری اور ان کے ہمراہ بیس گھوڑ سواروں کو بھیجا یہ لوگ پکڑ کر لائے گئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وہی معاملہ فرمایا جو آپ کے چرواہا یسار کے ساتھ انھوں نے کیا تھا۔

اس کے بعد آپ نے یہ تفصیل فرمائی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تو فرمایا اس سلسلے میں قدر اختلاف ہے ابن اسحاق نے مغازی میں ذکر فرمایا کہ یہ واقعہ جمادی الآخر ٦ھ میں پیش آیا اور بخاری نے حدیبیہ کے بعد اسے ذکر فرمایا اور یہ ذی قعدہ میں ہوا اور واقدی نے ذکر کیا کہ شوال میں اور ابن سعد نے مویشیوں کی تعداد پندرہ ذکر کی ہے ان لوگوں نے ان میں سے ایک کو ذبح کر ڈالا اس کا نام "حنا" تھا۔

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب کی نجاست اور ان سے دوا وعلاج کے متعلق ایک محققانہ شاندار بحث فرمائی اور فرمایا:

جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا پیشاب نجس ہے ملک العلماء علیہ الرحمہ نے بدائع الصنائع میں فرمایا:

پیشاب کے نجس ہونے کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ہے:

"انما يغسل الثوب من خمس"

کپڑا صرف پانچ چیزوں سے دھلا جائے

اور ان پانچ چیزوں میں پیشاب کو مطلقا بلا کسی تفصیل کے ذکر فرمایا۔ اور اللہ تعالی نے فرمایا:

"ويحرم عليهم الخبائث"۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(کنزالایمان۔ آیت ١٥٧/الاعراف)

اور ہر شخص جانتا ہے کہ طبیعت سلیمہ پیشاب کو خبیث جانتی ہے اور کوئی چیز جب حرام ہو اور اس کی حرمت وکرامت کے سبب نہ ہو تو شرعا وہ نجس ہوا کرتی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ پیشاب میں نجاست کا معنی استقذار طبعی (طبعی ناپسندیدگی) موجود ہے اس لیے کہ پیشاب فساد میں تبدیل ہوجاتا ہے کہ اس میں بدبو ہوتی ہے تو اس کا حکم ان جانوروں کے پاخانہ کا حکم ہوگا اور جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کے پیشاب جیسا حکم ہوگا۔ رہ گئی اہل عرینہ کی حدیث تو قتادہ نے ذکر کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرینہ کو جانوروں کا پیشاب پینے کا حکم نہ دیا دودھ پینے کا حکم دیا لہذا اس سے استدلال درست نہیں علاوہ ازیں یہ احتمال ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اہل عرینہ کی شفا پیشاب میں معلوم رہی ہو اور حرام سے شفا حاصل کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس بات کا یقین ہو کہ اس حرام سے شفا حاصل ہوجائے گی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں مردار کھانا اور پیاس اور لقمہ نگلنے کے وقت شراب پینا شرعا جائز ہے۔ رہ گئیں وہ حرام چیزیں جن سے شفا ملنے کا یقین نہیں ان سے شفا حاصل کرنا جائز نہیں۔

پھر امام ابو یوسف کے نزدیک علاج کے لیے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے ان کی دلیل اہل عرینہ کی حدیث ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک مباح نہیں اس لیے کہ جس حرام سے شفا کا حصول یقینی نہیں ان سے شفا حاصل کرنا مباح نہیں یہی حکم ان حرام چیزوں کا ہے جن میں شفا عقل سے جانا نہیں جاسکتا اور اطبا کے نزدیک پیشاب میں شفا

نہیں اور اہل عرینہ کی حدیث اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کر اہل عرینہ کی شفا کا علم تھا۔

اور شمس الائمہ رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قتادہ نے انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث روایت کی کہ حضور نے اہل عرینہ کو اونٹنیوں کا دودھ پینے کی رخصت بخشی اور اس روایت میں پیشاب پینے کا ذکر نہیں ہاں حمید طویل نے انس رضی اللہ تعالی عنہ سے جو روایت ذکر فرمائی اس میں پیشاب پینے کی رخصت کا ذکر ہے اور یہ حدیث حکایت حال کے لیے ہے لہٰذا جب حدیث حجیت اور عدم حجیت کے درمیان گردش کر رہی ہے تو اس سے استدلال ساقط ہو گیا۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضرت ملک العلماء اور شمس الائمہ رحمہما اللہ تعالی کی بحثوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

اقول: ملک العلماء نے بدائع میں اور شمس الائمہ نے جو یہ ذکر فرمایا کہ انس کی اس حدیث میں قتادہ نے اونٹنیوں کے پیشاب پینے کا ذکر نہ کیا بلکہ صرف حمید طویل نے انس سے ذکر کیا تو میرے نزدیک یہ کوئی محصل بات نہیں اس لیے کہ خود قتادہ نے "من ابو الها" (اونٹنیوں کے پیشاب) کا ذکر کیا ہے جیسا کہ امام ابو جعفر طحاوی کی روایت مذکورہ میں ہے کہ قتادہ نے انس سے اونٹنیوں کے پیشاب کا حفظ رکھا اور حماد بن سلمہ کی اس روایت میں ہے جو قتادہ سے مروی ہے اور انس سے قتادہ و حمید کی مروی روایت میں ہے تو پھر یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوگا کہ قتادہ نے پیشاب پینے کا ذکر نہ کیا

اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ قتادہ نے اس لفظ "من ابو الها" (پیشاب پینے) کا ذکر نہ کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی کی روایت میں یہ زیادتی (پیشاب پینا) مذکور ہے تو قتادہ کے عدم ذکر سے کیوں کر استدلال تام ہوگا جب کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے لہٰذا جواب وہی ہے جسے حنفیہ کے امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر فرمایا کہ یہ اجازت بوجہ ضرورت ہے اور وہ موجب طہارت نہیں جس طرح بوجہ ضرورت لقمہ نگلنے کے لیے شراب پینا اور مردار کھانا یا یہ کہا جائے کہ اہل عرینہ کا واقعہ ایک خاص واقعہ ہے اس کے لیے عموم نہیں کہ اہل عرینہ کے علاوہ عام لوگوں کو بھی اس کا حکم ہو۔ واللہ تعالی اعلم

یا یہ کہا جائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم تھا کہ اہل عرینہ کو پیشاب سے شفا حاصل ہوگی تو خاص ان کے حق میں پیشاب حرام نہ رہا لیکن حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر اشخاص کو یقین سے یہ معلوم نہیں کہ پیشاب میں شفا ہے اس لیے حرام چیزوں سے دوا و علاج ناجائز و حرام ہے اس لیے کہ طب کے اصول ظنیات پر قائم ہیں تجربات اکثر غلط ثابت ہوئے تو یقین حاصل نہ ہوا لہٰذا دوا و علاج بھی جائز نہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے واللہ تعالی اعلم۔

ریشم کا پہننا جائز ہے یا ناجائز اس سلسلے میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث تخریج فرمائی: "**قال انس فرایت علی کل واحد منهما قمیصا من حریر الخ**" اور مفصل بحث فرمائی۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ایک محققانہ بحث فرمائی اور فرمایا:

بعض حضرات نے فرمایا جنگ میں ریشم کا لباس پہننا جائز ہے اسی لیے امام ابو عیسی ترمذی علیہ الرحمہ نے ایک باب قائم فرمایا:

"**باب ماجاء فی لبس الحریر فی الحرب**"

اور اسی طرح امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک باب کا یہ عنوان رکھا:

"**باب الحریر فی الحرب**" جنگ میں ریشمی لباس پہننے کا باب

اور ان دونوں حضرات نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ جنگ میں ریشم کا لباس پہننا جائز ہے اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ خارش یا جوں کے موجود ہونے کے وقت ریشم کے لباس کے استعمال کی رخصت نہیں ہاں اگر سفر میں ہو تو استعمال کی رخصت ہے جیسا کہ امام مسلم کی ایک روایت سفر کے باب میں اس سلسلے میں وارد ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا کہ خارش اور جوں کے ذکر کی تعلیل تو ظاہر ہے لیکن یہ حکم رخصت سفر یا غزوہ میں ہوتا تو اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس کے سبب ہونے کو ترجیح دے ہاں اس میں اس مقام کا ذکر ہے جہاں ان دونوں (خارش، جوں) سببوں کے سبب رخصت دی گئی اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ سبب ہو حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر یہ فرمایا:

علامہ عینی نے فرمایا:

بلکہ وہ بھی ایک سبب ہے اس لیے کہ اس میں دشمنان اسلام کو خوف و دہشت دلانا ہے جیسا کہ تکبر و غرور اس میں مباح فرمایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ غزوہ اور سفر اور خارش ہر ایک مستقل سبب ہوں۔

اور ابن عربی نے فرمایا:

یہ مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مذکورہ تینوں اسباب میں سے ہر ایک سبب میں رخصت عطا فرمائی ہے تو کسی روایت میں ان تینوں اسباب میں کسی ایک سبب میں حکم رخصت عطا فرمانا اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر ہر سبب کا ایک حکم ہو اور جس جگہ تمام اسباب جمع ہوں وہاں اس بات کا مقتضی ہے کہ تینوں علتوں کا مجموعہ حکم اجتماعی میں موثر ہے جیسا کہ حکم انفرادی میں موثر تھا۔

اس بحث کے بعد فرمایا:

علامہ قرطبی نے فرمایا: یہ حدیث ان لوگوں کے خلف حجت ہے جنہوں نے بوجہ ضرورت بھی ریشم کا پہننا ممنوع قرار دیا اور یہ دعوی کیا کہ یہ زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف کی خصوصیت تھی کہ انہیں ریشم پہننے کی رخصت دی گئی مگر ان لوگوں کا یہ دعوی خصوصیت بھی صحیح نہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا اسی طرف میلان و رجحان ہے اس لیے کہ ابن عساکر نے بطریق ابن عون ابن سیرین سے یہ روایت کی کہ عمر نے خالد بن ولید کو ریشم کی قمیص پہنے دیکھا تو فرمایا یہ کیا معاملہ ہے؟ تو خالد نے عبد الرحمٰن بن عوف کا واقعہ ذکر کیا تو حضرت عمر نے فرمایا آپ عبد الرحمٰن بن عوف کی طرح ہیں یا آپ کے لیے اسی طرح حکم ہے جیسا کہ عبد الرحمٰن بن عوف کے لیے ہے اس کے بعد حضرت عمر نے حاضرین کو حکم دیا تو انھوں نے خالد بن ولید کی وہ ریشمی قمیص چاک کر دی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے۔

اس گفتگو کے بعد ریشمی لباس کے استعمال کے سلسلے میں علمائے سلف کا اختلاف ذکر فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں:

ریشم کے لباس کے سلسلے میں علمائے سلف کا اختلاف ہے تو امام مالک اور ابو حنیفہ نے مطلقاً ممنوع قرار دیا اور امام شافعی اور ابو یوسف نے بوجہ ضرورت جواز کا قول فرمایا۔

اور علامہ عینی نے فرمایا: ابن عربی نے کہا:

ریشم کے لباس کے استعمال کے متعلق علما کے دس اقوال ہیں:

۱۔ بہر حال حرام ہے۔ ۲۔ جنگ کے علاوہ صورتوں میں حرام ہے۔ ۳۔ حرام ہے مگر سفر میں۔ ۴۔ حرام ہے مگر بیماری میں۔ ۵۔ حرام ہے مگر غزوہ میں۔ ۶۔ حرام ہے مگر علم میں۔ ۷۔ مردوں اور عورتوں پر حرام ہے۔ ۸۔ لباس کے اوپر پہننا حرام ہے نیچے سے نہیں اس کے قائل امام ابو حنیفہ اور ماجشون ہیں۔ ۹۔ بہر حال مباح ہے۔ ۱۰۔ حرام ہے اگر چہ دوسری چیز سے مخلوط ہو جیسا کہ ریشم اور اون کا بنا ہوا کپڑا۔

اور ابن بطال نے کہا: ریشم کے لباس کے سلسلے میں اختلاف علما ہے ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے اور کچھ لوگوں نے اسے مکروہ کہا جن حضرات نے مکروہ فرمایا ان میں سیدنا عمر بن خطاب اور ابن سیرین اور عکرمہ اور ابن محیریز کا اسم گرامی سر فہرست ہے اور ان حضرات نے فرمایا کہ جنگ میں امید شہادت کے سبب کراہت اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور یہی امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

جن حضرات نے جنگ میں اجازت دی ان میں حضرت انس ہیں معمر نے ثابت سے روایت کرتے ہوئے کہا میں نے انس بن مالک کو اس خوف و دہشت کے وقت ریشمی لباس زیب تن کیے دیکھا جس سے لوگ خوف و دہشت زدہ ہو گئے۔

اور ابو فرقد نے کہا: میں نے ابو موسی کے برگستوان (تجافیف) پر ریشم و دیباج دیکھا۔ اور عطا نے کہا: ریشمی لباس جنگ میں ہتھیار ہے محمد بن حنفیہ اور عروہ اور حسن بصری نے اس کی اجازت دی ہے اور یہی امام ابو یوسف اور محمد اور شافعی کا قول ہے اور ابن حبیب نے ابن ماجشون سے یہ ذکر کیا کہ جہاد میں مجاہدین اسلام کے لیے ریشمی لباس پہننا مستحب ہے اور بوقت جہاد ریشمی لباس پہن کر نماز پڑھنا دشمنان اسلام کو خوف و دہشت دلانے اور فخر و مباہات کے لیے ہے۔

تیمّم کے باب میں حدیث عمار پر بحث:

تیمم کے باب میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث ذکر کی جس میں یہ ہے:

" ومسح بهما وجهه و كفيه "

اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا۔

جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تیمم میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے مسح کا حکم ہے اس مقام پر فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حدیث کے اصول کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا کہ تیمم میں چہرہ اور دونوں ہاتھوں پر مسح کا حکم ہے نہ کہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر اور اس کی موید روایتیں بھی ذکر کیں جیسا کہ رقمطراز ہیں:

"قوله وجهه و كفيه: باب تیمم میں ابو جہیم نے جو روایت ذکر کی جسے خود مصنف نے "باب قراء ة القران للحائض" میں ذکر فرمایا اس میں "كفيه" (دونوں ہتھیلیوں) کا ذکر نہیں بلکہ اس میں "مسح وجهه ويديه" (اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا) وارد ہے اور داود اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایسا ہی روایت کیا ان دونوں حضرات کے الفاظ روایت یہ ہیں:

"مسح وجهه ويديه: اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا۔

اب جبکہ دوسری روایتوں "مسح وجهه ويديه" میں وارد ہے تو ان لوگوں کا استدلال ساقط ہو گیا جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ تیمم صرف چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کا نام ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری میں کہا:

ابو جہیم کی حدیث میں "يدين" (دونوں ہاتھوں) اجمالا مذکور ہے اور صحیحین میں عمار کی حدیث "كفين" (دونوں ہتھیلیوں) کے ذکر کے ساتھ وارد ہے اور سنن میں "مرفقين" (دونوں کہنیوں) کے ذکر کے ساتھ وارد ہے تو باب تیمم میں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان کے علاوہ جو حدیثیں وارد ہیں یا تو ضعیف ہیں یا ان میں اختلاف ہے کہ وہ مرفوع یا موقوف ہیں اور راجح یہی ہے کہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں اھ۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر کی اس بحث کے بعد فرمایا:

اقول: عمار کی حدیث کے بارے میں جو کچھ کہا تو اس سلسلے میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے اس لیے وہ کسی کے لیے لائق حجت نہیں رہا یہ کہ ابو جہیم کی حدیث میں "يدين" کا ذکر اجمال کے ساتھ وارد ہے تو یہ صحیح نہیں علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرمایا:

اس پر اجمال کی حد کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ حدیث مطلق ہے جو دونوں ہتھیلیوں اور کہنیوں اور ان کے علاوہ سب کو شامل ہے مگر دار قطنی کی روایت نے اس مطلق کے اطلاق کی تخصیص و تفسیر کر دی کہ انہوں نے اس طرح روایت ذکر فرمائی:

"فمسح بوجهه و ذراعيه" تو اپنے چہرہ اور دونوں ذراع کا مسح فرمایا۔

رہ گیا حافظ ابن حجر کا یہ کہنا کہ: تیمم کے اوصاف کے باب میں ان دونوں حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث صحیح مرفوع نہیں تو یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت جابر سے مرفوعاً یہ روایت وارد ہے:

" إن التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين إلى المرفقين"

بے شک تیمم دو ضرب ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت دونوں ذراع کے لیے۔

حاکم نے فرمایا اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے اور جو لوگ اس حدیث کی صحت کا انکار کرتے ہیں ان کا قول لائق التفات اور قابل توجہ نہیں اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے موقوفاً ہی روایت کیا ہے مرفوعاً نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی زیادہ باقوت اور پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے۔ لأنه

أسند من وجهين (کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/۲۵۲،۲۵۳)

تیمم کی کیفیت کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی جو حدیث مروی ہے اس سلسلے میں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت عمار کی اس حدیث کی سند کا اضطراب یوں ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن ابزی سے، انہوں نے اپنے باپ ابزی انہوں نے عمار سے روایت کی۔

اور بعض لوگوں نے اس طرح روایت کیا:

"عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار"

اور امام شعبہ نے اسے اس طرح روایت کیا:

"عن الحكم عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار"

اور ایک بار اس طرح روایت کیا:

"عن حصين عن أبى مالک عن عمار"

زائدہ نے اسی طرح اسے روایت کیا

اور شعبہ نے ایک مرتبہ اس طرح روایت کیا:

"عن الحكم عن ذر عن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار"

اور ایک بار اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة عن ذر عن ابن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار"

اور اعمش نے اسے اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة بن كهيل عن سعيد بن عبدالرحمن بن إبزى عن أبيه عن عمار"

اور قتادہ نے اس طرح روایت کیا:

"عن عروة عن سعيد بن عبدالرحمن بن إبزى"

اور سفیان نے اس طرح روایت کیا:

"عن سلمة بن كهيل عن أبى مالک عن عبدالرحمن بن إبزى"

سند کے اضطراب کو ذکر فرما کر اس حدیث کے متن کا اضطراب تفصیلاً ذکر فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا متن یوں مضطرب ہے کہ بعض راویوں نے کہا: الوجه والكفين اور بعض نے کہا مجھے یہ نہیں معلوم کہ دونوں ذراع تک مسح پہنچایا نہیں۔

اور بعض راویوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کا نصف ذراع تک مسح فرمایا۔ اور ابن ماجہ نے محمد بن ابی لیلی قاضی کی جو حدیث روایت کی اس میں یہ وارد ہے:

"ومسح على وجهه" اور اپنے چہرہ پر مسح فرمایا

حکم نے کہا: "ويديه" اور اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا اور سلمہ نے کہا: "ومرفقيه" (اپنی دونوں کہنیوں کا مسح فرمایا)

اور ابوداود کی روایت میں ہے شعبہ نے کہا: سلمہ کہتے تھے:

"الكفين والوجه والذراعين"

اور ابوموسی بن اسماعیل کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إلى المرفقين (دونوں کہنیوں تک مسح کرو)

اور دارقطنی نے روایت کیا کہ جب عمار رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے جسم کو خاک آلود کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو خاک زمین پر اپنی ہتھیلی سے ضرب لگا کر اسے جھاڑا اور فرمایا:

"تمسح بها وجهک وكفيک إلى الرسغين"

اس سے اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا کہنیوں سمیت مسح کرو۔

اور طبرانی اوسط میں عمار سے یوں مروی ہے:

"تمسح وجهک وكفيک بالتراب ضربة للوجه وضربة للكفين"

اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کرو، ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک ضرب دونوں ہتھیلیوں کے لیے۔

اور امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: إلى المرفقين۔ دونوں کہنیوں تک مسح کرو۔

تو یہ ساری روایتیں اس اختلاف کثیر کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کو جو تیمم کی تعلیم فرمایا اس میں یہ مذکور نہیں کہ دونوں بغلوں یا مونڈھوں تک مسح کرو تو عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مقالۂ اولی والوں نے جو استدلال کیا وہ ساقط ہوگیا۔ رہ گئی اس بات کی تحقیق کہ تیمم دونوں گٹوں تک ہے یا دونوں کہنیوں تک تو عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث مختلف فیہ ہے تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ تیمم میں مسح دونوں گٹوں تک ہے بلکہ اس سلسلے میں دوسری دلیل دیکھنا ضروری ہے امام شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا: ہمارے علما اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالی کے قول میں تیمم کہنیوں تک ہے اور امام اوزاعی اور اعمش نے کہا: دونوں گٹوں تک اور امام زہری نے فرمایا: بغلوں تک عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں یہ سب وارد ہے تو ہم نے آپ کی اس روایت کو ترجیح دی جس میں یہ ذکر ہے کہ "مرفقين" تک مسح کرو۔ اس ترجیح کا سبب دو حدیثیں ہیں ایک ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين"

تیمم میں دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

اور دوسری اسلع کی یہ حدیث ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ تعلیم فرمایا:

"التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين"

تیمم میں دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

اس ترجیح کا راز یہ ہے کہ تیمم وضو کا خلف اور بدل ہے وضو میں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے تو تیمم کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ تیمم میں سر سے دو عضو ساقط ہیں صرف عضو باقی ہیں تو ان دونوں عضو کا تیمم تمام اعضا کے وضو کے حکم جیسا ہوگا جیسا کہ سفر میں چار رکعت والی نماز سے دو رکعت ساقط ہے تو باقی رکعتیں صفت کمال پر قائم و برقرار ہیں اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا تیمم میں انگشتری نکالنا اور انگلیوں کا خلال کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ مسح مکمل ہو جائے اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ تیمم دونوں گٹوں تک ہے انھوں نے آیت سرقہ سے استدلال فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا:

"والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما"

چوری میں گٹے تک ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ چوری کی یہ حد عقوبت وسزا ہے اور باب عقوبات میں یقین ہی کو لیا جاتا ہے اور تیمم عبادت ہے اور عبادات میں احتیاط کو لیا جاتا ہے۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱؍۲۵۵ تا ۲۵۷)

پتھر سے استنجا کیا محل کے لیے مطہر ہے؟

حدیث پاک میں پتھر وغیرہ سے استنجا کا حکم آیا ہوا ہے اس سلسلے میں علمائے کرام وفقہائے اعلام کا یہ اختلاف ہے کہ پتھر سے استنجا کرنے سے کیا محل پاک ہو جاتا ہے یا نجس ہی رہتا ہے؟ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے احادیث کریمہ کی روشنی میں اس مقام کی تحقیق فرمائی اور مفتی بہ ومعتمد قول کی توضیح فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ پتھر سے استنجا کیا محل کے لیے مطہر ہے یا استنجا کے بعد بھی محل نجس ہی رہتا ہے قلیل نجاست تو ہمارے نزدیک معاف ہے۔ فریق ثانی اس کا قائل ہے کہ پتھر نجاست کو زائل نہیں کرتا اسی لیے پتھر سے استنجا کرنے والا آب قلیل میں داخل ہو جائے تو آب قلیل نجس ہو جاتا ہے اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہ کہہ کر اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ: کوئی قائل یہ کہہ کر اسے منع کر سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شرع نے مسح کے سبب اس کی طہارت کو معتبر مانا ہو جیسا کہ شرع نے مسح کے سبب جوتے کی طہارت کو معتبر مانا ہے ان علمائے کرام نے بہت سے نظائر میں زمین کے بارے میں دونوں روایتوں کو جاری فرمایا ہے جب کہ زمین پر نجاست لگ جائے پھر وہ خشک ہو کر تر ہو جائے اور کپڑے سے منی کو کھرچ دیا جائے پھر وہ تر ہو جائے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ سبیل (محل استنجا) میں بھی جاری ہو مگر یہ کہ اس بات پر اجماع ہو کہ

پتھر سے استنجا کرنے والا آب قلیل میں داخل ہو جائے تو وہ آب قلیل نجس ہو جائے گا پھر ان نظائر میں اکثر فقہا کا مختار یہ ہے کہ پانی نجس نہ ہوگا اور ان کے قول کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ سبیل بھی (محل استنجا) نجس نہ ہو اور اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ پانی نجس نہ ہو پتھر سے استنجا کی صورت میں سبیل (محل استنجا) پر اگر پانی لگ جائے تو اس سلسلے میں فقہا کا صریح اختلاف موجود ہے، دو قولوں میں سے ایک قول پر پانی نجس نہ ہوگا اور متاخرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ پسینہ کے سبب نجس نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر سبیل (محل استنجا) سے پسینہ بہا اور کپڑے اور بدن پر درہم کی مقدار سے زیادہ لگا تو اس سے بدن اور کپڑا ناپاک نہ ہوگا جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ پتھر وغیرہ سے طہارت شرعی حاصل ہو جاتی ہے شارع نے اس طہارت کو معتبر قرار دیا ہے اس کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جسے دار قطنی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہڈی یا لید و گوبر سے استنجا کرنے سے منع فرمایا اور یہ فرمایا: "إنهما لايطهران" کہ ہڈی اور گوبر اور لید مطہر نہیں دار قطنی نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح کہا اس روایت سے یہ روشنی ملتی ہے کہ جس شی پر استنجا کا اطلاق ہوتا ہے وہ مطہر ہے اس لیے کہ اگر مطہر نہ ہو تو حدیث مذکور میں حضور کے ارشاد فرمودہ اس علت کے بحکم اس پر استنجا کا اطلاق نہ ہوگا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ نجاست محل نجاست سے آگے نہ بڑھے ہمارے شیخ مجدد (سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ) نے اپنے فتاوی میں فرمایا کہ شرع نے دفع حرج کے لیے مخرج پر موجود نجاستوں کے لیے پتھروں کو مطہر قرار دیا ہے یہ حکم باقی بدن کے احکام کے برخلاف قیاس ہے صاحب حلیہ کے آداب وضو میں یہی تقریر فرمائی تو جو نجاست مخرج سے متجاوز ہوگی پتھر سے پاک نہ ہوگی صرف وہ خشک ہو جاتی ہے جب آب قلیل اس سے ملتا ہے تو اسے یہ فاسد و نجس کر دیتی ہے یہی تحقیق ہے جو کلمات کثیرہ شدیدۃ الاضطراب کے مطالعہ سے بندۂ ضعیف کو حاصل ہوئی ہے میں نے رد المحتار پر اپنی تعلیق (جد الممتار) میں اس تحقیق کو ذکر کیا ہے پھر (شیخ مجدد سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے) فتح القدیر امام ابن ہمام کی ذکر کردہ بحث کو ذکر فرما کر فرمایا کہ: البحر الرائق میں صاحب بحر نے اسی کی اتباع کی ہے اور نہر میں اسی کی تائید کی اور جامع الرموز میں فرمایا یہی اصح ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ طبرانی نے طبرانی کبیر میں بسند حسن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تخریج کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من استطاب بثلاثة أحجار ليس فيها رجيع كن له طهورا"

جس شخص نے ایسے تین پتھروں سے پاکی حاصل کی جن میں لید و گوبر نہ ہو تو وہ اس کے لیے مطہر ہیں۔

تو بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے مقصود کی تائید میں یہ نص صریح ہے اور علما نے فرمایا جیسا کہ غنیۃ وغیرہ میں ہے کہ درایت سے عدول نہ کیا جائے اگر روایت درایت کے موافق ہو تو کیوں کر وہاں عدول کیا جائے گا جہاں اختلاف تصحیح موجود ہے تو اسی قول پر اعتماد وتعویل ہونی چاہیے وباللہ التوفیق اھ

یہ سارے احکام اس وقت ہیں جب کہ پتھروں سے استنجا کیا جائے لیکن جب ہڈی اور لید سے کیا جائے تو محل پاک نہ ہوگا بلکہ نجس ہی رہے گا جیسا کہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام نے یہی افادہ فرمایا لیکن اگر یہ نجاست قلیل ہو تو معاف ہے اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار۔ ار۲۷۷و۲۷۸۔ از فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ، دائرۃ المعارف الامجدیہ)
انہیں پتھروں سے استنجا کے سلسلے میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی:

" كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فأتى الغائط فقال ايتني بثلاثة أحجار فالتمست فلم أجد إلا حجرتين و روثة فألقى الروثة وأخذ الحجرين وقال إنها ركس"

میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضور اقدس اپنی حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو فرمایا: مجھے تین پتھر دیجیے میں نے تلاش کیا تو صرف دو پتھر اور لید کے سوا کچھ نہ پایا حضور نے لید کو پھینک دیا اور دونوں پتھروں کو قبول فرما لیا اور فرمایا: یہ ناپاک اور پلید ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر حافظ ابن حجر کا کلام اور امام طحاوی کے استدلال پر ان کی جرح ذکر فرمائی پھر حافظ ابن حجر کے کلام کا سخت رد فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ حنفیہ کے امام ابوجعفر طحاوی کا اپنے مذہب کی تائید میں استدلال حد درجہ قوی ہے اور استنجا میں تین پتھروں کی قید شرط نہیں اس مقام کی تحقیق انیق فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

'' حافظ ابن حجر نے فرمایا اس حدیث بالا سے امام طحاوی نے یہ استدلال فرمایا کہ تین پتھروں سے استنجا کرنا شرط نہیں اس لیے کہ اگر تین پتھروں کا استعمال کرنا شرط ہو تو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تیسرا پتھر ضرور طلب فرماتے۔ حافظ ابن حجر نے امام طحاوی کے اس استدلال کا رد کرتے ہوئے کہا: کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث سے غافل ہیں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں بطریق معمر ابواسحٰق سے یوں روایت کیا: کہ علقمہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی حدیث میں یہ (زائد کلمات) روایت کیے کہ حضو اقدس نے اس لید کو پھینکنے کے بعد فرمایا:

"إنها ركس ايتني بحجر" یہ ناپاکی اور پلیدی ہے مجھے دوسرا پتھر دیجیے۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ثبت ہیں۔ ابوشیبہ واسطی نے اس پر معمر کی متابعت کی ہے جو کہ ضعیف ہیں دار قطنی نے اس کی تخریج کی اور عمار بن رزیق جو ثقہ لوگوں میں سے ہیں انہوں نے ابواسحٰق سے ان دونوں کی متابعت میں حدیث ذکر کی اور یہ کہا گیا ہے کہ علقمہ سے ابواسحٰق کا سماع ثابت نہیں لیکن کرابیسی نے علقمہ سے ابواسحٰق کا اس حدیث کا سماع ثابت کیا ہے اور اگر علقمہ سے ابواسحٰق کا سماع ثابت نہ بھی ہو تو یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث مخالفین (حنفیہ) کے نزدیک حجت ہے اور ہمارے نزدیک بھی اس وقت حجت ہے جب کہ اسے قوت حاصل ہو جائے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر کے اس استدلال کو تفصیلا ذکر فرما کر اس کا روشن رد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علامہ عینی نے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ: امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو غافل کہنے والا خود غافل ہے امام اجل بھلا اس حدیث سے کیوں کر غافل ہوں گے جب کہ ان کے نزدیک علقمہ سے ابواسحٰق کا

سماع ثابت ہی نہیں تو امام طحاوی کے نزدیک یہ حدیث سرے سے منقطع ہے، اور یہ گفتگو علمائے محدثین کے اسلوب پر ہے اور ان حضرات محدثین کے نزدیک منقطع حدیث پر عمل جائز نہیں لہٰذا ابوشیبہ واسطی کی متابعت لائق اعتبار نہیں اس لیے کہ وہ ضعیف ہیں اور ابوالحسن بن قصار مالکی نے کہا کہ مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس کی خدمت میں تیسرا پتھر پیش کیا لیکن یہ صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تین پتھروں کا استعمال شرط نہیں اس حدیث سے ان کا استدلال اپنی جگہ قائم ہے اس لیے کہ دو جگہ تین پتھروں پر اقتصار فرمایا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے تین سے کم حاصل ہوا۔ اھ

اور اگر ابواسحٰق سے امام احمد کی یہ زائد روایت: " ايتني بحجر " علمائے محدثین کے نزدیک ثابت ہوتی تو امام ترمذی باب الاستنجاء بالحجرين (دو پتھروں سے استنجا کا باب) قائم نہ فرماتے اور نہ ہی امام نسائی باب کا عنوان "الرخصة في الاستطابة بالحجرين " (دو پتھروں سے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کا بیان) رکھتے ان دونوں حضرات کا یہ عنوان قائم فرمانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ علمائے محدثین کے نزدیک امام احمد کی روایت میں " ايتني بحجر "(مجھے تیسرا پتھر دیجیے) کی زیادتی ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر کے استدلال مذکور کا روشن رد فرما کر فرمایا:

حافظ ابن حجر نے فرمایا: امام طحاوی کا استدلال بھی محل نظر ہے اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ حضور اقدس نے تین پتھروں کے طلب میں پہلے ہی امر پر اکتفا فرمایا ہو اس لیے اسی امر سابق پر اکتفا فرما کر تیسرے پتھر کے طلب کے لیے امر نہ فرمایا، یا ان پتھروں میں سے ایک پتھر کے کنارے کو تیسری بار استعمال فرمانے پر اکتفا فرمایا ہو اس لیے کہ تین پتھروں سے استنجا کا مقصود در اصل یہ ہے کہ تین بار اس سے پاکی حاصل کی جائے اور صورت دائرہ میں یہ حاصل ہے اگر چہ ایک ہی پتھر سے تین بار پاکی حاصل کرے اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی پتھر کے ایک کنارے سے پاکی حاصل کر کے اسے پھینک دیا پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے اسی پتھر کا دوسرا کنارے پیش کیا تو یہ بلا کسی اختلاف کے کفایت کرے گا۔

علامہ عینی نے حافظ ابن حجر کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ امام طحاوی نے اپنے مذہب کی تائید و تقویت میں صریح نص سے استدلال فرمایا اور صریح نص کا استدلال احتمال بعید سے کیوں کر مدفوع ہوگا، اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا :''اس لیے کہ تین پتھروں کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ ان سے تین بار پاکی حاصل کی جائے'' یہ خود ان کے استدلال کے منافی ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک پتھروں میں عدد (تین پتھروں کا استعمال) شرط ہے اس لیے کہ یہ لوگ حضور اقدس کے ظاہر ارشاد سے استناد کرتے ہیں:

"ولا يستنج أحدكم بأقل من ثلاثة أحجار"

اور تم میں سے کوئی شخص تین پتھروں سے کم سے استنجا نہ کرے۔

اور حافظ ابن حجر کا یہ کہنا:''ایک ہی پتھر کے تین کناروں کو تین بار استعمال کرنے سے مقصود حاصل ہے'' صریح حدیث کے مخالف ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے علامہ عینی کا جواب ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

وأنا أقول: حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ یہ تاویل حد درجہ بعید ہے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ نظافت و پاکیزگی فرماتے آپ کی ذات پاک کی طرف کیوں کر یہ نسبت کی جا سکتی ہے کہ حضور اقدس نے ایک پتھر کو دو یا تین بار استعمال فرمایا ہو۔

اس محققانہ کلام کے بعد مزید تحقیق و توضیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''خود یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس کوئی پتھر نہ تھا بلکہ وہاں کوئی تیسرا پتھر موجود نہ تھا اس لیے کہ اگر وہاں تیسرا پتھر موجود ہوتا تو صحابی جلیل حضور اقدس کے اس ارشاد کے بعد ضرور اسے پیش کرتے اور لید نہ لاتے اس لیے کہ حضور اقدس نے انہیں تین پتھر لانے کا حکم دیا تھا دو پتھر اور لید لانے کا حکم نہ دیا تھا اس واضح ارشاد کے بعد بھی جب دو پتھر اور لید لے کر آئے تو معلوم ہوا کہ وہاں کوئی تیسرا پتھر موجود نہ تھا لہٰذا علقمہ سے ابواسحاق کی یہ روایت بھی ساقط ہو گئی کہ: لید پھینکنے کے بعد حضور اقدس نے دوبارہ انہیں یہ حکم فرمایا: "**ائتني بحجر**" (مجھے پتھر لا کر دیجیے) نیز حافظ ابن حجر کا یہ کلام بھی ساقط ہو گیا کہ: طلب (امر سابق) پہلے سے موجود ہے اس لیے جدید طلب کی چنداں ضرورت نہیں اس کلام کے ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہاں تیسرا پتھر موجود ہوتا تو ضرور اسے پیش کرتے اور لید اور دو پتھر لے کر نہ آتے''۔

(کشف الاستار شرح معانی الآثار۔ ا/۲۷۲ تا ۲۷۵۔ از فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ، دائرۃ المعارف الامجدیہ)

جنبی کا سونے سے پہلے وضو کرنے کی بحث:

امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ابواسحاق سے بروایت اسود بن یزید تخریج کیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجنب ثم ينام ولا يمس ماء حتى يقوم بعد ذالک فيغتسل"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت لاحق ہوتی پھر سو جاتے اور پانی کے قریب نہ جاتے یہاں تک کہ نیند سے بیدار ہو کر غسل فرماتے۔

اس حدیث کی مختلف سندیں ذکر فرما کر فرمایا کہ: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جنابت والا اگر جنابت کے بعد بغیر وضو کے سو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ وضو جنابت سے پاک نہیں کرتا اور دوسرے حضرات کی رائے اس کے بر خلاف ہے اس لیے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ سونے سے قبل وضو کر لینا چاہیے اور ان لوگوں نے کہا کہ: یہ حدیث غلط ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر محققانہ شاندار بحث فرمائی اور فرمایا کہ:

حفاظ حدیث کا اس حدیث کو غلط قرار دینا ابواسحق سبیعی کی تدلیس کے سبب نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک

طویل حدیث کو مختصر کر کے روایت کیا جیسا کہ خود امام طحاوی نے اس کو بیان فرمایا اس مقام کی تحقیق و تدقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: امام ترمذی نے فرمایا: شعبہ اور ثوری اور بہت سے علمائے محدثین نے یہ حدیث ابواسحاق سے روایت کی اور ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث ابواسحاق کی جہت سے غلط ہے اور ابوداود نے فرمایا: حسین واسطی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون سے یہ فرماتے سنا کہ ابواسحاق کی حدیث میں وہم ہے اور ان سے یہ روایت صحیح نہیں اور مدینی نے کہا: میں نے ابو عبداللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ: صحیح نہیں ہے، میں نے کہا: کیوں؟ تو کہا: اس لیے کہ شعبہ نے حاکم سے بروایت ابراہیم عن الاسود روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے اور جنابت کی حالت ہوتی تو نماز جیسا وضو فرماتے۔ میں نے کہا: یہ اختلاف کہاں سے آیا؟ تو کہا: ابواسحاق کی جانب سے۔ انہوں نے فرمایا اور میں نے احمد بن صالح سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: یہ روایت کرنا حلال نہیں اور ابوعلی طوسی نے ویسا ہی فرمایا جیسا کہ امام ترمذی نے کہا۔ اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: سفیان نے فرمایا: میں نے ایک دن یہ حدیث ذکر کی تو اسماعیل نے مجھ سے کہا: اے نوجوان! یہ حدیث ذرا شاذ ہے اور ایک جماعت اس حدیث کی تصحیح کے درپے ہے ان تصحیح کرنے والوں میں دارقطنی ہیں کیوں کہ انہوں نے فرمایا: اشبہ یہ ہے کہ یہ دونوں خبریں صحیح ہوں اس لیے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بسا اوقات غسل کو مقدم کر کے اور کبھی موخر کر کے روایت کیا جیسا کہ عفیف اور عبداللہ بن ابی قیس وغیرہما نے عائشہ سے ایسا ہی بیان کیا اور اسود نے عائشہ سے اسے حفظ رکھا تو ابواسحاق نے ان سے وضو اور غسل کی تاخیر کا حفظ رکھا اور ابراہیم اور عبدالرحمٰن نے غسل پر وضو کی تقدیم کو حفظ رکھا اور ان تصحیح کرنے والوں میں امام بیہقی بھی ہیں اور ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابواسحاق کی حدیث از روئے روایت صحیح ہے اور وہ یوں کہ اسود سے ان کا سماع اس روایت میں بیان کر دیا گیا جو زہیر نے ان سے روایت کی اور مدلس نے جس سے روایت کی ہے جب اس سے اپنا سماع بیان کر دے اور ثقہ ہے تو بلاوجہ اسے رد نہ کیا جائے گا ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق اس طریقہ پر کی جا سکتی ہے جس کا احتمال ہے ابوالعباس بن شریح نے ان دو روایتوں کے درمیان بہتر جمع و تطبیق پیش کی ہے ان سے اس حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث:

"أينام أحدنا وهو جنب قال نعم إذا توضأ"

کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سو سکتا ہے فرمایا: ہاں جب وضو کر لے۔

کے متعلق پوچھا گیا اور حکم نے ان دونوں کے متعلق کہا رہی عائشہ کی حدیث تو صرف آپ کی مراد یہ ہے کہ غسل کے لیے پانی نہ چھوئے اور رہی عمر کی حدیث:

"أينام أحدنا وهو جنب قال نعم إذا توضأ"

کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں جب وضو کر لے۔

تو یہ مفسر ہے جس میں وضو کا ذکر ہے اور ہم اسی حدیث کو لیتے ہیں۔

اور ان تصحیح کرنے والوں میں ابن قتیبہ بھی ہیں کیوں کہ انہوں نے کہا: دونوں چیزیں واقع ہو سکتی ہیں تو فعل (وضو فرمانا)

بیان استحباب کے لیے ہے اور ترک (وضو نہ فرمانا) بیان جواز کے لیے ہے اور اس کے علمائے محدثین نے یہ فرمایا کہ: ہمارے پاس ابو اسحاق کی حدیث کے شواہد و متابع موجود ہیں۔ متابعت کرنے والے عطا اور قاسم اور کریب اور دستوائی ہیں جیسا کہ ابو اسحاق حربی نے "کتاب العلل" میں ذکر کیا اور اس بارے میں ان تمام توجیہات سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ ابو اسحاق کی حدیث صحیح ہے اس وجہ سے کہ ان روایت و موافقت کرنے والوں نے یہ خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اسود کو یہ خبر دی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات وضو فرما لیتے اور کبھی صبح تک وضو اور غسل میں تاخیر فرماتے تو اسود نے ابراہیم کو یہ خبر دی کہ حضور اقدس وضو فرماتے اور ابو اسحاق کو یہ خبر دی کہ صبح تک وضو و غسل میں تاخیر فرماتے اس حدیث کی یہ سب سے بہتر توجیہ ہے (عینی ۳/۲۴۴)

علامہ عینی کی اس بحث کو ذکر فرمانے کے بعد فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے "اقول" فرما کر ارشاد فرمایا کہ علامہ عینی نے جس توجیہ کو سب سے بہتر توجیہ کہا وہ توجیہ میرے نزدیک حسن بلکہ سرے سے صحیح بھی نہیں ہے جیسا کہ اس کے روشن دلائل ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: علامہ عینی نے جس توجیہ کو سب سے بہتر توجیہ قرار دیا وہ میرے نزدیک حسن بلکہ صحیح بھی نہیں اور امام دار قطنی نے جو یہ فرمایا کہ: عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اسود کو دو چیزوں کی خبر دی جیسا کہ عفیف اور عبد اللہ بن قیس نے اسے بیان کیا تو ان دو چیزوں میں سے ایک چیز ابو اسحاق نے حفظ رکھی اور ابراہیم وغیرہ نے دوسری چیز حفظ رکھی تو یہ بھی درست نہیں اس لیے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جن دو چیزوں کی خبر دی عفیف کی روایت میں یہ دونوں چیزیں نہیں بلکہ وہ دونوں چیزیں یہ ہیں: رات کے ابتدائی اور آخری حصہ میں غسل فرمانا۔ رہا وضو کا موخر فرمانا تو ان دونوں میں سے کسی کی روایت میں نہیں جیسا کہ امام نسائی نے اپنے سنن میں ان دونوں حدیثوں کو اپنی اس سند کے ساتھ اس طرح ذکر کیا:

" عن عبدالله بن أبي قيس قال سألت عائشة كيف كان نوم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الجنابة أ يغتسل قبل أن ينام أو ينام قبل أن يغتسل؟ قالت كل ذالک قد كان يفعل ربما اغتسل فنام وربما توضأ فنام"

عبد اللہ بن ابی قیس فرماتے ہیں: میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت جنابت کس طرح سوتے کیا سونے سے قبل غسل فرماتے یا غسل سے قبل محو استراحت ہوتے؟ آپ نے فرمایا: حضور اقدس دونوں فرماتے کبھی غسل فرما کر محو خواب ہوتے اور کبھی وضو فرما کر سوتے۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں عبد اللہ بن ابی قیس سے اسی طرح اس اضافہ کے ساتھ روایت فرمایا:

"قلت الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة"

میں نے کہا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے اس معاملہ میں وسعت و کشادگی رکھی۔

اور نسائی نے بھی عفیف کی حدیث اپنے سنن میں اس طرح روایت کیا:

"قال دخلت على عائشة فسألتها فقلت أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل من أول الليل وآخره؟ قالت: كل ذالک قد كان ربما اغتسل من أوله وربما اغتسل من آخره قلت: الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة"

انہوں نے فرمایا میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں پہنچا آپ سے یہ کہہ کر سوال کیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ابتدائی یا آخری حصہ میں غسل فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا: دونوں طرح فرماتے تھے کبھی ابتدائی شب اور کبھی آخری شب میں غسل فرماتے میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ عزوجل کی جس نے اس معاملہ میں وسعت و کشادگی رکھی۔

اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ حدیث جسے عبد اللہ بن ابی قیس اور عفیف نے روایت کی اس میں وضو کی تاخیر کا ذکر نہیں بلکہ عبد اللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جسے امام نسائی و مسلم نے ذکر کیا اس میں سونے سے قبل وضو کا ذکر ہے تو اسود کی روایت ان دونوں روایتوں پر کیوں کر محمول ہوگی۔

نیز ابو اسحاق کی طویل حدیث جسے امام طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا جس میں یہ الفاظ روایت ہیں:

"وإن كان جنبا توضا وضوء الرجل للصلاة"

اور اگر جنابت کی حالت ہوتی تو وضو فرماتے جس طرح انسان نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

یہ اس کے منافی ہے جسے امام دار قطنی نے کہا ممکن ہے ان کے کلام کی کوئی بنیاد ہو جو مجھے حاصل نہ ہو سکی۔

اس محققانہ محدثانہ کلام کے بعد ابو اسحاق کی تغلیط حدیث کی وجہ بیان فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

أقول: حفاظ حدیث نے ابو اسحاق سبیعی کی روایت کردہ حدیث کو جو غلط قرار دیا اس تغلیط کی وجہ ان کی تدلیس نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا اس طویل حدیث میں یہ زیادتی ہے:

"وإن كان جنبا توضأ وضوء الرجل للصلاة"

اور اگر جنابت کی حالت ہوتی تو وضو فرماتے جس طرح انسان نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

امام طحاوی نے اس زیادتی کو اس سند کے ساتھ روایت کیا جس میں زہیر نے ابو اسحاق سے روایت کیا سفیان وغیرہ کی روایت میں ابو اسحاق کی حذف کردہ زیادتی اس حقیقت کو واشگاف کرتی ہے کہ پانی نہ چھونے سے حضور اقدس کا غسل نہ فرمانا مراد ہے ابو اسحاق نے جب اس حدیث میں اختصار کیا اور اس زیادتی کو حذف کیا تو یہ وہم ہوا کہ حضور اقدس کے پانی نہ چھونے سے مراد وضو نہ فرمانا ہے اور یہ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے بالکل برخلاف ہے۔

رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ: حفاظ حدیث نے اس لفظ میں طعن کیا انہیں یہ وہم ہوا کہ یہ لفظ اسود کے علاوہ سے ماخوذ ہے اور ابو اسحاق بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ ابو اسحاق سبیعی کی تدلیسات سے ہے تو یہ ایسا وہم ہے جس کی بنیاد کسی دلیل پر قائم نہیں کیوں کہ ثقہ راوی اگر چہ مدلس ہو اگر وہ یہ بیان کردے کہ اس نے مروی عنہ سے یہ حدیث سنی ہے

تو اسے اس کی تدلیسات سے شمار نہ کیا جائے گا اور امام بیہقی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ ابو اسحاق سبیعی کی حدیث ازروئے روایت صحیح ہے انہوں نے یہاں تک فرمایا: "فلا وجه لرده" بلاوجہ اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام تحقیقات سے یہ حقیقت الم نشرح ہوگئی کہ حفاظ حدیث کا اس حدیث کو غلط قرار دینا ابو اسحاق کی تدلیسات کے سبب نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ایک طویل حدیث کو مختصر اذکر کیا جیسا کہ حنفیہ کے امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالی نے اسے واشگاف فرمایا۔

اور رہا بعض لوگوں کا یہ وہم کہ ابو اسحاق نے یہ سمجھا کہ حاجت سے وطی کی حاجت مراد ہے تو انہوں نے حدیث کا معنی اپنے فہم کے اعتبار سے نقل کیا صرف حالت حدث ہی مراد ہے تو یہ وہم حفاظ بھی باطل ہے حدیث کا لفظ اس کی موافقت ومساعدت نہیں کرتا ہے۔

اس کے بعد ان دونوں حدیثوں کے درمیان ایسی جمع وتطبیق پیش کی جو ممکن اور مناسب مقام ہے جیسا کہ رقمطراز ہیں:

"ان دونوں حدیثوں میں اس طرح جمع وتطبیق ممکن ہے کہ عدم مس ماء (پانی نہ چھونے سے) حضور اقدس کا غسل نہ فرمانا مراد ہے یا یہ مراد ہے کہ بعض اوقات بیان جواز کے لیے وضو نہ فرماتے تھے۔ جمع وتطبیق کی یہ دونوں صورتیں ابو اسحاق سبیعی کی حدیث کی تغلیط سے اولی ہیں اس لیے کہ سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے بھی موطا میں اس حدیث کو اس طرح روایت فرمایا:

"اخبرنا أبو حنيفة عن أبي إسحاق السبيعي عن الأسود بن يزيد عن عائشة رضى الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يصيب من أهله ثم ينام ولا يمس ماء فإن استيقظ من اخر الليل عاد واغتسل . قال محمد: هذا الحديث أرفق بالناس وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى"

امام محمد فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے بروایت ابو اسحاق سبیعی مجھے یہ خبر دی کہ اسود بن یزید نے روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہل سے مقاربت فرماتے پھر محو خواب ہوتے اور پانی استعمال نہ فرماتے اگر رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوتے واپس آکر غسل فرماتے۔ امام محمد نے فرمایا: اس حدیث میں لوگوں کو زیادہ آسانی ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے۔

حب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کو معتبر قرار دیا اور اسے امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کا قول قرار دیا تو اس حدیث کو غلط قرار دینا بے معنی ہے"۔ (کشف الاستار شرح معانی الآثار ۱/۲۸۰ تا ۲۸۸)

اس اعلی تحقیق وتدقیق سے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی محدثانہ شان آفتاب روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ حفاظ حدیث کی بحثوں میں ایسی غائرانہ تحقیق وکامل تدقیق وہی کر سکتا ہے جسے علم حدیث میں دستگاہ تام اور ید طولی حاصل ہو۔

ہر فقیہ محدث ہوتا ہے:

کشف الاستار میں ایسی ایک دو نہیں بلکہ صدہا حدیثیں موجود ہیں جس کا جی چاہے دقیق نظروں سے مطالعہ کرے حدیث دانی کا دعوی کرنا آسان ہے، بالا خانیاں بہت سے لوگ کرتے ہیں۔ مگر ان کی حدیث دانی کا جب پردہ چاک کیا جاتا ہے تو برہنہ تن نظر آتے ہیں۔ آپ فقہ وافتا اور حدیث وغیرہ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ مگر فقیہ اعظم کا روشن لقب ایسا شہرۂ آفاق ہوا کہ دنیا آپ کو فقیہ اعظم سے یاد کرتی ہے۔ فقاہت خود وہ عظیم دولت اور گراں قدر سرمایہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين"

اللہ عزوجل جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے

فقہائے عظام احادیث کریمہ سے جو گراں قدر جوہر نکالتے ہیں محض محدثین کی نظریں ان تک نہیں پہنچتیں۔ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس تحقیق بلیغ سے یہ آشکارا ہے کہ فقیہ ومجتہد اگر کسی حدیث کو معتبر قرار دے اور اسے اپنا قول ٹھہرائے تو اس حدیث کو غلط قرار دینا بے معنی ہے دراصل اس کی وجہ وہ ہے جسے مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

حضرت امام اجل سلیمان اعمش کہ اجلۂ تابعین وامام محدثین سے ہیں حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالی عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد، اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے استاذ ہیں ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فورا جواب دیا، امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں، اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتا دیں، امام اعمش نے کہا:

حسبک ما حدثتک به في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة ما علمت أنک تعمل بهذه الأحاديث يا معشر الفقهاء أنتم الأطباء ونحن الصيادلة وأنت أيها الرجل أخذت بكلا الطرفين"

بس کیجیے میں نے جو حدیثیں آپ سے سو (۱۰۰) دن میں بیان کیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنا دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا آپ ان احادیث پر یوں عمل کرتے ہیں اے مجتہدو! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور اے ابو حنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔ (فتاوی رضویہ ۴/۴۴۸)

مزید فرماتے ہیں:

محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے، عطار دوا شناس ہے، اس کی دوکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالا مال ہے مگر

تشخیص مرض ومعرفت علاج وطریق استعمال طبیب کا کام ہے، عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے (فتاوی رضویہ ۴/۴۴۷)

نیز فرماتے ہیں:

امام اعمش سے بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ اکرم، اقدم، امام عامر شعبی جنھوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، حضرت امیر المومنین مولی علی، سعد ابن ابی وقاص، سعید بن زید، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عمران بن حصین، جریر بن عبداللہ، مغیرہ بن شعبہ، عدی بن حاتم اور امام حسن وامام حسین وغیرہم بہ کثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالی کے استاذ ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں:

"بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو"

ایسے امام والا مقام بآں جلالت شان فرماتے ہیں:

" إنا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه للفقهاء من إذا علم عمل"

(فتاوی رضویہ ۴/۴۴۸)

ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کریں گے"

فقیہ فقید المثال مجدد اعظم سیدنا اعلی حضرت امام احمد رضا کے اس ارشاد سے یہ واشگاف کرنا مقصود ہے کہ فقیہ جب کسی حدیث کی توضیح وتشریح، تحقیق وتدقیق، تایید وترجیح اور نکتہ آفرینی کرتا ہے تو غیر فقیہ کی تحقیق وتدقیق سے اس کا پایہ بلند ہوتا ہے دراصل وجہ وہی ہے کہ احادیث کے معانی پر فقہا کی نظر حد درجہ دقیق ہوتی ہے ان کے مدارک عالیہ غایت درجہ بلند ہوتے ہیں جب کوئی فقیہ کسی حدیث کی تحقیق وتدقیق کرتا ہے تو ایسے گوہر آب دار فراہم کرتا ہے کہ غیر فقیہ ومجتہد اس فقیہ محدث کے مدارک عالیہ تک پہنچنے سے معذور ہوتے ہیں کہ فقیہ دونوں کناروں کو گھیرے ہوتا ہے اسی لیے اگر وہ حدیث کو معتبر قرار دے اور اسے اپنا قول قرار دے تو اسے غلط قرار دینا بالکل بے معنی ہے۔ کشف الاستار شرح معانی الآثار میں ایسے گوہر آب دار ضرور ملیں گے جن سے حضرت فقیہ اعظم کی علم حدیث میں بلندی شان واشگاف ہوتی نظر آئے گی، راویان حدیث کی تعدیل وتوثیق، جرح وطعن، مذہب حنفی کی تایید وترجیح، احادیث کے مشکل معانی کا روشن حل، تحقیقات وتدقیقات کے گوہر آبشار سے یہ شرح مالا مال ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث تخریج کی:

" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتى أحدكم أهله ثم أراد أن يعود فليتوضأ"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جب اپنی اہل کے پاس آئے پھر وہ دوبارہ اس کے پاس آنا (مقاربت ومجامعت کرنا) چاہے تو وضو کرلے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر ایک نفیس بحث فرمائی کہ یہ وضو واجب ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے اسی حدیث سے وجوب پر استدلال کیا یا وجوب پر محمول نہیں بلکہ اس سے استحباب مراد ہے پھر یہ نماز کا وضو ہے یا لغوی وضو مراد ہے تحقیق مقام فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث مذکور امام مسلم نے اپنی صحیح اور ابوداود اور بیہقی اور ابن ماجہ اور ترمذی نے سنن میں تخریج کی، اور امام ابوعیسی ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ: یہ وضو واجب ہے یہ بعض لوگ ابن حبیب مالکی اور داود ظاہری ہیں اور ابن حزم نے کہا: عطا، ابراہیم، عکرمہ، حسن اور ابن سیرین کا بھی یہ قول ہے۔

اور جمہور نے کہا: دونوں جماع کے درمیان وضو واجب نہیں، اور اس حدیث میں وضو استحباب پر محمول ہے اس سے وضو کا وجوب مراد نہیں جمہور کی دلیل عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی یہ حدیث پاک ہے:

" إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجامع ثم يعود ولا يتوضأ"

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے مقاربت فرماتے پھر دوبارہ مجامعت فرماتے اور وضو نہ فرماتے۔

ابوعمر نے کہا: میرے علم میں اصحاب ظواہر کے علاوہ اہل علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس وضو کو واجب قرار دے، اور علامہ عینی نے کہا: ابن شیبہ نے اپنی مصنف میں محارب بن دثار سے روایت کیا کہ میں نے ابن عمر سے فرماتے سنا:

" إذا أراد أن يعود توضأ".

جب دوبارہ مجامعت فرمانا چاہتے تو وضو فرماتے۔

اور وکیع نے ہم سے یہ بیان کیا کہ عمر بن ولید نے فرمایا: میں نے ابن محمد سے یہ فرماتے سنا: **"إذا أراد أن يعود توضأ"** اور عطار سے بھی اسی طرح مروی ہے رہا ابن حزم کا حسن اور ابن سیرین کی طرف یہ منسوب کرنا کہ یہ حضرات وضو کے وجوب کے قائل ہیں تو یہ نسبت مردود ہے اس لیے کہ ابن ابوشیبہ نے اپنی مصنف میں فرمایا کہ: ابن ادریس نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام نے یہ روایت کیا کہ حسن سے یہ مروی ہے کہ ان کی رائے یہ تھی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرکے پھر وضو سے پیشتر اس سے دوبارہ جماع کرنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابن سیرین فرماتے تھے میرے علم میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسا صرف اس لیے فرمایا گیا کہ دوبارہ جماع کے لیے وضو کرلینا زیادہ لائق ومناسب ہے امام ترمذی نے فرمایا: اور دونوں جماع کے درمیان وضو نہ کرنا بہت سے اہل علم کا قول ہے جن میں حسن بصری ہیں ان کی رائے یہ تھی کہ وضو سے پیشتر دوبارہ جماع

کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

اور اسحاق ابن راھویہ سے یہ منقول ہے کہ حدیث مذکور میں دو جماع کے درمیان جس وضو کا ذکر ہے وہ لغوی وضو پر محمول ہے یہ بالکل ساقط ومردود ہے اس لیے کہ ابن خزیمہ نے حدیث مذکور میں یہ روایت کیا:

" ولیتوضأ وضوء ہ للصلاۃ". اور وضو کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔

اوران کے نزدیک یہ لفظ بھی مروی ہے:

"فھو أنشط للعود" کہ وضو سے دوبارہ جماع میں نشاط حاصل ہوتی ہے۔

اور حاکم نے لفظ " وضوء ہ للصلاۃ" کو صحیح قرار دیا پھر فرمایا کہ: تنہا شعبہ نے عاصم سے یہ لفظ روایت کیا اور آپ جیسی بلند پایہ شخصیت کی تنہا روایت شیخین کے نزدیک مقبول ہے۔

امام ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مذکور:

"إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یجامع ثم یعود ولا یتوضأ"

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ جماع سے پیشتر وضو نہ فرماتے۔

کو سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کا ناسخ قرار دیا جس میں دوبارہ جماع سے پیشتر وضو کا ذکر ہے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر یہ فرمایا کہ: امام طحاوی کا اس حدیث کو ناسخ قرار دینا اس وقت ہے جب کہ سیدنا ابو خدری کی حدیث مذکور میں دوبارہ جماع سے پہلے وضو سے وضو کا وجوب مراد ہو جیسا کہ بعض لوگوں نے یہی سمجھا لیکن جب اس وضو سے وضو کا مستحب ہونا مراد ہو جیسا کہ یہی جمہور کا قول ہے تو نسخ کے قول کی کوئی حاجت نہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لیے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں "فلیتوضأ" سے وضو کے استحباب کا بیان ہے اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں " ثم یعود ولا یتوضأ" (پھر دوبارہ جماع کے لیے وضو نہ فرماتے) سے ترک وضو کے جواز کا بیان ہے اس لیے سیدنا ابو سعید خدری اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں کوئی منافات اور کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔

صدر الشریعہ۔ اور فن اسماء الرجال:

علم حدیث کا ایک اہم جز علم اسماء الرجال ہے علمائے جرح وتعدیل نے اس فن میں گراں قدر قلمی یادگاریں چھوڑیں ہیں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس فن میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ کس راوی کا کیا نام ہے، وہ ثقہ اور مقبول ہے یا قابل طعن ہے ان تمام گوشوں پر آپ عمیق نظر رکھتے۔ راویان حدیث میں ایک راوی حصین حمرانی اور دوسرے ابو سعید خیر ہیں یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں یا دو الگ الگ راوی ہیں بہر حال دونوں مجہول یا ثقہ اور مقبول ہیں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مقام پر محدثین کرام کے کلمات وارشادات کو ذکر فرما کر اپنی گراں قدر تحقیق تحریر فرمائی جیسا کہ فرماتے ہیں:

"قولہ عن حصین الحبرانی عن أبی سعید ھو أبو سعید الخیر" ابو عمرو بن حزم اور امام بیہقی نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد قائم نہیں اس سند میں دو مجہول راوی ہیں (۱) حصین حمرانی اور (۲) ابو سعید خیر، اور بعض لوگوں نے کہا: ابو سعید خیر علامہ عینی نے کہا: یہ کلام ساقط الاعتبار ہے اس لیے کہ ابو زرعہ دمشقی نے "حصین" کے بارے میں کہا: "ھذا شیخ معروف" یہ معروف ومشہور شیخ ہیں، اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں کہا: "لا أعلم إلا خیرا" مجھے خیر کے سوا کچھ معلوم نہیں، اور ابو حاتم رازی نے کہا: شیخ ہیں اور ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا "تہذیب التہذیب" میں کہا: حصین حمیری اور حمرانی کہا جاتا ہے اور حمران حمیر کا ایک بطن ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ حصین بن عبد الرحمٰن ہیں جنھوں نے ابو سعید حبرانی سے روایت کیا، اور کہا جاتا ہے کہ ابو سعید حمصی سے روایت کیا اور ان سے ثور بن یزید حمصی نے روایت کیا ان دونوں راویوں نے ان کے لیے ایک حدیث تخریج کی:

"من اکتحل فلیوتر" جو سرمہ لگائے تو طاق عدد لگائے۔

میں کہتا ہوں: ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر فرمایا اور لیکن ابو سعید خیر تو ابو داود اور یعقوب بن سفیان اور عسکرین اور ابن بنت منیع نے اخرین میں کہا کہ: یہ صحابہ میں سے ہیں اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی اور ابو سعید کو کتاب الصحابہ میں ذکر کیا اور ان کا نام عامر ذکر کیا اور بغوی نے ان کا نام عمرو ذکر کیا اور صاحب التہذیب نے ان کا نام "زیاد" ذکر کیا، اور بخاری نے ان کا نام "سعد" ذکر کیا۔ تہذیب التہذیب میں کہا: ابو سعید حبرانی حمیر حمصی اور کہا جاتا ہے "ابو سعید خیر" اور کہا جاتا ہے کہ: یہ دونوں دو راوی ہیں انھوں نے ابو ہریرہ سے یہ حدیث روایت کی:

"من اکتحل فلیوتر" جو سرمہ لگائے تو طاق عدد لگائے۔

اوران سے حصین حمرانی نے روایت کیا جنھیں ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: (حضرت صدر الشریعہ) درست یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ راوی حدیث ہیں اس لیے کہ امام بخاری، ابو حاتم، ابن حبان، بغوی، ابن قانع، اور ایک جماعت نے ان کے صحابی ہونے پر نص جلی فرمادیا ہے اور رہے ابو سعید حمرانی تو بلاشبہ تابعی ہیں صرف بعض راویوں کو وہم ہوا تو ابو سعید خیر سے مروی حدیث میں کلام کیا اور شاید یہ حذف وتصحیف ہے۔ (کشف الاستار شرح معانی الآثار ار ۲۷۱۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ)

علم حدیث کے ان تحقیقی جواہر پاروں سے کشف الاستار شرح معانی الآثار مالا مال ہے میں نے چند شواہد اس لیے ذکر کردیے تاکہ فن حدیث میں فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی جلالت شان روز روشن سے زیادہ واضح ہوجائے ہر ذی شعور، عاقل وذی فہم ان جواہر پاروں کو دیکھ کر یہی کہے گا کہ آپ نہ صرف فقیہ اعظم بلکہ محدث اعظم ہیں۔

☆☆☆

حضرت صدرالشریعہ اور خدمت حدیث

از: مفتی آل مصطفیٰ مصباحی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو

باسمہ تعالیٰ وحمدہ

احادیث وآثار کے منطوق ومفہوم کی وضاحت، ان کی صحت اور حسن وضعف کی جانچ، پرکھ اور راویان حدیث کی جرح وتعدیل پر نظر کے اعتبار سے امام ابوجعفر طحاوی حنفی قدس سرہ العزیز متوفی ۳۲۱ھ کا پایہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے شرح معانی الآثار میں احادیث وآثار سے استدلال کا ایسا مؤثر طریقہ اختیار فرمایا جو اہل علم کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کا سرور ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ومحدثین نے اس عظیم الشان کتاب کی شروح وحواشی کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی، تاکہ اس کی افادیت اور اس کی تحقیقات سے عام اہل علم اور ارباب فکر ودانش کو واقف کرایا جاسکے اور حنفی مسلک کی قوت وترجیح کو باور کرایا جاسکے۔ اس کتاب کے اہم محشین وشارحین میں عبقری فقیہ، بلند پایہ محدث صدرالشریعہ بدرالطریقہ علامہ محمد امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ والرضوان بھی ہیں۔ اس وقت فقیر راقم الحروف کے پیش نظر حضرت صدرالشریعہ کی خدمت حدیث کے حوالے سے ایک اہم تصنیف کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار جلد دوم کے چند اوراق ہیں۔ ان کے مطالعے سے جو اہم افادات نظر فقیر میں آئے وہ ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔

خطبہ جمعہ کے وقت نماز تحیۃ المسجد کا حکم:

اس تعلق سے پہلی مثال: "باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعة والامام یخطب هل ینبغي له ان یرکع ام لا" سے ہم نقل کررہے ہیں۔

(۱) مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن خطبے کے وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا تو کیا اس کو شرعاً اجازت ہے کہ وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی پڑھ لے؟ امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ نہ سنت، نہ نفل، نہ فرض نماز دوران خطبہ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی صلوٰۃ تحیۃ المسجد، ایسے وقت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے یہی قول حضرت امام مالک، حضرت سفیان ثوری اور جمہور سلف کا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں دوران خطبہ داخل ہونے والے شخص کے لیے جائز ومستحب ہے کہ وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی پڑھے نماز پڑھنے سے قبل بیٹھ جانا مکروہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال فرمایا۔ جس کے کلمات مبارکہ یہ ہیں:

"عن جابر قال جاء سلیک ن الغطفانی فی یوم الجمعة، ورسول الله صلی الله تعالیٰ

علیه وسلم علی المنبر فقعد سلیک قبل أن یصلي فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ارکعت ؟قال لا، قال قم فارکعهما" (شرح معانی الاثار ص ۲۵۱، ج ۱)

ترجمہ: سلیک غطفانی جمعہ کے دن ایسے وقت میں مسجد آئے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، حضرت سلیک نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے۔ تو ان سے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دو رکعت نماز پڑھ لی ہے؟ انہوں نے عرض کی: نہیں، فرمایا: کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔

اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دار قطنی، بیہقی، ابن حبان وغیرہ نے بھی کی ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض روایتوں میں مسجد میں داخل ہونے والے اس صحابی کا نام مذکور نہیں۔ اور بعض میں مذکور ہے۔ (یعنی سلیک غطفانی)۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ حنفیوں کی جانب سے استدلال پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث خود دلالت کرتی ہیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک کو جو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا وہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے دیا، نہ کہ خطبہ شروع کرنے کے بعد۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ میں اس عنوان سے باب باندھا "باب الصلاة قبل الخطبة" (خطبہ سے پہلے نماز پڑھنے کا باب) اور اس باب کے تحت حضرت سلیک والی حدیث ذکر فرمائی۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے فتح الباری شرح بخاری میں اس کا جواب یہ دیا کہ "منبر پر بیٹھنا قبل خطبہ کے ساتھ خاص نہیں" بلکہ ہوسکتا ہے کہ دونوں خطبوں کے دوران والا قعود 'بیٹھنا' مراد ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے دونوں خطبوں کے درمیان والی نشست میں یہ کلام فرمایا اور نماز پڑھنے کا حکم دیا پھر جب وہ صحابی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوگئے۔ کیوں کہ دونوں خطبوں کے درمیان کی نشست کا زمانہ طویل نہیں ہوتا۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ راوی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بیٹھے ہونے کی "قعود" کی نسبت بطور مجاز کردی ہو کیوں کہ اس مضمون کی تمام روایتوں میں یہ الفاظ قدر مشترک کے طور پر ہے کہ وہ صحابی مسجد میں داخل ہوئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اس لیے حضرت صدرالشریعہ نے اپنے حاشیہ طحاوی میں علامہ بدرالدین عینی کی اس تعلق سے بڑی وضاحت نقل فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"الاصل ابتداء قعوده. وقعوده بین الخطبتین محتمل. فلا یحکم به علی الاصل علی ان امره صلی الله علیه وسلم ایاه بأن یصلي رکعتین وسواله ایاه هل صلیت ؟وامره للناس بالصدقة یضیق من القعود بین الخطبتین. لان زمن هذا القعود لا یطول ونسبة الراوی الی ارتکاب المجاز مع عدم الحاجة والضرورة لترویج کلامه بعید. والمجاز في قوله یخطب اولیٰ من المجاز في قاعد". (ج ۲ ص ۴۴۵)

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ قعود (بیٹھنے) سے مراد ابتدائے قعود ہے۔ اور قعود سے دونوں خطبوں کے درمیان کا قعود مراد لینا محتمل ہے اور امر محتمل سے اصل کے خلاف حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کا حضرت سلیک کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دینا اور یہ پوچھنا کہ کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ مزید برآں لوگوں کو صدقے کا حکم دینا یہ اس تنگ وقت میں نہیں ہوسکتا جو دو خطبوں کے درمیان کا ہے کیوں کہ اس بیٹھنے کا زمانہ دراز نہیں ہوتا۔ رہی علامہ ابن حجر کی یہ تاویل کہ حضور اقدس کے خطبہ دینے کی حالت کو راوی نے مجازاً بیٹھنے کی حالت سے تعبیر کردی ہو۔ یہ تاویل بھی بعید ہے کیوں کہ مجاز کا ارتکاب حاجت یا ضرورت کے وقت کیا جاتا ہے اور یہاں لفظ قاعد کو اس کے معنی اصلی سے ہٹا کر معنی مجازی میں لینے کی نہ کوئی حاجت ہے نہ ضرورت، اس راوی کے قول (یخطب) (خطبہ دے رہے تھے) میں مجاز مراد لینا لفظ قاعد (بیٹھ کر) میں مجاز مراد لینے سے بہتر ہے۔

اس میں ایک دوسرے پہلو پر حضور صدر الشریعہ نے روشنی ڈالی ہے وہ یہ کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جن دو رکعتوں کی ادائیگی کے حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی (حضرت سلیک) کو دیا اس سے تحیۃ المسجد والی رکعت ونماز مراد نہیں۔ بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ قضا نماز مثلاً صبح کی نماز تھی۔ ابن المنیر نے اس احتمال کی تقویت میں یہ کہا کہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صحابی کی نماز صبح قضا ہونے کا کشف ہو چکا ہو، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نماز کی بابت پوچھنا بطور لطف اور خطاب میں نرمی کے لیے ہو۔ کیوں کہ اگر نماز سے مراد تحیۃ المسجد والی نماز ہوتی تو نماز سے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت سلیک غطفانی کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا (تو یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے تحیۃ المسجد والی نماز ابھی نہیں پڑھی تھی تو پھر اس کے متعلق پوچھنے کے کیا معنی؟)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں م کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس تاویل کو بایں طور رد کیا ہے کہ اگر یہ تحیۃ المسجد کی نہیں، قضا نماز کی بات ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار بطور تکرار انہیں نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے ابن حبان کی یہ بات یہ کہہ کر مسترد فرمادی کہ ابن حبان کی بات میں کوئی وزن نہیں کیوں کہ نماز کی ادائیگی کا مکرر حکم دینا یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن نماز کی ادائیگی کا حکم دے رہے ہیں وہ قضا نماز ہے، فرض کی قضا ہے کیوں کہ تکرار واجب ہی میں ہوتی ہے غیر واجب میں تکرار مستحسن نہیں۔ (کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار ج ۲۔ ص ۴۴۵)

حدیث کے الفاظ "قم فارکعهما" سے علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ نقطہ آفرینی کی کہ اس ارشاد سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ خطبہ ایسے شخص کے لیے نماز تحیۃ المسجد سے مانع نہیں جو ابھی مسجد میں داخل ہوا ہو۔ حضرت صدر الشریعہ نے اس پر یہ تعاقب نقل فرمایا: کہ یہ واقعۂ حال ہے جس کے لیے عموم نہیں ہوتا۔ تو ممکن ہے کہ یہ حضرت سلیک کے ساتھ خاص ہو اس احتمال کے باقوت ہونے پر حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث دلالت کررہی ہے جسے اصحاب سنن وغیرہم نے بایں طور تخریج کی ہے۔

"جاء رجل والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب. والرجل في هيئة بذة فقال له أصليت؟ قال: لا ،قال صلى ركعتين .وحض الناس على الصدقة (الحديث)

یعنی ایک شخص ایسے وقت میں حاضر ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے وہ شخص بڑی خراب ہیئت وحالت میں تھا تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا دو رکعت پڑھ لو اور آپ نے لوگوں کو صدقہ دینے کی تلقین فرمائی۔

پھر یہ کہ ابن حبان نے یہ حدیث تخریج کی تو اس کے آخر میں یہ ٹکڑا بھی نقل فرمایا: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک سے یہ بھی فرمایا "لاتعودن بمثل هذا" یعنی اس طرح عادت من بنالینا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت انہیں کے لیے تھی اور اسی دن تھی، تو نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا تا کہ کچھ لوگ اس صحابی کی حالت زار کو ان کے کھڑے ہونے پر دیکھ لیں اور اس پر صدقہ کریں اس کی تائید امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان هذا الرجل دخل المسجد فی هيئة بذة فامرته ان يصلی ركعتين وانا ارجو ان يفتن له رجل فيتصدق عليه".

یہ شخص مسجد میں بڑی خراب حالت میں داخل ہوا۔ تو میں نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اس امید پر کہ کوئی شخص اسے دیکھ کر اس کی حالت زار کو بھانپ جائے اور اس کو صدقہ دیدے۔

یہ حضرت سلیک کی خصوصیت تھی، حافظ ابن حجر نے اس پر کئی طرح سے نقض وارد کیا۔

(۱) اصل عدم خصوصیت ہے نہ کہ خصوصیت رہی یہ علت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر تصدق کا قصد فرمایا تو اس سے حالت خطبہ میں نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کی ممانعت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ مانعین جواز علت تصدق کی بنا پر نفل نماز کو جائز نہیں قرار دیتے۔ پھر دوسرے جمعہ میں نماز پڑھنے کے حکم کا اعادہ فرمانا باوجودیکہ اس صحابی کو دو کپڑے مل چکے تھے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کا حکم فرمانا تصدق کے قصد وارادہ میں منحصر نہیں، نیز امام احمد اور ابن حبان کی روایت میں یہ ہے کہ آپ نے تین جمعہ میں تین بار نماز کے حکم کی تکرار فرمائی تو یہ دلیل ہے اس بات کی اس صحابی پر تصدق کا قصد جزء علت ہے نہ کہ کامل علت۔ حضرت صدر الشریعہ۔ نے علامہ عینی کے حوالے سے قدرے تفصیل جو ان نقل فرمایا ہے ہم یہاں اس کا خلاصہ تحریر کررہے ہیں۔: ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اصل عدم خصوصیت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ خصوصیت پر قرینہ نہ اور یہاں خصوصیت پر قرینہ موجود ہے، قرینہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے جسے نسائی نے روایت کی ہے۔ اس کے کلمات مبارکہ یہ ہیں:

"جاء رجل يوم الجمعة ،والنبی صلى الله عليه وسلم يخطب هيئة بذة فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اصليت ؟قال لا،قال:صلى ركعتين وحض الناس على الصدقة .قال فالقوا ثيابا فاعطاه منها ثوبين ".فلما كانت الجمعة الثانية جاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب وحض الناس على الصدقة .قال:فالقى احد ثوبيه .

جمعہ کے دن ایک شخص شکستہ حالت میں آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے اسے دو رکعت............ (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

حضور صدر الشریعہ کا فقیہانہ و محدثانہ مقام

حاشیہ طحاوی "کشف الأستار" کے آئینے میں

از: مولانا شمشاد احمد مصباحی خادم الافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

حضور صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان مصنف بہار شریعت یوں تو تمام دینی واسلامی علوم وفنون میں گہری بصیرت رکھتے تھے، مگر فقہ وحدیث میں ان کی مہارت وقابلیت بے مثال تھی، سترہ جلدوں میں مسائل شرعیہ پر مشتمل ان کی تصنیف بہار شریعت، ہزاروں فقہی تحقیقات پر مشتمل چار جلدوں میں ان کا مجموعہ ''فتاویٰ امجدیہ'' ان کی فقہی بصیرت ومہارت پر روشن دلیل ہے۔ نیز بہار شریعت میں مذکور جملہ ابواب کے تحت سینکڑوں حدیثوں کا انتخاب واندراج اوران سے مسائل کا استناد، اور حاشیۂ طحاوی میں متن حدیث کی تشریح وتوضیح، متعارض حدیثوں میں تطبیق، اسمائے رجال پر مفصل بحث، حل لغات اور پھر ان تمام مراحل کے بعد متعدد حدیثوں کی روشنی میں فقہ حنفی کی تائید وترجیح ان کے بے مثال محدث ہونے کی دلیل ہے۔

حاشیہ طحاوی جلد دوم کی کچھ اوراق مجھے دیئے گئے تاکہ جلد دوم کے اس حصے پر بھی کچھ روشنی ڈالی جاسکے۔ مجھ جیسا کم علم اور بے بضاعت حضور صدر الشریعہ کے حاشیۂ طحاوی پر کیا روشنی ڈال سکتا ہے اور حاشیہ کے اوصاف وکمالات کو کس طرح بیان کر سکتا ہے؟ بس بارگاہ صدر الشریعہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی نیت سے یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں، گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

زیر مطالعہ اوراق دو ابواب پر مشتمل ہیں ایک "باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع أیرکع اولا یرکع" دوسرا باب: "باب الصلوۃ فی الثوب الواحد" قلتِ وقت کے سبب صرف پہلے باب کا مطالعہ کر سکا جس کے امتیازات وخصائص درج ذیل ہیں۔

(۱) باب سے متعلق جملہ اقوال ومذاہب کا احاطہ اور ان کے قائلین واصحاب کے ناموں کا بیان مع حوالہ۔

(۲) طحاوی شریف میں مذکور حدیثوں کے ماخذ ومراجع کی نشاندہی اور ان کے تعدد طرق کا بیان۔

(۳) متعارض حدیثوں میں تطبیق اور اس کا مفصل بیان۔

(۴) اگر کسی حدیث میں کوئی لفظ زیادہ ہے تو متعدد حدیثوں سے اس کی تائید وتوثیق اور سند کا بیان جبکہ وہ حدیث احناف کی مستدل ہو۔

(۵) احناف کی مستدل حدیثوں کے بعض راویوں پر تنقید کا بھرپور جواب اور حفاظ حدیث کے متعدد

بیانوں سے ان کی تعدیل۔

(۶) مشکل مقامات کی لغوی ونحوی تشریح۔

(۷) حدیث کی مفصل تشریح وتوضیح اور اس کے مفہوم ومعنی کا تفصیلی بیان۔

(۸) مذہب حنفی کی بھرپور تائید وترجیح اور مستدل حدیثوں کا بیان۔

(۹) حاشیہ میں نہایت صاف واضح اور شستہ زبان وبیان اور الفاظ وعبارت کا استعمال۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی خوبیوں پر یہ حاشیہ مشتمل ہے جس سے اس بات اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے محض رسمی حاشیہ کا کام نہیں کیا ہے بلکہ اس سے بہت اوپر اٹھکر ایک بالغ نظر مصنف اور باکمال شارح کی طرح شرح حدیث کے تمام تقاضوں کا پورا کیا ہے۔ اس لیے میری نظر میں حاشیہ طحاوی صرف حاشیہ نہیں، بلکہ طحاوی شریف کی ایک جامع اور مفصل شرح ہے۔ اب ذیل میں مذکورہ بالا دعواؤں سے متعلق کچھ نمونہ ومثال پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

فجر کی جماعت کی صورت میں سنت فجر پڑھنے کی کامل تحقیق:

باب مذکور سے متعلق تمام فقہاء ومحدثین کے اقوال کا احاطہ کرتے ہوئے حضور صدر الشریعہ اپنے حاشیہ میں رقمطراز ہیں:

قوله باب الرجل يدخل المسجد: إختلف فى هذه المسئلة على تسعة اقوال الاول: "الكراهة. وبه قال عمر بن الخطاب . وابوهريرة وعروة بن الزبير ومحمد ابن سيرين وابراهيم النخعى وعطاء بن ابى رباح وغيرهم". الثانى :" انه لا يجوز شئ من النوافل إذا كانت المكتوبة قد قامت من غير فرق بين ركعتى الفجر وغيرهما. قاله إبن عبدالبر فى التمهيد". الثالث: "انه لاباس بصلوة سنة الصبح. والامام فى الفريضة حكى إبن المنذر عن ابن مسعود ومسروق والحسن البصري ومجاهد ومكحول وحماد بن أبى سليمان وهو قول الحسن بن حى". والرابع:" التفرقة بين أن يكون فى المسجد او خارجه وبين أن يخاف فوت الركعة الأولىٰ مع الامام أو لا. وهو قول مالک. قال: إذا كان قد دخل المسجد فليدخل مع الإمام ولا يركعهما، وإن لم يدخل المسجد، فإن لم يخف أن يفوته الامام بركعة، فليركع خارج المسجد. وإن خاف تفوته الركعة الاولىٰ مع الامام فليدخل وليصل معه". والخامس:" أنه إن خشى فوت الركعتين معا وأنه لايدرک الامام قبل رفعه من الركوع فى الثانية دخل معه. والا فيركعهما خارج المسجد. ثم يدخل مع الامام. وهو قول ابى حنيفة وأصحابه كما حكاه ابن عبدالبر".

السادس: " أنه يركعهما فى المسجد الا ان يخاف فوت الركعة الأخيرة . وهو قول الاوزاعي وسعيد بن عبد العزيز. وحكاه النووى عن ابى حنيفة وأصحابه". السابع: "يركعهما فى المسجد وغيره إلا أن يخاف فوت الركعة. وهو قول سفيان الثورى حكى ذلک ابن عبدالبر" الثامن: " أنه يصليهما وان فاتته صلوة الامام اذا كانت الوقت واسعا. قاله ابن الجلاب من المالكية. التاسع: " أنه إذا سمع الاقامة لم يحل له الدخول فى ركعتى الفجر. ولا فى غيرهما من النوافل سواء كان فى المسجد أو خارجه فان فعل فقد عصىٰ. وهو قول اهل الظاهر.

حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تمام مذاہب واقوال اوران کے قائلین واصحاب کومفصلاً بیان کرنے کے بعد شرح حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں: پہلی حدیث جواس باب میں مذکور ہے وہ ابوہریرہ سے اس طرح مروی ہے: عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوة الا المكتوبة. حدیث کے پہلے حصے "إذا أقيمت الصلوٰة" پرحاشیہ لکھتے ہوئے پہلے اس کے مأخذ ومراجع کی نشاندہی فرماتے ہیں: قوله إذا أقيمت الصلوٰة الخ هذا الحديث اخرجه مسلم فى صحيحه واصحاب السنن وابن حبان____ پھرحدیث کے دوسرے حصے پرحاشیہ تحریرفرماتے ہیں: قوله الا المكتوبة: أى المفروضة يشمل الحاضرة والفائتة ولكن المراد الحاضرة كما يدل عليه رواية ابى سلمة عن ابى هريرة "فلا صلوة الا التى اقيمت لها" اس مقام پرامام ابوجعفرطحاوی نے ایک دوسری حدیث بھی جوابوہریرہ ہی سے مروی ہے:اس حدیث کوذکرکرنے کے بعداختلاف مذاہب کوبیان کرتے ہوئے فرمایاہے:

فذهب قوم إلى هذا الحديث فكرهوااللرجل إن يركع ركعتى الفجر فى المسجد والامام فى صلوة الفجر وخالفهم فى ذلک اخرون فقالوا لاباس بان يركعهما غير مخالط للصفوف مالم يخف فوت الركعتين مع الامام.

حضور صدرالشریعہ اس مقام پر "فذهب قوم" میں قوم سے کون حضرات مراد ہیں اس کاانکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قوله فذهب قوم الخ. منهم الشافعى واحمد واسحق وابوثور. وكذالک رُوِىَ ذالک عن ابن عمر وابى هريرة وسعيد ابن جبير وعروة وابن سيرين وابراهيم وعطاء "وخالفهم فى ذالک اخرون" پرحاشیہ لکھتے ہوئے قول اول کے مخالف تمام اقوال ومذاہب اوران کے قائلین واصحاب کومفصلاً بیان کرتے ہوئے تمام مباحث کااحاطہ فرماتے ہیں کہ حدیث "إذا أقيمت الصلاة فلا صلوة الا المكتوبة" سے سنت فجر مستثنیٰ ہے کیونکہ بعض روایتوں میں "لا تدعوهما وان طرد تكم الخيل" رواه ابو داود۔اوروہ بعض حدیثیں جن سے سنت فجر کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے اس کا جواب دیتے ہوئے حضور صدرالشریعہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث ابوہریرہ پرموقوف ہے۔مرفوعاً اس کی اصل ثابت نہیں، کیونکہ بہت سے حفاظ حدیث نے اسے ابوہریرہ سے موقوفاً بیان کیا ہے۔حضرت امام ابوجعفرطحاوی نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے

جس کی سند درج ذیل ہے:

"حدثنا ابوبكرة قال حدثنا ابوعمر الضريرى قال اخبرنا حماد ابن سلمة وحماد بن زيدعن عمر و ابن دينار عن عطاء ابن يسارعن ابى هريرة بذالک. ولم يرفعه فصار اصل هذا الحديث عن ابى هريرة لا عن النبى صلى الله عليه وسلم.

اس مقام پرحضور صدرالشریعہ نے مذہب حنفی کوقوت دیتے ہوئے مزید ایک حدیث مرفوع نقل کی ہے وہ یہ ہے:

روى البيهقى من طرق حجاج ابن نصير عن عباد ابن كثير عن ليث عن عطاء عن ابى هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أقيمت الصلوة فلا صلوٰة الا المكتوبة الا ركعتي الفجر.

اس حدیث میں سنت فجر کا صاف صاف استثناء ہے یعنی جب تک اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ دونوں رکعتیں چھوٹ جائیں گی اورامام کودوسری رکعت میں رکوع سے سراٹھانے سے پہلے نہ پاسکے گا توخاص اس صورت میں سنت فجر چھوڑکر جماعت میں شامل ہونے کی اجازت ہے ورنہ پہلے سنت فجر پڑھے پھر جماعت میں شامل ہواس حدیث کے آخری حصہ میں "الا ركعتى الفجر" پربعض محدثین نے تنقید کی ہے اورفرمایا کہ حدیث کا یہ حصہ ثابت نہیں اوراس زیادتی کی کوئی اصل نہیں کیونکہ جس حدیث میں یہ زائد حصہ وارد ہے اس کی سند میں دوایسے راوی ہیں جومحدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اوروہ راوی حجاج ابن نصیراورعباد ابن کثیر ہیں۔حضور صدرالشریعہ نے عینی کے حوالہ سے پہلے ان دونوں راویوں کی تعدیل ثابت کی تحریرفرماتے ہیں:

قال العينى قال يعقوب بن شيبة سالت ابن معين عن حجاج ابن نصير فقال صدوق وذكره ابن حبان في الثقات وعباد بن كثير كان من الصالحين.

پھرحضرت صدرالشریعہ نے ایک فیصلہ کن بحث تحریرفرماتے ہوئے یہ ثابت کردکھایا ہے کہ اس باب میں مذہب امام اعظم ابوحنیفہ نہایت قوی اوراحادیث صحیحہ کے عین مطابق ہے____ امام اعظم کا مسلک میرے مقالے میں پانچویں قول کے تحت مذکور ہے۔حضور صدرالشریعہ کا حاشیہ طحاوی حقیقت میں شرح معانی الآثار کی ایک مفصل شرح ہے۔اورصدرالشریعہ کی حیثیت "کشف الاستار" میں حاشیہ نگار کی کم اورشارح کی زیادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضور صدرالشریعہ ایک عظیم محدث وفقیہ اور ذمہ دارشارح کی طرح متن حدیث، رجال حدیث، اس کے مأخذ ومراجع، حل لغات ترکیب نحوی وغیرہ پرپوری بحث کی ہے ایسا نہیں کہ محض کسی مغلق اورپیچیدہ مقام پرحاشیہ لگاکرآگے بڑھ گئے ہیں بلکہ متعلقہ باب کی تمام احادیث کوسامنے رکھ کرایک فیصلہ کن بحث تحریرفرمائی ہے اورمذہب حنفی کی وکالت وترجمانی کا پوراپوراحق اداکیا ہے____ مثال کے طورپراسی باب میں ایک حدیث ہے:

"عن مالک ابن بحينة قال اقيمت صلوة الفجر فاتى رسول الله صلى الله عليه وسلم على رجل يصلى ركعتي الفجر فقام عليه ولاث به الناس فقال أتصليهااربعا ثلاث

مرات".
اس حدیث میں ہے أتی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی رجل "رجل سے کون صاحب مراد ہیں اس کی تعیین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله علی "رجل" الخ هذا الرجل هو عبدالله کما رواه احمد من طریق محمد ابن عبدالرحمن بن ثوبان عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم مربه وهو یصلی"____

واضح رہے کہ یہاں عبداللہ سے مراد عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ ہیں جس کی مفصل بحث حاشیہ میں موجود ہے اس حدیث میں "لاث به" کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله لاث به الناس الخ بالثا ء المثلثة الخفیفة ای دار. واحاط وقال ابن قتیبة"اصل اللوث الطی"ویقال:لاث عمامته ای ادارها ویقال فلان یلوث بی ای یلوذبی والمقصود ان الناس احاطوا به والتفوا حوله. والضمیر فی "به" یرجع الی الرجل.

حدیث مذکور میں "أتصلیها اربعا" آیا ہے۔ حضور صدر الشریعہ پہلے اختلاف روایت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقع فی روایة مسلم "عن حفص ابن عاصم عن عبدالله ابن مالک یوشک ان یصلی احذکم" الصبح اربعا" "وفی روایة اخری له" أتصلی الصبح اربعا ووقع فی روایة البخاري "الصبح اربعا الصبح اربعا"

پھر حضرت صدر الشریعہ "اربعا" کی ترکیب نحوی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله اربعا" منصوب علی الحال. قاله ابن مالک. وقال الکرمانی علی البدلیة، فیجوز ان یکون بدل الکل من الکل. لان الصبح صار فی معنی الأربع. و یجوز ان بکون بدل الکل من البعض لان الاربع ضعف صلوة الصبح. و یجوز ان یکون بدل الاشتمال، لأن الذی صلاها الرجل أربع رکعات فی المعنی____

مذکورہ بالا مثالوں سے صاف واضح ہے کہ حضور صدر الشریعہ جہاں ایک عظیم محدث تھے وہیں ایک زبردست فقیہ بھی تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ "کشف الاستار" میں حضور صدر الشریعہ کی حیثیت محشی کی کم اور شارح کی زیادہ ہے یہ تو چند مثالیں ہیں جو سرسری مطالعہ کے بعد منتخب کی گئی ہیں اگر گہری نظر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو اس قسم کی ہزاروں مثالیں جن سے حضور صدر الشریعہ کا فقیہانہ و محدثانہ مقام بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ بس انہی چند مثالوں پر اکتفاء کرتے ہوئے میں اپنے قلم کو روکتا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ حضور صدر الشریعہ کے علم کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمائے۔

آمین بجاه حبیبه سید المرسلین وعلی اله واصحابه اجمعین.

❖❖❖

حاشیہ طحاوی کا اجمالی تعارف

از: مولانا قاضی فضل احمد مصباحی بنارس

یوں تو دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو چند سال ایک بے مقصد زندگی گزارنے کے بعد مر جاتے ہیں اور دنیا کو اپنی موت وحیات کا مفہوم بتانے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی زندگی جاذب توجہ اور قابل رشک بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ہندوستان کی زمین بھی بڑی مردم خیز ہے۔ ایک سے ایک مردانِ کار اس سرزمین سے اٹھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے آفاق وانفس پر چھا گئے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی کو مسلک اہلسنت وجماعت کی حقانی قدروں کے تحفظ کے لیے منصب تجدید سے سرفراز فرمایا، آپ کی گراں قدر دینی وعلمی خدمات کا زمانہ شاہد ہے۔ عصر حاضر تحقیق وتدقیق کا دور ہے، اس تناظر میں جدید تحقیق یہ کہتی ہے کہ آپ کو ایک سو چودہ علوم وفنون میں مہارت حاصل تھی، جس پر ہزار سے زائد آپ کی گراں قدر تصنیفات شاہد عدل ہیں۔ آپ کے کارنامہ ہائے حیات کے گوشے اتنے وسیع ہیں کہ انہیں اجمالی طور پر بھی سمیٹنے کی گئی تو پندرہ جلدیں نکل آئیں۔ ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب نے پندرہ جلدوں میں آپ کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے۔ اس کے حرف آغاز میں لکھتے ہیں:

"آج ہماری ہمتیں اتنی پست ہیں کہ پندرہ مجلدات پر مشتمل امام احمد رضا کا سوانحی انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنا دشوار نظر آرہا ہے لیکن امام احمد رضا کی ہمت بلند کو مرحبا کہئے کہ انہوں نے صرف فتاویٰ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں مرتب کر ڈالیں اور ان کے حوصلہ کو حبذا کہئے کہ پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر ہزار سے زیادہ کتب ورسائل لکھ ڈالے، تحقیقی اور تاریخی نقطۂ نظر سے چودہویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں امام احمد رضا کی نظیر نہیں ملتی"۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تلامذہ اور خلفاء میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی سرفہرست ہیں آپ کی جلالت علمی کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ خود مجدد وقت نے آپ کے علمی فضل وکمال اور تفقہ فی الدین کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے۔

"آپ کے یہاں موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں، اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے"۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۹۳، مکتبہ مشرق بریلی شریف)

بہار شریعت حصہ سوم پر ان الفاظ کے ذریعہ تقریظ لکھی:

"فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والعلی مولانا ابو العلیٰ مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب

والمشرب والسکنی رزقہ اللہ تعالی فی الدارین الحسنی مطالعہ کیا، الحمد اللہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا"۔(بہارشریعت حصہ سوم ص ۱۸۷)

نواب صدر یار جنگ محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی جیسے قدیم وجدید علوم کے ماہر آپ کے علمی کمال کے قائل تھے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے نصاب کی تشکیل کے لے جو بورڈ بنایا گیا تھا حضرت صدر الشریعہ اس کے جلیل الشان رک تھے۔آپ نے ٹھوس علمی صلاحیت رکھنے والے کثیر تلامذہ پیدا کئے۔حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور آپ ہی کے چہیتے شاگرد اور خلیفہ تھے جن کے علمی فیضان سے آج پوری دنیا مالا مال ہے۔

صدر الشریعہ زبردست عالم دین، بے بدل صاحب تدریس اور بہترین مصنف اور بے مثل محدث بھی تھے۔فقہ میں بہارشریعت تمام ابواب فقہ کو جامع ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی افادیت میں ممتاز ہے۔اس کے علاوہ آپ کے مجموعۂ فتاوی "فتاویٰ امجدیہ" سے پوری دنیا فیض یاب ہوری ہے۔جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حضور صدر الشریعہ ایک عظیم محدث بھی تھے۔حدیث کی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" المعروف بہ طحاوی شریف پر ایک عمدہ، نفیس اور جامع حاشیہ حضرت صدر الشریعہ کے علمی شاہکاروں کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

"کشف الاستار" حاشیہ شرح معانی الآثار جلد ثانی ص ۴۸ تا ص ۱۰۷ ہی اس وقت مراروئے سخن ہے۔امام طحاوی نے جن احادیث کی تخریج کی ہے وہ یا اس کے ہم معنی حدیثیں "شرح معانی الآثار" کے علاوہ صحاح کی جن کتابوں میں مذکور ہیں، محشی علام نے تقریباً ان تمام روایتوں کو اسناد کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔اور اگر حدیث میں کوئی حکم یا ممانعت مذکور ہے تو عموماً اس حکم یا ممانعت کی نفیس توجیہ بھی بیان کردی گئی ہے۔ذیل میں مختلف مقامات سے مختلف اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں تاکہ حاشیہ کی اہمیت وخصوصیت واضح ہوکر سامنے آجائے۔

رکوع وسجود میں قراءت قرآن کی ممانعت کی تحقیق:

(۱) رکوع وسجود کی حالت میں قرأت قرآن کی ممانعت کے تعلق سے امام طحاوی نے یہ حدیث نقل کی۔

"عن علی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیت ان اقرأ وانا راکع او ساجد".

اس ممانعت کی وجہ ذکر کرتے ہوئے صدر الشریعہ ارشاد فرماتے ہیں:

"والحکمۃ فی نہیۃ عن قرأۃ القرآن راکعا اوساجدا ماقال الخطابی لما کان الرکوع والسجود وھما غایۃ الذیل والخضوع مخصوصین بالذکر والتسبیح نھٰی علیہ السلام عن القرأۃ فیھما کانہ کرہ ان یجمع بین کلام اللہ تعالیٰ وبین کلام الخلق فی موضع واحد فیکونان سواء ذکرہٗ الطیبي".

یعنی رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرأۃ قرآن سے ممانعت میں حکمت خطابی کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ

رکوع وسجود جو انتہائی انکساری اور خشوع وخضوع پر دلالت کرتے ہیں ان میں مخصوص ذکر وتسبیح ہیں تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ ایک ہی جگہ خالق ومخلوق دونوں کے کلام کو جمع کیا جائے اور دونوں برابر ہوجائے۔اس کے علاوہ اور توجیہات بھی بیان فرمائی ہیں۔

(۲) حدیث شریف میں ہے:

"أقرب ما یکون العبد الی اللہ عزوجل وھو ساجد فأکثروا الدعاء"

یعنی بندہ سجدہ کی حالت میں سب سے زیادہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوجاتا ہے تو سجدہ میں دعا کی کثرت کرو"۔

اس حدیث سے بعض اہل علم یہ استدلال کرتے ہیں کہ سجدہ، قیام اور نماز کے دوسرے ارکان سے افضل ہے۔بعض نے کہا طول قیام کثرت رکوع وسجود سے افضل ہے۔بعض نے کہا دن میں کثرت رکوع وسجود افضل ہے جبکہ رات میں طول قیام افضل ہے۔ان اختلافات کو نقل کرنے کے بعد محشی علام نے فرمایا ہمارے نزدیک طول قیام کثرت رکوع وسجود سے افضل ہے۔اولاً: طول قیام کی فضیلت پر حدیث ناطق ہے۔ثانیاً: قیام میں ذکر قرأت ہے جبکہ سجدہ میں ذکر تسبیح ہے، اور قرأت قرآن تسبیح سے افضل ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"وعندنا طول القیام افضل من کثرۃ الرکوع والسجود ای کثرۃ الرکعۃ لحدیث جابر فی صحیح مسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصلوٰۃ طول القنوت وجاء فی حدیث آخر افضل العبادات احمزھا ولان ذکر القیام القرأۃ وذکر السجود التسبیح والقرأۃ افضل ولان المنقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یطول القیام اکثر من تطویل السجود". (کشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۵۶)

(۳) حالت رکوع وسجود میں الفاظ ذکر معین ہیں___ یا ___ آدمی جو چاہے اپنی طرف سے دعا میں الفاظ استعمال کرے، اس باب میں حدیثیں مختلف ہیں۔امام طحاوی نے فرمایا کچھ اہل علم اسی بات کے قائل ہیں کہ رکوع وسجدہ میں آدمی جو چاہے دعا مانگے، اس کے لیے کوئی مخصوص وماثور دعاء ضروری نہیں ہے، جبکہ دوسرے اہل علم نے یہ فرمایا کہ رکوع وسجود میں مخصوص ذکر ہے۔رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ"___ امام طحاوی دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رکوع وسجود میں کسی بھی دعا وذکر کی اجازت پہلے تھی، مگر مرض وفات میں جو نماز آپ نے پڑھائی اس میں ارشاد فرمایا کہ "سبحان ربی العظیم" کو رکوع میں مخصوص کرلو، جبکہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کو سجدہ میں۔لہٰذا یہ حدیث ناسخ ہوئی، اور پہلے والا حکم (جو چاہے دعا کرے) منسوخ ہوگیا۔

اس پر محشی علام نے جو موقف اختیار کیا وہ نہایت ہی جامع اور نقص وایراد سے صحیح وسالم ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

جن حدیثوں میں رکوع وسجود میں مخصوص دعاء کا ذکر ہے وہ فرائض کے لیے ہے۔اور جن حدیثوں میں بندہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو چاہے دعا کرے وہ نوافل کے لیے ہے۔یا یہ کہ رکوع وسجود میں مخصوص ذکر کا حکم فرائض ونوافل دونوں کو عام ہے۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً بیان جواز کے لیے دوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی دعا مانگی۔ اور امام طحاوی کے دعویٰ نسخ پر یہ کہتے ہوئے عدم اطمینان کا اظہار فرمایا کہ اثبات نسخ بہت مشکل کام ہے۔ (اولاً) ناسخ کا متاخر ہونا ضروری ہے اور یہاں حدیث عقبہ بن عامر جہنی جس کو ناسخ بتایا جارہا ہے کسی بھی روایت سے اس کا تأخر ثابت نہیں ہورہا ہے (ثانیاً) دعویٰ نسخ کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ ناسخ و منسوخ میں تعارض و تنافی ہو، جبکہ یہاں باہم احادیث میں کوئی تنافی نہیں ہے، پھر دعویٰ نسخ کیوں کر درست ہوگا؟۔ چنانچہ رقمطراز ہیں۔

" اعلم ان الاذكار الواردة في الاحاديث فى الركوع والسجود كثيرة كما بينهُ المصنف رحمه الله بالبسط والتفصيل قال بعضهم المصلى بالخيار يذكر من هذه الاذكار ما احب واما عندنا معشر الحنفية فقال مشائخنا بان يقتصر فى الفرائض علىٰ "سبحان ربى العظيم وسبحان ربى الاعلىٰ" ثلثا او اكثر بعد ان يكون وتراً واما غيرهما من الاذكار الواردة فيقول فى صلوة التطوع ان شاء كما قال صاحب الهداية فى بيان الاستفتاح وماروٰه محمول على التشهداى فى النوافل مطلقا او يقال انه صلى الله عليه وسلم فعل احياناً لبيان الجواز واما مسلک النسخ الذى سلكهُ المصنف رحمه الله فاثباته عسير جداً اما اولا فلا بد من ان يكون الناسخ متاخر عن المنسوخ وحديث عقبة بن عامر الجهنى رضى الله عنه لا يثبت تأخره باحد من الروايات واما ثانيا فلابد للنسخ ان يكون بين الناسخ والمنسوخ تعارض وتناف وهذه الاحاديث لا تنافى بينهما فكيف يقال بالنسخ". (كشف الاستار ج۲ ص ۶۱)

(۴) قعدہ میں تشہد واجب ہے اور تشہد میں وہ الفاظ پڑھنا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، سنت ہے، اور خاص خور پر حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے جو الفاظ منقول ہیں، انھیں پڑھنا اولیٰ ہے ___ فقہ حنفی کے عظیم محقق علامہ ابن نجیم مصری حنفی نے اس موقع سے فرمایا: "حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد کے الفاظ پڑھنا واجب ہے، اس لیے کہ فقہائے کرام نے تشہد کو واجب قرار دیا ہے۔ اس پر محشی علام نے یہ کہہ کر تأمل کا اظہار فرمایا کہ فقہائے کرام کے اس فرمان کا کہ "تشہد واجب ہے" مطلب یہ ہے کہ مطلق تشہد واجب ہے نہ یہ کہ خاص حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد۔ ہاں البتہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد باقی ان تمام تشہدات سے جو اس باب میں منقول ہیں اولیٰ وارجح ہے۔ امام طحاوی کے کلام کا ظاہر بھی یہی بتا رہا ہے کہ آدمی اس وقت گنہگار ہوگا جب وہ احادیث میں منقول تشہد نہ پڑھے۔ ایسا نہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کا تشہد نہ پڑھنے سے گنہگار ہوگا۔ چنانچہ وہ ان الفاظ کے ذریعہ ارشاد فرماتے ہیں۔

" حاصل كلامه هذا ان المصلى يتشهد بما جاء ت به الاحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه ولا يخالفه فلو تشهد من عند نفسه تشهداً يخالف لفظه لفظ

المنقول كا مسيًا ولو كان الاخذ بتشهد ابن مسعود رضي الله عنه اولىٰ من تشهدات آخر لان حديثه اصح احاديث التشهد بخلاف غيره، واما ماقال فى البحر ان الاخذ بتشهد ابن مسعود رضى الله عنه واجب لانه جعلوا التشهد واجبا وعينوه فى تشهد ابن مسعود رضى الله عنه ففيه تأمل لان قولهم التشهد واجب معناه مطلق ان مطلق التشهد واجب واما تعيينهم تشهد ابن مسعود فمرادهم ان هذا التشهد اولى وارجح على سائر التشهدات لا ان عينه واجب وظاهر كلام الطحاوى رحمه الله ان الاساءة بمخالفة لفظ التشهد المروى لا بخصوصية تشهد ابن مسعود رضى الله عنه".

(كشف الاستار عن شرح معانى الآثار ج۲ ص ۶۲، ۶۳)

کیا امام تسمیع کے بعد تحمید بجالائے گا؟:

(۵) امام تسمیع کے بعد تحمید کے الفاظ بھی بجالائے گا یا نہیں، اس سلسلہ میں امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک صرف تسمیع کے الفاظ ادا کرے گا، جبکہ صاحبین کے نزدیک تسمیع کے بعد تحمید یعنی "ربنا لک الحمد" کہے گا۔ صاحبین کے مذہب کو احادیث سے ثابت کرنے کے بعد امام طحاوی نے دلیل عقلی بھی پیش کی ہے کہ فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) تسمیع و تحمید دونوں بجالائے گا۔ تو اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ امام کا حکم منفرد کی طرح ہے یا نہیں؟ تو وہ ہم نے پایا کہ امام اپنی ہر نماز میں تکبیر، قرأت، قیام، قعود، تشہد، منفرد کی طرح ادا کرتا ہے، جن چیزوں سے منفرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے ان چیزوں سے امام کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے جن چیزوں کی وجہ سے منفرد پر سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ان ہی چیزوں کی وجہ سے امام پر بھی سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، تو امام اور منفرد ان احکام میں برابر ہوئے ___ اور جب باتفاق فقہاء یہ ثابت ہوگیا کہ منفرد "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد "ربنا ولک الحمد" بھی کہے گا تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ امام بھی "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد "ربنا ولک الحمد" کہے گا۔ امام طحاوی کی بیان کردہ اس عقلی دلیل پر محشی علام نے فرمایا کہ منفرد کے تعلق سے یہ کہنا کہ وہ تسمیع و تحمید دونوں بجالائے گا، اور فقہائے کرام کا اسی بات پر اجماع ہے، یہ بات خلاف واقع ہے، اس لیے کہ منفرد کے سلسلہ میں علما کے تین اقوال ہیں (۱) صرف تسمیع کے الفاظ ادا کرے گا (۲) تسمیع و تحمید دونوں بجالائے گا (۳) صرف تحمید کے الفاظ بجالائے گا۔ جب علماء کے اقوال منفرد کے حق میں مختلف ہیں تو علماء کے مابین اتفاق کہاں ہوا، پھر دعویٰ اجماع کیوں کر درست ہوگا؟ پھر امام طحاوی کی دلیل عقلی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ حکم دیا جائے کہ امام تسمیع کے بعد تحمید کے الفاظ بھی بجالائے گا تو امام جو متبوع ہے اسے تابع بنانا لازم آئے گا اور مقتدی جو تابع ہے اسے متبوع بنانا لازم آئے گا، حالانکہ نماز کے تمام ارکان وافعال میں مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے، لہٰذا منفرد کے حال پر قیاس کرتے ہوئے امام کے لیے تسمیع و تحمید دونوں کا حکم لگانا درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ محشی علام رقمطراز ہیں۔

" وقد عرفت ان المنفرد فيه ثلثة أقوال بل ليس فيه اتفاق بين العلماء فضلا عن

الاجماع فاذاكان كذلک فكيف يقاس عليه حال الامام ؟ قال فی البدائع وان كان منفرداً فانه ياتی بالتسميع فی ظاهر الرواية وكذا ياتی بالتحميد عندهم وعن ابی حنيفة روايتان روى المعلىٰ عن ابی یوسف عن ابی حنيفة انه يأتی بالتسميع دون التحميد واليه ذهب الشيخ الامام ابو القاسم الصفار والشيخ ابو بكر الاعمش وروى الحسن عن ابی حنيفة انه يجمع بينهماوذكر فی بعض النوادر عنه ان يأتی بالتحميد لا غير واما الجواب عن النظر الذی ذكره المصنف رحمه الله فقد ذكره صاحب البدائع بان ايتان التحميد من الامام يؤدی الی جعل التابع متبوعاً والمتبوع تابعا وهذا لايجوز بيان ذلک ان الذكر يقارن الانتقال فاذا قال الامام مقارناً للانتقال "سمع الله لمن حمده" يقول المقتدی مقارنا له " ربنا ولک الحمد" فلو قال الامام بعد ذلک لوقع قوله بعد قول المقتدی فينقلب المتبوع تابعا والتابع متبوعًا ومراعاة التبعية فی جميع اجزاء الصلوٰة واجبة بقدر الامكان وقوله الامام منفرد فی حق نفسه مسلم لكن المنفرد لايجمع بين الذكرين علیٰ احدى الروايتين عن ابی حنيفة ولان ماذكرنا من معنى التبعية لا يتحقق فی المنفرد فبطل الاستدلال". (كشف الاستار ج۲ ص۷٦)

سندحدیث پرکلام کی ایک مثال:

(٦) اسماء الرجال اوران کے احوال وکوائف پر محشی علام کی نظر کتنی گہری اور وسیع تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام طحاوی نے حضرت انس بن مالک سے ایک حدیث نقل کی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا حضرت ابوبکر صدیق کو بھی ہمیشہ قنوت پڑھتے پایا، اسی طرح حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی توان کو بھی ہمیشہ قنوت پڑھتے پایا۔اس حدیث کی روایت میں عمرو بن عبید نام کے ایک راوی ہیں جوحضرت حسن بصری سے روایت اوراخذ حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں۔ان کے تعلق سے محشی علام نے فرمایا کہ عمر بن عبید متروک الحدیث اور بدعتی ہیں، ایسا ہی عمرو بن علی نے فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یحییٰ بن سعید ان سے روایت حدیث کرتے تھے پھر اخذ حدیث ترک فرمادیا، اور نیز یہ فرمایا امام یحییٰ اور عبدالرحمن ان سے روایت حدیث نہیں کرتے، اور ابوحاتم نے فرمایا کہ عمرو بن عبید متروک الحدیث ہیں امام نسائی نے فرمایا کہ وہ نہ تو ثقہ ہیں اور نہ ان کی حدیث لکھے جانے کے قابل۔اور میمون نے امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے کہا کہ وہ اس بات کے اہل نہیں کہ ان سے روایت حدیث کی جائے۔اور ابوداود طیالسی نے شعبہ سے اور شعبہ نے یونس بن عبید سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ عمرو بن عبید روایت حدیث میں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، اور عفان نے حماد بن سلمہ سے وہ حمید سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان سے کچھ روایت نہ کرو کہ وہ حسن بصری کے حوالہ سے جھوٹی باتیں کہتے ہیں اور یہی بات ابن عون نے بھی کہا، اور معاذ نے کہا میں نے عوف سے کہا کہ عمرو بن عبید نے ہم سے حضرت حسن بصری کے حوالہ سے ایسی بات بیان کی تو انہوں نے کہا بخدا عمرو بن عبید نے جھوٹ کہا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"عمرو بن عبيد هذا متروک الحديث صاحب بدعة كذا قاله عمرو بن علی وقال ايضا وكان يحیٰ بن سعيد يحدث عنه ثم تركه وقال ايضا كان يحیٰ وعبدالرحمن لا يحدثان عنه وقال ابو حاتم متروک الحديث وقال النسائی ليس بثقة ولا يكتب حديثه وقال الميمون عن احمد بن حنبل ليس باهل ان يحدث عنه وقال ابو داود الطيالسی عن شعبة عن يونس بن عبيد كان عمرو بن عبيد يكذب فی الحديث وقال عفان عن حماد بن سلمة عن حميد لا تأخذ عن هذا شيًا يكذب علی الحسن وقال ابن عون عمرو بن عبيد يكذب علی الحسن وقال معاذ قلت لعوف ان عمرو بن عبيد حدثنا عن الحسن بكذا قال كذب والله عمرو وقال همام عن مطر والله ما اصدق عمرو فی شئ".

(كشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج۲ ص۸۴)

(٧) فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا حکم اب باقی ہے یا نہیں۔اس سلسلہ میں امام طحاوی نے فرمایا کہ مسلمانوں کو آفت ناگہانی کا سامنا ہو یا نہ ہو، جنگ کی حالت ہو یا نہ ہو، اب نماز فجر میں قنوت کا حکم نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

" فثبت بما ذكرنا انه لا ينبغی القنوت فی الفجر فی حال الحرب ولا غيره ، قياساً ونظراً علی ما ذكرنا من ذلک". (شرح معانی الآثار ج۲ ص۱۰۷)

اسی پر محشی علام نے فرمایا کہ یہاں امام طحاوی کی رائے تو اسی بات پر جمی ہوئی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ کتب مذہب میں بکثرت انہیں سے منقول ہے کہ اگر کوئی فتنہ یا بلوی ہو تو نماز فجر کے وقت قنوت میں کوئی حرج نہیں ـــــ بظاہر امام طحاوی کی دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔لہٰذا یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں مصنف نے جو کچھ کہا وہ نفی وجوب پر محمول ہے کہ اب قنوت نازلہ واجب نہیں رہا ـــــ اس طرح ان کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں رہ جائے گا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

" قوله في حال الحرب ولا فی غيره هذا ما استقر عليه رأيه ههنا وقد تظافرت النقول عنه في كتب المذهب كالغنية والملتقط والسراج الوهاج والاشباه وفتح الله المعين وردالمحتار وغيرها انه قال انما لا يقنت عندنا فی صلوة الفجر من غير بلية فان وقعت فتنة او بلية فلا بأس به الخ فعلم انه فی كتاب آخر لهٗ رحمه الله تعالیٰ والذی قاله ههنا انما حط فيه كلماه علی نفی الوجوب حيث قال انتفیٰ ان يكون يجب لمعنی سوی ذلک والله تعالیٰ اعلم اهـ هذا ماافاده شيخنا المجدد رحمه الله تعالی فی حاشيته علی هذا الكتاب". (كشف الاستار عن شرح معانی الآثار ج۲ ص۱۰٦)

مختلف مقامات سے یہ چند نظیریں تھیں۔ پوری کتاب اس طرح کے رموز ونکات اور علمی وفنی معلومات سے بھری پڑی ہے۔اس کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ اور "شرح معانی الآثار" کو مکمل طور پر سمجھنے میں کافی ووافی مدد ملتی ہے۔ پروردگار عالم سے دعا ہے کہ اس کتاب سے تمام اہل علم کو مستفید ومستفیض ہونے کا موقع فراہم کرے آمین۔

صدرالشریعہ اور ائمہ احناف پر اعتراضات کا تجزیہ

تحریر: مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ کشف الاستار علمی مباحث کا خزینہ ہے۔ جس میں حنفی مذہب کی تنقیح وتوضیح کی گئی ہے۔ اس کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔ اور اس پر اعتراضات کرنے والوں کے جوابات دیے گئے ہیں۔ جو کشف الاستار کے صفحات پر جابجا موجود ہیں۔ ہم ذیل میں بطور مثال حضرت کی چند بحثوں کا ذکر کرتے ہیں، جن میں آپ نے معترضین کے اعتراضات کا بڑا تحقیقی جواب دیا ہے۔

قراءت خلف الامام کی بحث:

قراءت خلف الامام کا مسئلہ فقہاء ومحدثین کے مابین ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ اس بارے میں امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ امام کے پیچھے بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے، مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن پاک کی قراءت ناجائز وممنوع ہے۔ ائمہ کرام اور علمائے اعلام نے اپنے اپنے موقف پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہوئے خوب تفصیل سے لکھا ہے اور دادِ تحقیق دی ہے۔ امام طحاوی نے بھی اس مسئلہ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ اور اس کے لیے ایک باب "باب القراءۃ خلف الامام" مقرر فرمایا، اور روایت ودرایت کے حوالے سے حق تحقیق ادا فرمایا ہے۔ امام طحاوی نے اس باب میں "قراءۃ خلف الامام" کی ممانعت میں متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کا ترکِ قراءت خلف الامام پر اجماع نقل کیا ہے، اور فرمایا "**فهؤلاء جماعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أجمعوا على ترك القراءة خلف الامام**"۔ امام طحاوی کی اس عبارت پر حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ لگایا، جس میں آپ نے مزید اپنی تحقیقات کے جواہر پارے بکھیرے ہیں۔ اولاً تو آپ نے عمدۃ القاری سے علامہ عینی کی عبارت نقل کی، جس کا مفاد یہ ہے کہ قراءۃ خلف الامام کی ممانعت اسی صحابہ کرام سے مروی ہے، جن میں خلفائے راشدین، عبادلۂ ثلاثہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے اسماء شامل ہیں، پھر علامہ عینی کی مزید مرویات نقل فرمائی جو اس ممانعت میں وارد ہیں۔ پھر امام زیلعی کے حوالے سے امام بخاری کا رسالہ "قراءۃ خلف الامام" کا خلاصہ نقل فرمایا، جس میں امام بخاری نے قراءت خلف الامام کی حمایت میں دلائل ذکر کیے ہیں، اور مانعین (احناف) پر شدید اشکالات واعتراضات وارد کیے ہیں۔ حضور صدرالشریعہ نے امام زیلعی کے حوالے سے امام بخاری کے اشکالات لکھنے کے بعد فرمایا: کہ امام زیلعی نے ان کے جوابات نہیں دیے، پھر حضور صدرالشریعہ نے خود ہی ان کے جوابات بالتفصیل دیے ہیں۔

ہم امام بخاری کے ایرادات اور حضور صدرالشریعہ کے جوابات کا خلاصہ آسان الفاظ میں درج کرتے ہیں، جسے اصل

عبارت کا شوق ہو وہ حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے حاشیہ کا "باب القراءۃ خلف الامام" کا مطالعہ کرے۔

امام بخاری کا پہلا اعتراض:

امام ابوحنیفہ نے آیت کریمہ "**اِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ**" (یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔) سے جو استدلال کیا ہے وہ "ثنا" سے منقوض ہے، حالانکہ ثنا تطوع (سنت) ہے اور قراءت فرض ہے، تو فرض ترک کر کے انصات واجب قرار دیا ہے اور سنت ترک کر کے انصات واجب نہیں قرار دیا۔ (یعنی امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے، مگر اس کی ثنا مقتدی کے لیے کافی نہیں، بلکہ امام کے ثنا پڑھنے کے باوجود مقتدی کو بھی ثنا پڑھنا ہے) اس سے تو لازم آتا ہے کہ ان کے نزدیک فرض کا درجہ سنت سے کم ہے۔

حضرت صدرالشریعہ کا جواب:

استماع (کان لگانا) وانصات (خاموش رہنا) سے استدلال پر "ثنا" سے نقض وارد کرنے میں تدبر سے کام نہیں لیا گیا۔ اس لیے کہ استماع وانصات کا حکم تو قراءت قرآن کے وقت ہے، حکم الٰہی ہے: "**اِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا**" اور ثنا تو قرآن نہیں، لہٰذا ثنا کے وقت انصات کیسے واجب ہوگا؟۔ اور امام بخاری کا یہ کہنا "**فاوجب عليه الانصات بترك فرض**" امام ابوحنیفہ نے ترک فرض کر کے انصات واجب قرار دیا ہے، یہی تو نزاع ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک مقتدی پر قراءت فرض ہی نہیں، اور مقتدی کے لیے قراءت تسلیم بھی کر لیں تو اس کے لیے جو فرض ہوگی وہ قراءت حکمی ہوگی، جو منافی انصات نہیں۔ تو ترکِ فرض کر کے انصات نہ ہوا۔ رہا امام بخاری کا یہ کہنا کہ 'فرض کا درجہ نفل سے کم ہونا لازم آتا ہے' درست نہیں، کیونکہ نہ ہم نے فرض کو ترک کیا نہ تطوع کو، یہ نتیجہ مقدمہ باطلہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ آپ قراءت کرتے ہیں اور انصات کے حکم پر عمل نہیں کرتے تو فرضِ انصات کے تارک آپ ہوئے۔

امام بخاری کا دوسرا اعتراض:

احناف کا یہ جزئیہ کہ امام فجر کی پہلی رکعت میں قراءت کر رہا ہے اور اس دوران ایک نمازی آیا جس نے سنت فجر نہ ادا کی ہو تو پہلے دو رکعت تنہا سنت فجر ادا کرے گا، پھر جماعت میں شامل ہوگا۔ تو پہلی رکعت کی قراءت کے دوران جب وہ اپنی نماز پڑھنے لگا تو اس نے امام کی قراءت کا استماع وانصات تو نہ کیا۔؟

حضرت صدرالشریعہ کا جواب:

فجر کی جماعت کے دوران سنت پڑھنے کے جزئیہ سے اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا، کیونکہ نمازی پر انصات اُس وقت واجب ہے جب وہ کسی کی اقتدا میں نماز ادا کر رہا ہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے استماع وانصات کو امام کی قراءت سے متعلق فرمایا ہے، ارشاد ہے: **انما جعل الامام ليؤتم به فاذا قرأ فانصتوا**"۔ اگر کسی شخص کی بھی قراءت پر انصات واجب ہوتا تو واجب ہوتا کہ جب بھی کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو اس وقت کوئی دوسرا شخص نماز نہ پڑھے۔ حالانکہ صحابہ کرام بیک وقت تنہا تنہا بھی مسجد نبوی شریف میں نماز ادا فرماتے تھے۔ تو جو شخص فجر کی جماعت کے دوران فجر کی سنت ادا کر رہا ہے فجر کا امام اس کا امام نہیں۔

تو اُس کی قراءت سے اِس نمازی پر انصات کیسے واجب ہوگا؟۔

امام بخاری کا تیسرا اعتراض:

دن کی نمازوں میں جب کہ امام سرّی قراءت کر رہا ہو تو (احناف سے) سوال ہے کہ مقتدی قراءت کرے گا یا نہیں؟ اگر کہو: قراءت نہیں کرے گا، تو تمہارا دعویٰ باطل ہوگیا، کہ تم استماع کے قائل تھے اور استماع تو جہری قراءت کا ہی ہوسکتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

آیت کریمہ میں حکم دو ہے، استماع کا اور انصات کا۔ تو جہری قراءت میں استماع وانصات دونوں واجب ہیں۔ اور سرّی قراءت میں صرف انصات واجب ہے۔ کیونکہ سرّی قراءت کے استماع پر قادر نہیں، مگر انصات پر تو قادر ہے۔

امام بخاری کا چوتھا اعتراض:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت کریمہ میں استماع وانصات کا حکم خطبہ کے لیے ہے۔ اور اگر نماز کی تلاوت کے لیے ہو تو ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت امام کے سکوت کے وقت کرے گا، تا کہ استماع وانصات کے حکم سے ٹکراؤ نہ ہو۔ اور یہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو بار سکتہ فرماتے تھے، پہلا تکبیر کے وقت، دوسرا قراءت سے فارغ ہو کر۔ امام کے سکوت کے دوران ہی سہی مگر مقتدی کی قراءت اس لیے ضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لاصلاة الا بفاتحة الكتاب" سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ اور امام کی قراءت کے دوران خاموش رہنا آیت مذکورہ کی بنا پر۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

سکتات امام کے دوران قراءت کرنے کی جہاں تک بات ہے تو اس پر عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آیت مذکورہ سے دوران قراءتِ نماز استماع وانصات واجب نہیں، اور حدیث "من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة" آپ کے نزدیک ثابت نہیں، پھر آپ کو سکتات امام کی کیا ضرورت؟ کہ آپ اس دوران قراءت کریں؟ اور جس حدیث پاک میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے فارغ ہو کر سکتہ فرماتے تھے، تو یہ سکتہ مقتدیوں کی قراءت کے لیے تو متعین نہ تھا، بلکہ امام کے استراحت کے لیے تھا، تو ہوسکتا ہے کہ امام سکتہ نہ کرے، پھر آپ فرض قراءت کیسے کریں گے؟ یہ بھی ممکن ہے کہ امام مختصر سکتہ کرے جو پوری سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لیے کافی نہ ہو، پھر سورۂ فاتحہ کیسے پڑھیں گے؟ جو آپ کے نزدیک مقتدیوں پر بھی فرض ہے۔ اور اگر امام نے اتنا لمبا وقفہ کیا کہ اس کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور امام اتنی دیر تک ان کا انتظار کرتا رہے تو اس میں صریح قلبِ موضوع ہے، اس لیے کہ امام تو اس لیے ہے کہ مقتدی اُس کی اقتدا کریں، نہ اِس لیے کہ وہ خود مقتدیوں کی اقتدا کرے۔ رہی حدیث پاک "لاصلاة الا بفاتحة الكتاب" تو وہ تو امام اور منفرد کے لیے ہے، رہا مقتدی، تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ امام کی قراءت اس کے لیے بھی قراءت ہے۔ "من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة"۔

امام بخاری کا پانچواں اعتراض:

اہل علم اور خود احناف کا اجماع ہے کہ امام مقتدیوں کے فرض کا متحمل نہیں ہوتا، پھر آپ کہتے ہیں کہ امام مقتدیوں کے اِس فرض (قراءت) کا متحمل ہے۔ حالانکہ آپ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام مقتدیوں کی طرف سے کسی سنت کا متحمل نہیں ہوتا، مثلاً: ثنا وتسبیح وغیرہ۔ اس سے بھی لازم آیا کہ فرض کا درجہ آپ کے نزدیک تطوع (سنت) سے کم ہے۔

حضرت صدر الشریعہ کا جواب:

یہ درست ہے کہ امام مقتدیوں کے فرائض کا متحمل نہیں ہوتا، لیکن امام مقتدیوں کے اِس فرض (قراءت) کا متحمل ہوتا ہے، کیونکہ اس کا متحمل ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ "من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة"۔ رہا ثنا وتسبیح وغیرہ وظائف واذکار میں امام کا مقتدیوں کے وظائف کا متحمل نہ ہونا، تو چونکہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں جو ثنا وتسبیح وغیرہ کے وقت بھی مقتدیوں کا سکوت واجب قرار دیتی ہو، اس لیے مقتدیوں کے لیے امام کی قراءت تو کافی ہے، لیکن امام کی ثنا اور تسبیح انھیں کفایت نہ کرے گی، بلکہ انھیں خود بھی پڑھنی ہوگی۔

منی کی طہارت ونجاست کا مسئلہ:

منی پاک ہے یا ناپاک،؟ یہ بھی ایک بحث کا موضوع ہے۔ امام شافعی کے نزدیک منی پاک ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے۔ شوافع نے منی کی طہارت پر اُن روایات سے استدلال کیا ہے جن میں ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اسے رگڑ دیتی تھیں۔ امام طحاوی نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی ان مرویات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: "لاحجة لكم في هذه الآثار لانها انما جاء ت في ذكر ثياب ينام فيها ولم تات في ثياب يصلي فيها، یعنی ان روایات میں شوافع کے لیے دلیل نہیں، کیونکہ یہ ان کپڑوں کے بارے میں ہے جس میں آپ سوتے تھے، نہ کہ نماز کے کپڑوں کے بارے میں۔ اور نجس کپڑے میں سونے کا وہ معاملہ نہیں جو نجس کپڑے میں نماز پڑھنے کا ہے۔

اس پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ لگایا اور امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا ایک اعتراض اور علامہ عینی کا جواب نقل کیا۔ حافظ ابن حجر نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ امام طحاوی کا یہ قول درست نہیں کہ 'منی کا رگڑنا نماز کے کپڑے سے نہ تھا۔ کیونکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "لقد رأيتني افركه من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم فركا فيصلي فيه" یعنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اسے رگڑ کر دور کر دیتی تھی تو آپ اس میں نماز پڑھتے تھے۔ "فيصلي فيه" میں 'فا' برائے تعقیب ہے، جس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس کپڑے سے منی رگڑ دیتی تھیں پھر آپ اسی میں نماز پڑھتے تھے۔ اور فا برائے تعقیب میں اس قدر گنجائش نہیں کہ رگڑنے اور نماز پڑھنے کے مابین اتنا وقفہ ہو کہ اسے دھل دیا گیا ہو۔

علامہ عینی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ یہ استدلال فاسد ہے، کیونکہ فا برائے تعقیب کا ہونا تخللِ غسل (اسی دوران دھونے) کے منافی نہیں۔ کہا جاتا ہے: تزوج فلان فولد له" فلاں نے شادی کی تو اس کی اولاد ہوئی۔ حالانکہ شادی اور

ولادت کے مابین مدتِ حمل ایک دراز مدت ہوتی ہے۔ یو ہیں ہوسکتا ہے ام المومنین کا مقصد یہ ہو کہ اس وقت سونے والے کپڑے سے منی رگڑ دیتی تھیں، بعد میں دھو دیتی تھیں، تو اسی میں آپ نماز ادا فرماتے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ 'فا' 'ثم' کے معنی میں ہو۔ اور اس کی تائید طحاوی کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں "ثم یصلی فیه" ہے۔ اتنا ذکر کرنے کے بعد حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیق پیش فرمائی، فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کے دوسرے اعتراض کا علامہ عینی نے جواب نہ دیا، تو ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

<u>علامہ ابن حجر کا اعتراض:</u>

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر دوسرا اعتراض یہ کیا: اگر ان روایات میں بقول امام طحاوی منی کی طہارت پر کوئی دلیل نہیں، تو منی کی نجاست پر بھی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ دیگر روایات میں اسی قدر ہے کہ آپ کے کپڑے سے منی کو دھویا گیا، اور دھونا ایک فعل ہے، جس سے دھونے کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ تو کیسے ثابت ہوگا کہ منی نجس ہے؟۔

<u>حضرت صدرالشریعہ کا جواب:</u>

امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر یہ اعتراض درست نہیں، کیونکہ منی کی طہارت کے قائلین نے جب احادیثِ باب سے منی کی طہارت پر استدلال کیا ہے تو امام طحاوی نے اس استدلال پر منع وارد کرتے ہوئے فرمایا "لاحجة لکم فی هذه الآثار الخ" اور مانع کے لیے تو صرف احتمال کافی ہے، کہ احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے، اور امام طحاوی نے وہ احتمال پیش کر دیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ کپڑے سونے کے کپڑے رہے ہوں، نہ کہ نماز کے۔ پھر منی کی طہارت پر کیسے استدلال ہوگا؟ تو امام طحاوی نے منع وارد کر کے سندِ منع پیش کر دیا ہے، اب آپ کے ذمہ ہے کہ مقدمہ ممنوعہ ثابت کریں، آپ کا یہ منصب نہیں کہ منع پر منع وارد کریں۔

<u>حضرت صدرالشریعہ کا دوسرا جواب:</u>

آپ کے بقول اگر منی پاک ہوتی تو بیانِ جواز کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے کبھی اپنے کپڑے پر چھوڑ دیتے اور اسی میں نماز ادا فرماتے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار بھی منی کے کپڑے میں نماز پڑھنا ثابت نہیں جب تک کہ اسے دھل نہ دیا گیا ہو یا رگڑ کر منی زائل نہ کر دی گئی ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے۔ (کشف الاستار ۱/۱۱۰)

<u>اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟</u>

آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، باقی ائمہ کرام کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلہ کے بیان میں محشی نے علامہ نووی کی ایک جامع عبارت نقل فرمائی، جس کا مفاد یہ ہے کہ جمہور صحابہ و تابعین وائمہ مجتہدین اس سے نقضِ وضو کے قائل نہیں۔ لیکن امام احمد، حضرت اسحٰق بن راہویہ اور جمہور محدثین نقضِ وضو کے قائل ہیں۔ نقضِ وضو کے قائلین جابر بن سمرہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا گائے کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ فرمایا: چاہو تو کرو، چاہو تو نہ کرو۔ پھر پوچھا: اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ فرمایا: ہاں وضو کرو۔ جمہور نے اس حدیث کے جواب میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت پیش کی ہے کہ "کان آخر الامرین من

رسول الله صلی الله علیه وسلم ترک الوضوء مما مست النار"۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہ کرنا تھا۔

<u>امام نووی کی رائے:</u>

اس قدر بیان کے بعد امام نووی نے اس پر یہ تبصرہ کیا کہ جابر بن عبداللہ کی حدیث عام ہے اور جابر بن سمرہ کی حدیث خاص ہے، اور خاص کو عام پر تقدم حاصل ہے۔ گویا امام نووی نے اونٹ کے گوشت سے نقضِ وضو کے موقف کو ترجیح دینے کی کوشش کی ہے۔

<u>امام نووی کی رائے پر صدرالشریعہ کا ایراد:</u>

امام نووی کی عبارت نقل کرنے کے بعد حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: امام نووی کا جابر بن سمرہ کی روایت کو خاص اور جابر بن عبداللہ کی روایت کو عام قرار دینا، اس سے اگر عام اور خاص اصطلاحی مقصود ہے تو یہ تسلیم نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو احناف کے نزدیک عام بھی افادۂ حکم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے، اور خاص کو منسوخ کر سکتا ہے۔ لہٰذا جابر بن عبداللہ کی حدیث جو عام ہے وہ جابر بن سمرہ کی حدیثِ خاص کی ناسخ ہے۔ کیونکہ یہ عام متاخر ہے اور تعارض کے وقت جو متاخر ہوگا وہی ناسخ ہوگا اور جو متقدم ہو وہ منسوخ ہوگا۔ اسی لیے امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معاملہ آگ پر پکی چیز کھانے سے وضو نہ کرنا تھا۔ جب کہ پہلے آپ اس سے وضو فرماتے تھے۔ اور 'آگ پر پکی چیز' میں اونٹ کا گوشت ہو یا کسی اور جانور کا، سب برابر ہیں۔ تو جابر بن سمرہ کی روایت منسوخ قرار پائی۔

مزید فرماتے ہیں:

یہ سب کچھ اس وقت ہے جب کہ وضو سے مراد وضوئے شرعی ہو، اور اگر وضو سے مراد وضوئے لغوی (ہاتھ منہ دھونا، کلی کرنا) ہو تو نسخ کے قول کی ضرورت نہیں، بلکہ اونٹ کے گوشت میں یہ حکم موکد ہوگا، کیونکہ اس کا گوشت سخت ہوتا ہے اور کھانے والے کے ہاتھ پر اس کی چکناہٹ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور ہاتھ دھونے پر وضو کا اطلاق حدیث شریف میں بھی وارد ہوا ہے، ارشاد ہے: "الوضوء قبل الطعام ینفي الفقر وبعده ینفي اللمم"۔ یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے سے فقر دور ہوتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے بیماری دور ہوتی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں ہے، تو میں نے اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا: برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده۔ یعنی کھانے کی برکت پہلے ہاتھ دھونے میں ہے اور بعد میں ہاتھ دھونے میں ہے۔ (کشف الاستار ۱/۱۵۸)

صف کے پیچھے مقتدی کا تنہا قیام

امام طحاوی نے "باب الرجل یصلي بالرجلین این یقیمهما" میں حضرت انس بن مالک کی مشہور حدیث درج کی ہے کہ ان کی والدہ حضرت ملیکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، جب حضور علیہ السلام کھانے سے فارغ ہوئے تو

نماز کے لیے چٹائی منگوائی جسے صاف کر کے اسی پر آپ نے امامت فرمائی، پیچھے انس بن مالک اور یتیم نے صف لگائی، اور حضرت ملیکہ ان دونوں کے پیچھے تنہا کھڑی ہوگئیں۔

"فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصففت انا واليتيم وراءه والعجوز من وراءنا"

اس حدیث پاک پر حاشیہ درج کر کے حضور صدر الشریعہ نے متعدد مسائل کا استنباط کیا، مثلاً: نفل نماز کی جماعت کا جواز، (دوسرے مقام پر تداعی کی شرط کو ثابت کیا ہے۔) نفل نماز گھر میں افضل ہے۔ نماز کی جگہ میل کچیل سے بھی صاف ہونی چاہیے۔ بچہ عورت کی بجائے مرد کی صف میں کھڑا ہوگا، عورتیں مردوں کے پیچھے ہوں گی۔ اسی سے یہ بھی مستنبط کیا گیا کہ عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا درست نہیں، اس لیے کہ جب عورت کا مقام بچے سے بھی پیچھے ہے تو مردوں سے آگے کیسے بڑھ سکتی ہیں، یہی جمہور کا قول ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سمجھوال بچے کی نماز درست ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ دو آدمی مقتدی ہوں تو ایک ساتھ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی کہ عورتیں جماعت سے نماز پڑھیں تو مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی۔ تو اگر عورت مرد کے محاذی ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

شارح بخاری ابن بطال پر صدر الشریعہ کا ایراد

اس کے بعد ابن بطال کا ایک استدلال ذکر کر کے اس کا رد کرتے ہیں: فرماتے ہیں:

واستدل به ابن بطال على صحة صلوٰة المنفرد خلف الصف، لأنه لما ثبت ذلك للمرأة كان للرجل أولىٰ إهـ.

اس حدیث سے ابن بطال نے استدلال کیا ہے کہ صف کے پیچھے مقتدی تنہا کھڑا ہو سکتا ہے، اس لیے کہ جب ایسا عورت کے لیے درست ہے تو مرد کے لیے بدرجہ اولیٰ درست ہونا چاہیے۔

اس پر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

أقول: هذا الإستدلال فاسد، لأن المرأة إنما جازت صلوتها خلف الصف لأنها لايجوز لها القيام مع الرجال، بخلاف الرجل فإن له أن يقوم معه وأن يزاحمهم، وأن يجذب الرجل من حاشية الصف فيقوم معهم، فافترقا. (كشف الاستار ثاني ص٢٦٣)

میں کہتا ہوں: یہ استدلال فاسد ہے۔ اس لیے کہ عورت کے لیے صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا اس لیے درست ہوا کہ اس کے لیے مردوں کے ساتھ قیام جائز نہیں، برخلاف مرد کے، کہ وہ تو مرد کے ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے، اور مردوں کی صف میں داخل بھی ہو سکتا ہے، اور کسی شخص کو صف کے کنارے سے کھینچ کر اپنے ساتھ بھی کھڑا کر سکتا ہے، تو دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

صلاۃ الخوف کی مشروعیت:

صلوٰۃ الخوف کے بیان میں امام طحاوی نے امام ابو یوسف کا ایک قول نقل کیا ہے کہ صلاۃ الخوف صرف حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم کے عہد میں مشروع تھی، اب مشروع نہیں۔

اس پر صدر الشریعہ نے بدائع اور فتح القدیر سے اس قول کی توضیح اور اس کے دلائل نقل کیے۔ اس کے بعد بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی نے "رسائلِ ارکان" میں امام ابو یوسف کے قول کی تائید وحمایت میں جو دلائل بیان کیے ہیں انھیں نقل کر کے ایسے علمی اور استدلالی انداز میں ان دلائل کی تردید فرمائی کہ جن کے مطالعہ کے بعد حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ یاد آتا ہے کہ: "مولانا امجد علی صاحب جب جواب دے رہے تھے تو معلوم ہو رہا تھا کہ ایک بحرِ ذخار موجیں مار رہا ہے"

ہم اس بحث کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں:

رسائل الارکان کے دلائل:

بحر العلوم علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ صلوٰۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور یہ قول میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے۔

اولاً: اس لیے کہ آیت کریمہ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ میں اللہ تعالیٰ نے صلاۃ الخوف کو آپ علیہ السلام کی موجودگی کی شرط کے ساتھ مشروط فرمایا ہے، اور جب شرط فوت ہو جائے تو حکم اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ عملِ کثیر، مشی اور قبلہ سے انحرافِ فاحش کے سبب نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ نماز منافی کے ساتھ مشروع ہو تو ضرورت کی بنا پر مشروع ہوتی ہے، اور اب ضرورت نہیں، کیونکہ اب مسلمان خوف کی حالت میں دو گروہ بنا کر ایسا کر سکتے ہیں کہ ایک گروہ ایک امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل ڈٹا رہے، جب پہلا گروہ فارغ ہو لے تو دشمن کے مقابل آجائے اور دوسرا گروہ اب دوسرے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے۔ اس طرح کوئی منافئ صلاۃ امر کا خلل نہ آئے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو ضرورت تھی، کیونکہ آپ کی اقتدا میں نماز قطعاً مقبول، اور فیوض وبرکات کا سرچشمہ تھی۔ تو صرف خوف کی وجہ سے اس فضل عظیم کو فوت کر دینا کسی عقل مند کا کام نہیں، اور جہاد میں ہلاکت سے بچنا بھی فرض ہے، لامحالہ صلاۃ الخوف مشروع قرار دی گئی تاکہ یہ فضیلت حاصل ہو جائے۔ لیکن اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد وہ ضرورت باقی نہ رہی۔ تو اب حکم یہی ہوگا کہ ان منافی کے ساتھ نماز مشروع نہ ہوگی۔ اور صاحب ہدایہ کا یہ قول درست نہیں کہ "امام ابو یوسف نے جو صلاۃ الخوف کی مشروعیت کا انکار کیا اس پر حضور علیہ السلام کے فعل سے حجت قائم کی جائے گی"۔ اس لیے کہ جب امام ابو یوسف نے صلاۃ الخوف کو حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے قرار دیا تو اب اُن پر کوئی حجت اُسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے جب کہ دلیل قطعی کے ذریعہ اختصاص کی نفی ثابت کر دی جائے۔

صدر الشریعہ کے جوابات:

اب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ علامہ بحر العلوم کے ان دلائل کا جواب دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: اولاً تو ہمیں تسلیم نہیں کہ صلاۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اور آیت کریمہ اختصاص پر دلالت بھی نہیں کر رہی ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلانکیر صلاۃ الخوف ادا فرمائی۔ اگر صلاۃ الخوف خصائص سے ہوتی اور صحابہ کرام نے آیت کریمہ سے اختصاص سمجھا ہوتا تو ضرور بعد وصال شریف صلاۃ الخوف پڑھنے والے پر نکیر فرماتے، جیسا کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے، اور دیگر خصائص پر کسی نے عمل کیا تو نکیر فرمائی۔

اگر صلاۃ الخوف خصائص میں سے ہوتی تو آپ اسے بیان فرما دیتے، جیسا کہ اور خصائص مثلاً صوم وصال وغیرہ کو بیان فرمایا۔ اگر کہو کہ تخصیص تو آیت کریمہ سے ظاہر ہے، کہ ارشاد ہوا وَإِذَا كُنْتَ فِيهِم" تو رسول کی موجودگی سے مشروط تو کیا گیا، ہم کہیں گے: اس کا معنی ہے: جب تم یا تمہارا کوئی قائم مقام ان کے درمیان ہو، جیسا کہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً آپ کے ساتھ خاص نہیں۔ اور شرائع میں تو اصل تعمیم ہے نہ کہ تخصیص، جب تک کہ دلیل تخصیص قائم نہ ہو۔ اور یہاں دلیل تخصیص کچھ نہیں۔ رہی یہ بات کہ "یہ نماز تو منافی کے ساتھ مشروع ہے" تو یہ اس نماز کی خصوصیات میں سے ہے۔ نہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شی کبھی کسی حالت میں منافی ہو لیکن دوسرے وقت اور دوسری حالت میں منافی نہ ہو۔ تو مشی اور قبلہ سے انحراف اگرچہ منافی صلاۃ ہے، مگر حالت امن میں منافی صلاۃ ہے، حالتِ خوف میں منافی صلاۃ نہیں۔

ثانیاً: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صلوا كما رأيتموني أصلي"

تو جب آپ نے صلاۃ الخوف ادا فرمائی تو آپ کا ادا فرمانا حالت خوف کے لیے اس نماز کی تشریع ہوئی۔

ثالثاً: متعدد روایتوں سے ثابت ہے (چند روایتیں نقل کیں) کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف کی تعلیم دی اور طریقہ بتایا۔ تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ صلاۃ الخوف آپ کی خصوصیات سے ہے۔

رابعاً: ہمیں یہ بھی تسلیم نہیں کہ عہد رسالت میں ضرورت تھی، اب نہیں۔ اس لیے کہ "تحصیل فضل" ضرورت کی قبیل سے نہیں۔ اور اگر مشی وانحراف عن القبلہ کو خوف کی حالت میں بھی منافی صلاۃ قرار دیا جائے تو صلاۃ الخوف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی جائز نہ ہونی چاہیے تھی، کیونکہ "تحصیل فضل" کے لیے منافی کا ارتکاب جائز نہیں۔

رہا صاحب ہدایہ کا ارشاد کہ "امام ابو یوسف کے قول پر فعل رسول سے حجت قائم کی جائے گی" اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کی عبارۃ النص ان پر حجت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی دلالۃ النص ان پر حجت ہے۔ جیسا کہ صاحب عنایہ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صلاۃ الخوف پڑھنے کا سبب "خوف" تھا، نہ کہ آپ کی اقتدا میں نماز کی فضیلت کا حصول۔ اور "خوف" بعد میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ اگر "فضیلت کا حصول" سبب ہوتا، تو نماز میں تو ترکِ مشی اور ترکِ استدبار قبلہ فرض ہے۔ اور آپ کی اقتدا میں نماز فضل۔ اور فضل کے لیے فرض کا ترک جائز نہیں۔ (ملخصاً کشف الاستار ثانی ص ۳۰۰)

یہ چند نمونے تھے۔ اسی طرح پورا حاشیہ فقہی اصطلاحات کی تشریح، مختلف مسائل میں مذاہب فقہ کی توضیح، مذہب حنفی کی دلائل سے ترجیح، اور امام طحاوی کی مشکل عبارتوں کی تنقیح کا بہت خوبصورت مجموعہ ہے۔ ☆

معانی الآثار سے کشف الاستار تک

از قلم: مولانا کوثر امام قادری

محدث اعظم، فقیہ اکبر، حافظ حدیث، حجت علم وفن، حضرت امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ کی مشہور زمانہ تصنیف شرح معانی الآثار کسی تعارف وتبصرے کی محتاج نہیں۔ اکابر ائمہ، حفاظ حدیث، جلیل القدر ماہرین وناقدین نے اس کی عظمت کا لوہا مانا اور اس کی برتری تسلیم کی۔ اس نوعیت کی کتاب نہ تو پہلے لکھی گئی تھی اور نہ ہی بعد میں کسی نے زحمت تصنیف اٹھائی، اس کتاب نے فقہاء احناف کے کلاہ افتخار میں چار چاند لگا دیا اور حنفی محدثین نے اسے خالق لوح وقلم کی عظیم نعمت کے طور پر آنکھوں سے لگایا۔ شرح معانی الآثار جب اپنے آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آئی تو فنون حدیث کی دنیا میں اور خصوصاً شوافع علماء کے حلقہ میں ایک زوردار دھماکہ محسوس کیا گیا۔ احناف مسرت وشادمانی اور فرحت وانبساط کے سمندر میں غوطہ زن نظر آئے تو مخالفین حیرت واستعجاب اور کرب واضطراب سے دوچار ہوئے، نہ تو اس کا رد لکھ سکتے تھے اور نہ ہی اس سے اتفاق ممکن تھا، لیکن سوائے خموشی کے وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

امام طحاوی کا انتقال ۳۲۱ھ میں ہوا اور ۳۸۴ھ میں امام بیہقی پیدا ہوئے۔ اس درمیانی مدت میں نہیں، بلکہ اور بعد تک یعنی امام بیہقی کے قرطاس وقلم سنبھالنے تک یہ کتاب دور دور تک علمی حلقوں میں باعزت مقام پا چکی تھی۔

حقیر کی معلومات کے مطابق سب سے پہلے اس کے خلاف امام بیہقی نے زبان وقلم کا استعمال کیا۔ اور فرمایا کہ امام طحاوی نے اپنی کتاب میں صحیح کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح بنا کر پیش کیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب معرفۃ السنن والآثار کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

حين شرعت في كتابي هذا جاء ني شخص من أصحابي بكتاب لأبي جعفر الطحاوي
فلكم من حديث ضعف فيه صححه لأجل رائه و كم من حديث فيه صحيح ضعّفه لأجل رائه

ترجمہ: جس وقت میں نے اپنی یہ کتاب شروع کی میرے دوستوں میں سے ایک شخص نے ابو جعفر طحاوی کی کتاب پیش کی اس میں طحاوی نے بہت سی ضعیف حدیثوں کو اپنی رائے سے صحیح اور بہت سی صحیح حدیثوں کو اپنی رائے سے ضعیف بنا دیا ہے۔

امام بیہقی کی شخصیت کوئی معمولی نہ تھی، بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ اور علمی وفنی دنیا میں آپ کی امامت مسلم تھی اور ظاہر ہے کہ اس مرتبہ کا آدمی کچھ کہے تو عام آدمی اسے باوزن ہی تسلیم کرے گا۔ نتیجے میں آں حضور کا چھوڑا ہوا شگوفہ اگرچہ عام نہیں ہوا لیکن بعض اذہان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہاں اس زمانے میں امام بیہقی کا چھوڑا ہوا شگوفہ عوام سے بلند ہو کر امراء تک پہنچ چکا تھا۔ اور وہ کشش وپیچ کا شکار ہونے لگے تھے۔

اس پس منظر میں ضرورت تھی بروقت تعاقب کی۔ لیکن حنفی محدثین کی جانب سے حمایت طحاوی میں کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ شاید انھوں نے اس الزام کو مذہبی تعصب پر محمول کیا۔ اور سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت محسوس نہ کی، اس طرح تقریباً دوصدیاں گزر گئیں۔

اس کے بعد حافظ محی الدین عبدالقادر بن محمد قرشی حنفی متوفی ۵۷۷ھ کا دور آیا۔ اسی دور میں قاضی حجۃ اللہ علی العالمین امام علاء الدین ماردینی نے امام بیہقی کا رد الجوہر النقی تصنیف فرمائی۔

امام عبدالقادر حنفی قرشی فرماتے ہیں:

"بعض امراء نے شیخ الاسلام امام علاء الدین ماردینی سے عرض کیا کہ حضور شرح معانی الآثار میں جو حدیثیں ہیں وہ صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ آخر کیوں؟

ان کا منشا یہ تھا کہ طحاوی کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ ورنہ بخاری ومسلم میں ضرور ہوتیں۔

امام ماردینی نے فرمایا:

"والاحاديث التي في الطحاوي أكثرها في البخاري ومسلم والسنن وغير ذلک من كتب الحفاظ."

وہ تمام حدیثیں جو طحاوی میں ہیں ان میں سے اکثر بخاری مسلم وسنن اور دیگر حفاظ حدیث کی تصنیفات میں موجود ہیں۔

شیخ الاسلام کا جواب سن کر امیر نے فرمائش کی کہ جب بات ایسی ہے تو آنحضور ایک ایسی کتاب تالیف فرمادیں جس میں احادیث طحاوی کی وسیع پیمانے پر تخریج ہو۔

قاضی صاحب نے کثرت کار ومصروفیت کے باعث معذرت کرلی، اور یہ ذمہ داری امام عبدالقادر قرشی حنفی کو سپرد کی۔ امام عبدالقادر حنفی نے استاذ کے حکم کی تعمیل اور حمیت حنفیت کا حق ادا کیا۔ اور ایک لاجواب کتاب بنام "الحاوی فی بیان آثار الطحاوی" تصنیف فرمائی۔ امام بیہقی نے "معرفۃ السنن والآثار" میں جگہ جگہ جو امام طحاوی پر حملہ کیا تھا موصوف نے ان سب کو ہوا ہوا کردیا۔

ان کے بعد حضرت امام بدر عینی (۸۵۵ھ) نہایت جاہ وجلال کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور آپ نے شرح معانی الآثار کی حسب ذیل شرحیں تیار کیں۔

۱۔ نخب الاخبار شرح معانی الآثار۔ ۲۔ مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار۔ ۳۔ مغانی الاخیار فی شرح اسامی رجال معانی الآثار۔

ان کے بعد امام قاسم قطلو بغا نے قلم سنبھالا، اور ایک پانچویں شرح "الایثار برجال معانی الآثار" معرض وجود میں آئی۔ افسوس کی بات ہے کہ شرح طحاوی جیسی عظیم کتاب لوگوں کے درس وتدریس اور مطالعہ میں رہی، مگر اس کی یہ پانچ پانچ

شرحیں جو انتہائی ضروری تھیں طباعت سے دور، لائبریریوں میں مخطوطات کے کالم کی زینت بنی رہیں۔ کئی صدیاں گزر گئیں ائمہ احناف نے کوئی توجہ نہ دی۔ لگاتار کئی سو سال تک مکمل خموشی رہی۔ زمانہ گزرتا گیا، تا آنکہ چودہویں صدی آگئی، اور مجدد اعظم امام احمد رضا علم وفن کا آفتاب بن کر آفاق عالم پر طلوع ہوئے۔ علمی دنیا میں انقلاب آیا، نئے نئے موضوعات پر نادر وانوکھی تحقیقات سے دنیا متعارف ہوئی۔ علمائے اسلام، فقہائے کرام کو حوصلہ وشوق اور عمل کی نئی نئی جہتیں ملیں۔

انقلاب رضا کے دور میں دو شخصیتوں نے طحاوی شریف کو مرکز توجہ بنایا۔ ایک محدث سورتی اور دوسرے صدر الشریعہ۔

چونکہ طحاوی شریف بغیر حاشیہ چھپ رہی تھی، اس کے مغلق مقامات کی توضیح وتشریح ضروری تھی۔ لہٰذا حضرت محدث سورتی نے جگہ جگہ حاشیہ قلمبند فرمایا، اس طرح یہ ضرورت پوری ہوگئی۔ لیکن علمائے ہند وپاک اور طلبائے علوم حدیث مزید شرح وبسط کے طالب تھے۔ کیونکہ طحاوی فقہ وحدیث، مقارنہ ومناظرہ سب کا مجموعہ تھی۔ جس کے مباحث کا سمجھنا بہت مشکل تھا۔ اور یہ مختصر نوٹ ازالہ مشکلات کے لیے ناکافی تھا۔ نیز امام بیہقی کے اعتراضات طالب جوابات تھے۔ جبکہ وہ تمام شرحیں عام علماء کے دسترس سے بعید تھیں، جن میں ہر کچھ موجود تھا۔

حضور صدر الشریعہ نے اس ضرورت کو محسوس کیا، اور تفصیلی شرح کے ارادے سے قلم اٹھایا۔ مکمل کتاب کی شرح نہ سہی، تاہم جتنا لکھا اس طرح لکھا کہ پچھلی ساری شرحوں کی کمی کا احساس ختم کردیا۔ امام بدر عینی، امام عبدالقادر قرشی، امام قاسم قطلو بغا نے جن مسائل ومباحث کو تھوڑا پھیلا کے لکھا تھا صدر الشریعہ نے اسے اجمال کے ساتھ بیان کیا، حالانکہ مذکورہ پانچ شرحوں میں سے کوئی بھی آپ کے پیش نظر نہ تھی، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جس طرح آپ نے دوسری متعدد کتابوں سے اقتباسات نقل کیا ہے ان سے نہ کرتے۔ اگر ان میں سے کوئی شرح ہوتی تو یہ کہا جاتا کہ آپ نے ان سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ مگر ایسا کچھ نہیں۔ پھر بھی ضرورت کی ساری چیزیں بیان کردینا کس خوبی وکمال پر دلیل اہل علم بخوبی جان سکتے ہیں۔

فقیہ اعظم، خلیفہ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی الشاہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان نے "کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار" میں جس فضل وکمال، وسعت مطالعہ، دقت نظر، نکتہ شناسی، سخن فہمی، لغات کی معلومات، فقہی جولانی، نقد ونظر، معرفت حدیث، اسماء الرجال کی جانکاری، جرح وتعدیل کی باریکی وغیرہ کا اظہار فرمایا ہے مجھ جیسا کم مایہ اسے بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

چونکہ کشف الاستار کی دوسری جلد کے چند اوراق پیش نظر ہیں ان کی روشنی میں اس حاشیہ کی وہ خصوصیات پیش کرنا چاہتا ہوں جو پوری کتاب میں روح رواں کا درجہ رکھتی ہیں۔

مذاہب کی صراحت

شرح معانی الآثار دیگر کتب حدیث سے جداگانہ انداز میں ابواب فقہ پر مرتب ہے اور ہر باب کے تحت ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کے نظریات اور دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں مگر اصحاب مذاہب کے اسماء کی صراحت نہیں، بلکہ مصنف

''ذہب قوم''،''خالف قوم'' کہہ کرآگے بڑھ جاتے ہیں۔قوم سے کون لوگ مراد ہیں؟انہیں سمجھنا ایک بڑا مشکل امر ہے۔کیونکہ فقہی مذاہب صرف چار ہی نہیں، جن کی کتابوں کی طرف مراجعت کرکے ان کے نظریات معلوم کرلیے جائیں۔بلکہ ایک درجن سے زائد فقہی مذاہب اور اصحاب مذاہب گزرے ہیں، جن کی نہ تو مستقل تصنیفات موجود ہیں اور نہ ہی پیروکار۔پھر انہیں قید نام کے ساتھ بیان کرنا کتنی اہم بات ہے، اور کتنی وسیع مطالعہ کا متقاضی ہے حیطۂ بیان میں نہیں آسکتا۔مگر صدرالشریعہ انتہائی سرعت کے ساتھ اس طرح بیان کرجاتے ہیں گویا سب کچھ سامنے موجود ہے۔

مثال کے طور پر حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں:

" فذهب قوم الى هذا الحديث فكرهوا للرجل ان يركع ركعتي الفجر في المسجد والامام في صلاة الفجر"

قوم سے کیا مراد ہے صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

" منهم الشافعي وأحمد واسحاق وأبوثور وكذلک روي ذلک عن ابن عمرو وأبي هريرة وسعيد بن جبير وعروة وابن سيرين وابراهيم وعطاء."

(باب الرجل يدخل المسجد والامام في صلوة الفجر)

احادیث طحاوی کی تخریج

یہ خصوصیت صرف حاشیہ کو ہی معیاری نہیں بناتی بلکہ معانی الآثار کی اہمیت کو بھی دوبالا کرتی، اور امام بیہقی کے اعتراضات کی قلعی کھول کر رکھ دیتی ہے۔

امام طحاوی نے اپنی سند میں حسب ذیل حدیث پیش کی ہے۔

" عن جابر قال جاء سليک الغطفاني في يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه على المنبر فقعد سليک قبل أن يصلي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم أركعت ركعتين قال "لا" قال قم فاركعهما". (باب الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة)

اس باب کی تخریج میں صدرالشریعہ نے نو کتابوں کی نشاندہی کی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی سندوں کی بھی صراحت فرمائی ہے۔فرماتے ہیں:

۱. اخرجه البخارى: عن عمرو بن دينار عن جابر بن عبدالله.

۲. اخرجه مسلم: عن ابى بكر بن ابى شيبة. ويعقوب الدورقي وعن أبي الربيع وقتيبة ومحمد بن بشار. ومحمد بن رافع ومحمد بن رمح واسحاق بن ابراهيم وعلى بن خشرم. ۳. اخرجه ابو داود: عن سليمان بن حرب عن حماد عن عمروبن دينار.

۴. اخرجه الترمذي: عن قتيبة عن حماد بن زيد عن عمروبن دينار.

۵. اخرجه ابن ماجة: عن هشام بن عمار عن سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار.

۶. اخرجه البيهقي: ۷. اخرجه الدارقطني: ۸. اخرجه ابن حبان: ۹. أخرجه النسائي:

تحقیق رواۃ

دوسرے محدثین وشارحین کی طرح آپ نے بھی حسب ضرورت اسماء رواۃ کی تشریح فرمائی ہے، اور ثقاہت وضعف بیان کیا ہے۔دونوں کی مثال ملاحظہ کریں۔صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

" قوله عبد الله بن بسر. بضم الموحدة وسكون المهملة المارنى القيسي ابو بسر ويقال ابو صفوان، له ولابيه صحبة سكن حمص (كشف الاستار ج۲ ص ۳۴۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

" قوله ابو الزاهرية: اسمه حدير بن كريب كلاهما مصغران الحضرمي ويقال الحميري قال ابن معين والعجلي ويعقوب بن سفيان والنسائي ثقة وقال ابو حاتم لا باس به. وقال الدارقطني لاباس به اذا روى عنه ثقة" (كشف الاستار ج۲ ص ۳۵۱)

ان تینوں چیزوں کے علاوہ کچھ اور بھی چیزیں ہیں جن سے صرف نظر ممکن نہیں۔مثلاً احادیث کریمہ میں مشکل الفاظ کی توضیح وتنقیح، حنفی مسلک پر مخالفین کے اعتراض کا باحسن وجوہ جواب، حنفی مسلک کی مؤید حدیثوں کی شان رفعت ثابت کرنے کے لیے نفیس اہتمام، دوسروں کی مستدل حدیثوں پر صحت وعدم صحت کے تعلق سے بھرپور کلام۔یہ ساری چیزیں حضور صدرالشریعہ کے بس کی بات تھی۔خدا کا فضل خاص ہے کہ یہ کام حضرت کے مقدس ہاتھوں سرانجام پایا۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ادھر بیس سالوں کے اندر صحیحین کی کئی شرحیں تیار ہوئیں۔علمائے شوافع تو تمام کام کرتے ہی ہیں۔علمائے احناف بھی خدمت بخاری ومسلم میں جی کھول کر مشغول ہیں۔مگر طحاوی شریف سے نہ جانے کیوں صرفِ نظر کیا جاتا رہا سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایسے حالات میں کشف الاستار کی طباعت واشاعت بہرحال بہت اہم ہے۔پوری امت کی طرف سے قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جنھوں نے قلمی نسخے کو زیور طباعت سے آراستہ وپیراستہ کرنے کی ہمت فرمائی۔

خصوصیت کے ساتھ ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اس عظیم ہستی کی بارگاہ میں جنھیں دنیا محدث کبیر کہتی ہے، جنھوں نے اس کی سرپرستی واہتمام بلیغ فرمائی، نیز حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ امجدی صاحب کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے، جن کی محنت شاقہ، سعی پیہم، جہد مسلسل کشف الاستار کے سطر سطر سے ظاہر وباہر ہے۔مولیٰ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

❖❖❖

کشف الاستار۔ایک مطالعہ

از قلم: مولانا نذیر احمد منانی استاذ ضیاء العلوم خیرآباد، مئو

اردو میں فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی مشہور زمانہ کتاب ''بہار شریعت'' مسائل شرعیہ کا ایک بہترین انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جو برسہابرس سے اہل علم ودانش سے خراج تحسین وصول کررہی ہے۔اس کے استناد وقبولیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ برصغیر ہندوپاک سے لے کردنیا کے دیگر ممالک کی لائبریریوں اور دارالافتاء کی زینت بنی ہوئی ہے۔ دنیائے سنیت کے علماء وفقہا اپنے فتاوی کو بہار شریعت سے مستند ومستحکم بناتے ہیں۔

اب بزبان عربی حضور صدر الشریعہ کی کتاب ''کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار'' کی اشاعت نے بزم اہل دانش میں ہلچل پیدا کردی ہے۔ زبان کی شستگی، بیان کی عمدگی، عربی قواعد وضوابط کی مکمل پابندی، مسائل کی تحقیق پہ نظر کی گہرائی، کلمات مغلقہ ومصعبہ کی تشریح وتسہیل رواۃ حدیث کی صحت وسقم پر مباحثہ نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی عالمانہ، محدثانہ، محققانہ صیرت پر مہر ثبت کردی ہے۔ عصبیت کی عینک اتار کر کشف الاستار کا مطالعہ کرنے والا آپ کے علمی جاہ وجلال، محدثانہ مہارت وکمال کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

کشف الاستار کہنے کے لیے تو تحشیہ ہے مگر فی الحقیقت یہ ایک مکمل شرح ہے۔ جس میں تمام ضروری تشریحات موجود ہیں۔ جس نے شرح معانی الآثار کی افہام وتفہیم بالکل آسان کردی ہے۔

قابل مبارک باد ہیں محب گرامی قدر، نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قادری جنھوں نے کشف الاستار کی ترتیب وتبییض میں انتھک کوشش صرف کرکے اشاعت کی دہلیز پر پہنچایا، ورنہ حضور صدر الشریعہ کا اتنا بڑا علمی خزانہ شاید ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہی رہ جاتا۔

میرے مطالعہ میں کشف الاستار کے ۶۰ر صفحات آئے، جس میں **باب المسح علی الخفین. باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء ہ وقرائتھم القرآن . باب حکم بول الغلام والجاریۃ قبل ان یاکلا الطعام. باب الرجل لا یجد الا بنبیذ التمر ھل یتوضأ بہ او یتیمم . باب المسح علی النعلین. باب المستحاضۃ کیف تتھطر للصلوۃ** شامل ہیں۔

مطالعہ کے وقت کشف الاستار جو ممیزات وخصائص پردۂ ذہن پر منقش ہوئے وہ نذر قارئین ہیں۔

(۱) فن اسماء الرجال:

فن اسماء الرجال ایک گرانمایہ فن ہے، محدثین کے نزدیک اس کی بڑی قدر وقیمت ہے، کیونکہ اسی پر حدیث کی صحت کا

دار ومدار ہے، لیکن افسوس! آج یہ فن مدارس میں فضلہ کی حیثیت اختیار کرچکا ہے، علماء وطلبہ اس میں دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتے، کشف الاستار میں حضور صدر الشریعہ نے رجال الحدیث پر بقدر ضرورت خوب بحث وتمحیض فرمائی ہے جو آپ کے علم رجال الحدیث پر کامل دسترس کی دلیل ہے۔ مثلاً امام طحاوی رحمہ اللہ نے **باب المسح علی الخفین کم وقتہ للمقیم والمسافر**، کے تحت پہلی حدیث پیش کی ہے:

حدثنا ابن أبي داود قال ثنا ابن ابی مریم قال نا یحیی بن ایوب قال حدثنی عبدالرحمن بن رزین عن محمد بن یزید بن ابی زیاد عن عبادۃ بن نسی عن ابی بن عمارۃ وصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمارۃ القبلتین انہ قال یا رسول اللہ امسح علی الخفین قال نعم قال یوما یا رسول اللہ قال نعم قال یومین یا رسول اللہ قال نعم وثلث یا رسول اللہ قال نعم حتی بلغ سبعا ثم قال امسح ما بدا لک (کشف الاستار ج ۱ ص ۱۸۳)

ابی ابن عمارہ سے مروی ہے درانحالیکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں قبلوں (بیت المقدس رخانہ کعبہ) کی جانب نماز پڑھی ہے۔ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا موزوں پر مسح ہے؟ رسول پاک نے جواب دیا ہاں! پھر پوچھا ایک دن یا رسول اللہ؟ رسول پاک نے فرمایا ہاں! پھر سوال کیا دو دن یا رسول اللہ؟ جواب دیا ہاں! پھر پوچھا تین دن یا رسول اللہ؟ سرکار نے جواب دیا ہاں! یہاں تک کہ سات تک پہنچ گئے، اس کے بعد سرکار نے ارشاد فرمایا مسح کرو جو تمہارے لیے ظاہر ومناسب ہو۔

اسماء الرجال کی حیثیت سے اس حدیث کا جائزہ لیتے ہوئے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قولہ عن ابی عمارۃ الخ. ھو بکسر العین وھذا الحدیث روی ابوداود فی سننہ وابن ماجۃ والبیھقی فی سننھما وابن حبان والحاکم فی المستدرک. قال النووی فی شرح صحیح مسلم وھو حدیث ضعیف باتفاق اھل الحدیث قال ابوداود وقد اختلف فی اسنادہ ولیس ھو بالقوی وضعفہ البخاری فقال لا یصح وقال ابو ذرعۃ الدمشقی عن احمد رجالہ لا یعرفون وقال ابوالفتح الازدی ھو حدیث لیس بالقائم وقال ابن حبان لست اعتمد علی اسناد خبرہ وقال الدارقطنی لا یثبت وقد اختلف فیہ علی یحیی بن ایوب اختلافا کثیرا وقال ابن عبدالبر لا یثبت ولیس لہ اسناد قائم ونقل النووی فی شرح المھذب اتفاق الائمۃ علی ضعفہ فما قال الحاکم فی المستدرک ھذا اسناد مصری لم ینسب واحد منھم الی جرح فلا یعبأ بہ (کشف الاستار ج ۱ ص ۱۸۳)

عمارہ عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس حدیث کی روایت ابوداود نے سنن ابی داود میں اور ابن ماجہ وبیہقی

نے اپنے اپنے سنن میں، اور ابن حبان وحاکم نے مستدرک میں کی ہے۔(امام) نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں کہا کہ یہ حدیث باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداود نے کہا اس کی اسناد میں اختلاف ہے، اور وہ قوی نہیں ہے۔ بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا پس کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابوذرعہ دمشقی نے احمد سے روایت کرتے ہوئے کہا اس حدیث کے رواۃ غیر معروف ہیں۔ ابوالفتح ازدلی نے کہا یہ حدیث درست نہیں ہے۔ اور ابن حبان نے کہا مجھے اس کی اسنادِ خبر پر اعتماد نہیں ہے۔ اور دار قطنی نے کہا یہ ثابت نہیں ہے اور اس حدیث کی اسناد میں یحیی بن ایوب پر سخت اختلاف ہے اور ابن عبدالبر نے کہا یہ غیر ثابت ہے اور اس کی اسناد غیر قائم ہے۔ اور نووی نے شرح مہذب میں اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ائمہ کو درج کیا ہے۔

(۲) تحقیق مسائل:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مسح علی الخفین کے باب کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **باب المسح علی الخفین کم وقته للمقیم والمسافر**، اس کے بعد عنوان کے تعلق سے احادیث کا ذکر کرتے ہیں، لیکن حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مسح علی الخفین کی توقیت ومدت کے ذکر ووضاحت سے قبل مسح کی حقیقت، اس کے جواز واثبات پر اقوال ائمہ کی روشنی میں شکم سیر گفتگو فرماتے ہوئے کمال تحقیق کا مظاہرہ کیا ہے جو ایک محقق کی شایان شان ہے۔ آپ رقمطراز ہیں:

> **قال فی الهداية المسح علی الخفين جائز بالسنة والاخبار فيه مستفيضة حتی قيل ان من لم يره كان مبتدعا. قال ابن الهمام رحمه الله قال ابوحنيفة رضی الله عنه ما قلت بالمسح حتی جاء نی فيه مثل ضوء النهار . وعنه اخاف الكفر من لم ير المسح علی الخفين كان الآثار التی جاء ت فيه فی حيز التواتر وقال ابو يوسف خبر المسح يجوز نسخ الكتاب به تشهرته وقال احمد ليس فی قلبی من المسح شئ فيه اربعون حديثا عن اصحاب رسول الله ﷺ مارفعوا وما وقفوا.(كشف الاستار ج ا ص ۱۸۲)**

ہدایہ میں ہے مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) سنت سے جائز ہے، اور اس بابت جو احادیث ہیں سب مشہور ہیں، یہاں تک کہا گیا کہ جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے وہ بدعتی ہے۔ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں مسح کا قائل اس وقت تک نہ ہوا جب تک اس کے متعلق روز روشن کی طرح وضاحت میرے پاس نہ آئی۔ اور آپ ہی سے روایت ہے کہ میں اس شخص کے کفر کا اندیشہ کرتا ہوں جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے، کیونکہ اس بارے میں جتنی بھی احادیث وآثار وارد ہوئی ہیں حیز تواتر میں ہیں، ابو یوسف نے کہا مسح کی حدیث سے کتاب اللہ نسخ جائز ہے کیونکہ وہ مشہور ہے، اور احمد نے کہا مسح کے تعلق سے میرے دل میں کوئی کھوٹ اور گرد وغبار نہیں ہے (کیونکہ) اس کے متعلق چالیس غیر مرفوع اور غیر

موقوف احادیث اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

مزید توثیق وتوکید کے لیے حضور صدر الشریعہ نے ابن منذر کی اس روایت کو پیش کیا ہے جو حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ستر صحابۂ کرام نے آپ سے یہ بیان فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا تھا۔ ساتھ ہی جن صحابہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح کی روایت کی ہے ان میں سے ۲۷ صحابۂ کبار کے اسماء ابن منذر کی روایت میں مذکور ہیں:

> **روی ابن المنذر فی آخرين عن الحسن البصری قال حدثنی سبعون رجلا من اصحاب رسول الله صلی الله غليه وسلم انه عليه الصلوة والسلام مسح علی الخفين وممن روی المسح عنه صلی الله عليه وسلم ابوبكر وعمر وعلی وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وسعد والمغيرة وابوموسی الاشعری وعمرو بن العاص وابوايوب وابو امامة وسهل بن سعد وجابر بن عبدالله وابوسعيد وبلال وصفوان بن عسال وعبدالله بن الحارث وسلمان وثوبان وعبادة بن الصامت ويعلی بن مرة واسامة بن زيد وعمروبن امية الضمری وبريدة وابوهريرة وعائشة رضوان الله تعالیٰ عليهم اجمعين.**

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس دقیق ووقیع تحقیق سے یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ جمیع اہل سنت وجماعت کے نزدیک مسح علی الخفین جائز ہے۔ اسی پر سلف وخلف کا عمل رہا ہے۔

مسح علی الخفین کے جواز کے خلاف فرقۂ ضالہ مثلا خوارج وروافض زمانۂ قدیم سے رہے ہیں، اور آج بھی ہیں، علامہ عینی اور صاحب بدائع کے حوالہ سے حضور صدر الشریعہ رقمطراز ہیں:

> **قال العيني في عمدة القاري المسح علی الخفين جائز ولاينكره الا المبتدع الضال وقالت الخوارج لا يجوز، وقال صاحب البدائع المسح علی الخفين جائزعند عامة الفقهاء وعامة الصحابة الاشياء، روی عن ابن عباس انه لا يجوز وهو قول الرافضة.**
> **(كشف الاستار ص ۱۸۲)**

عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا مسح علی الخفین جائز ہے، اور اس کے منکر صرف اہل بدعت وضلالت ہیں، اور خوارج نے کہا مسح علی الخفین جائز نہیں ہے۔ اور صاحب بدائع نے کہا چند کو چھوڑ کر عام فقہاء اور عام صحابہ کے نزدیک مسح علی الخفین جائز ہے۔ ابن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ مسح ناجائز ہے، اور یہی رافضیوں کا قول ہے۔

کیا بعض صحابہ مسح کے منکر تھے:

یہ سوال پردۂ ذہن پر بار بار ابھر رہا ہے کہ کیا واقعتا بعض اجلہ صحابہ مسح علی الخفین کے منکر تھے جیسا کہ شیخ ابوعمر اور امام بیہقی

کے قول سے ثابت ہو رہا ہے۔

قال الشیخ ابو عمر بن عبدالبر لم یرو عن احد من الصحابة انکار المسح الا ابن عباس وعائشة وابی هریرة. (کشف الاستار ص ۱۸۲)

شیخ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا ابن عباس اور عائشہ اور ابو ہریرہ کے علاوہ مسح کے انکار کی روایت کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔

وقال البیهقی انما جاء کراهة ذلک عن علی وابن عباس وعائشة رضی الله عنهم. (کشف الاستار ص ۱۸۲)

اور بیہقی نے کہا مسح کی کراہت صرف علی، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

حضور صدر الشریعہ نے شیخ ابو عمر اور امام بیہقی کے قول کا ایسا مسکت جواب پیش کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انکار مسح کی نسبت حضرت علی، ابن عباس، عائشہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کی جانب کرنا بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ جواب پڑھیے، اور حضور صدر الشریعہ کے وسعت علم، دقت نظر، صائب الرائے ہونے پر رشک کیجئے۔ شیخ ابو عمر کے قول کا جواب پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما ابن عباس وابوهریرة فقد جاء عنهما بالاسانید الحسان خلاف ذلک وموافقة سائر الصحابة، واما عن عائشة رضی الله تعالی عنها ففی صحیح مسلم انها احالت ذلک علی علم علی وفی روایة قالت: وسئلت عنه اعنی المسح ما لی بهذا علم. (کشف الاستار ص ۱۸۲)

پس رہا معاملہ ابن عباس اور ابو ہریرہ کا تو ان سے بروایت احسن شیخ عمر کے قول کے خلاف اور جملہ صحابہ کے موافق ثابت ہے۔ اور رہا معاملہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی روایت کا تو صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے اس کو علی (رضی اللہ عنہ) کے علم پر موقوف کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب ان سے مسح کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔

امام بیہقی کے قول کا جواب پیش کرتے ہوئے صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

فاما الروایة عن علی سبق الکتاب بالمسح علی الخفین فلم یرو ذلک باسناد موصول یثبت مثله واما عائشة فثبت عنها انها احالت بعلم ذلک علی علم علی رضی الله عنه واما ابن عباس فانما کرهه حین لم یثبت مسح النبی صلی الله علیه وسلم بعد نزول المائدة فلما ثبت رجع الیه. وقال الجوزقانی فی کتاب الموضوعات انکار عائشة غیر ثابت عنها. وقال الکاشانی واما الروایة عن ابن عباس فلم تصح لان مداره علی عکرمة. وروی انه لما بلغ عطاء قال کذب عکرمة (ای رأیت ابن عباس یمسح علیه)

وروی عن عطاء انه قال کان ابن عباس یخالف الناس فی المسح علی الخفین فلم یمت حتی تابعهم.

پس رہی علی کی روایت مسح علی الخفین کے متعلق جو کتاب میں گزری تو اس کی روایت اسناد موصول کے ساتھ نہیں ہے کہ اس کا مثل ثابت ہوگا۔ اور رہی بات عائشہ کی تو ان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے اس کے علم کو علی رضی اللہ عنہ کے علم پر موقوف کیا ہے۔ اور رہا معاملہ ابن عباس کا تو انھوں نے مسح کی کراہت کا قول اس وقت کیا تھا جب نزول مائدہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح کا ثبوت نہیں ہوا تھا، پھر جب حضور سے مسح کا ثبوت ہو گیا تو ابن عباس نے (کراہت کے قول) سے رجوع کر لیا۔ اور جوزقانی نے کتاب الموضوعات میں فرمایا عائشہ سے مسح کا انکار ثابت نہیں ہے۔ اور کاشانی نے کہا رہی ابن عباس کی روایت تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا دارومدار عکرمہ پر ہے، اور روایت کی گئی کہ جب عطاء کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے فرمایا عکرمہ نے کذب سے کام لیا ہے (یعنی میں نے ابن عباس کو مسح علی الخفین کرتے ہوئے دیکھا ہے) اور عطاء سے ایک روایت ہے کہ انھوں نے کہا ابن عباس مسح علی الخفین کے معاملہ میں لوگوں کے مخالف تھے لیکن زندگی کے آخری ایام میں انہوں نے لوگوں کی تابعداری کی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس روایت میں ابن عباس اور ہریرہ سے انکار مسح ثابت ہو رہا ہے وہ روایت بالاسانید الحسان نہیں ہے، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اور پھر ان دونوں کی جن روایات سے مسح کا ثبوت ہو رہا ہے وہ احسن اور عمدہ ہیں تو انکار مسح کی نسبت ان دونوں کی جانب کیسے درست ہوگی، علاوہ ازیں یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباس ابتداء مسح کی کراہت کے قائل تھے لیکن جب سرکار سے مسح کا ثبوت ہو گیا تو قول کراہت سے رجوع کر لیا جیسا کہ علامہ کاشانی اور حضرت عطاء کے قول و روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس صرف جواز مسح کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ اس پر عامل بھی تھے، اور جہاں تک بات عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے تو مسح کی بابت ان کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم پر موقوف ہے، اور حضرت علی کی جس روایت میں مسح کے خلاف ثابت ہو رہا ہے وہ متصل السند نہیں ہے، تو انکار مسح کا ثبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیسے ہوگا؟ اور جب حضرت علی سے انکار مسح کا ثبوت نہیں ہوگا تو حضرت عائشہ سے بھی انکار مسح کا ثبوت نہیں ہوگا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ انکار مسح کی نسبت حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، عائشہ، علی رضی اللہ عنہم کی طرف کرنا بالکل بے بنیاد اور حقائق سے عاری ہے۔

(۳) تخاریج حدیث:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کشف الاستار میں شرح معانی الآثار کی احادیث کی ان تمام تخاریج کا بھی ذکر فرمایا ہے جن کی تخریج دیگر کتب حدیث میں کی گئی ہے۔ مثلا **باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء ہ**

وقراتهم القرآن ، میں ربیع المؤذن کی حدیث جو عمیر مولی ابن عباس سے مروی ہے اس کی تخاریج کا ذکر کرتے ہوئے حضور صدرالشریعہ فرماتے ہیں:

قوله اقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ اخرجه مسلم فی الطهارة واخرجه ابوداود فيه عن عبدالملک بن شعیب بن الليث عن سعد عن ابيه عن جده. واخرجه النسائی فيه عن الربيع بن سليمن عن شعيب بن الليث ومسلم ذكر هذا الحديث منقطعا وهو موصول على شريطه وفيه عبدالرحمن بن يسار وهو وهم انما هو عبدالله بن يسار وروى البغوى فی شرح السنة باسناده من حديث الشافعی عن ابراهيم بن محمد عن ابی الحويرث عن الاعرج عن ابی جهيم بن الصمة قال مررت على النبی صلى الله عليه وسلم وهو يبول فسلمت عليه فلم يرد علیّ حتى قام الى جدار فحطه بعصا كانت معه ثم وضع يده على الجدار فمسح وجهه وذراعيه ثم رد علی. قال هذا حديث حسن كذا فی العينی.

اس کی تخریج مسلم اور ابوداود نے باب الطہارۃ میں عن عبدالملک بن شعیب بن اللیث عن سعد عن ابیہ عن جدہ فرمائی ہے۔ اور نسائی نے اسی باب میں اس کی تخریج عن الربیع بن سلیمٰن، عن شعیب بن اللیث فرمائی ہے۔ مسلم نے اس حدیث کو منقطع ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی شرط پر متصل ہے۔ اور اس میں عبدالرحمٰن بن یسار ہے یہ بھی ایک وہم ہے در حقیقت عبداللہ بن یسار ہے۔ اور بغوی نے شرح السنہ میں اس کی اسناد من حدیث الشافعی (یوں) روایت کی ہے عن ابراہیم بن محمد عن ابی الحویرث عن الاعرج عن ابی جہیم بن الصمۃ۔ (اور الفاظ حدیث میں قدرے تغیر ہے) ابی جہیم بن صمہ سے مروی ہے انھوں نے کہا میرا گزر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا درانحالیکہ آپ استنجا فرما رہے تھے، پس میں نے حضور کو سلام کیا تو جواب سے نہیں نوازا، تا آنکہ آپ ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوئے پھر اپنے عصا سے اس کو کھرچا پھر اپنے دست اقدس کو دیوار پر رکھنے کے بعد چہرہ اور ہاتھ کا مسح کیا، پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ کہا یہ حدیث حسن ہے یونہی عینی میں ہے۔

اور باب حکم بول الغلام والجارية قبل أن ياكلا الطعام میں دوسری حدیث لبابہ بنت حارث سے مروی ہے، جس کی تخریج کا ذکر کرتے ہوئے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وهذا الحديث اخرجه ابوداود وابن ماجة وابن خزيمة فی صحيحه والبيهقي أيضا في سننه من وجوه كثيرة.

اس حدیث کی تخریج ابوداود، ابن ماجہ، ابن خزیمہ نے اپنے اپنے صحیح میں فرمائی ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کی

تخریج سنن بیہقی میں کثیر وجوہ سے فرمائی ہے۔

(۴) فوائد فقہیہ:

حضور صدرالشریعہ نے کشف الاستار میں متعدد مقامات پر فوائد فقہیہ کا ذکر فرمایا ہے جو احادیث کریمہ سے متخرج ہوئے ہیں۔ مثلا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے باب المستحاضة كيف تتطهر للصلوة، میں ایک حدیث پیش کی ہے:

عن عائشة ان فاطمة بنت أبي جيش جاء ت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تستحاض فقالت يا رسول الله انی والله ما أطهر أفادع الصلوة ابدا؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذلک عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فاتركی الصلوة واذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم ثم صلی.

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابی جیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں جس وقت آپ مستحاضہ تھیں، آپ نے کہا بخدا یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں برابر نماز چھوڑتی رہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ یہ رگ کا خون ہے حیض کا نہیں۔ تو جب حیض کی آمد ہو تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض کی مقدار گزر جائے تو خون کو دھل لو پھر نماز پڑھو۔

اس حدیث کے تحت فوائد فقہیہ ضروریہ کا ذکر کرتے ہوئے صدرالشریعہ رقمطراز ہیں:

في هذا الحديث فوائد، الاولى: جواز استفتاء المرأة بنفسها ومشافتها الرجال فيما يتعلق بامر من امور الدين، الثانية: جواز استماع صوت المرأة عن دالحاجة الشرعية، الثالثة: نهی للمستحاضة عن الصلوٰة فی زمن الحيض وهو نهی تحريم ويقتضی فساد الصلوة هنا باجماع المسلمين ويستوى فيها الفرض والنفل لظاهر الحديث ويتبعها الطواف وصلوة الجنازة وسجدة التلاوة وسجدة الشكر، الرابعة: فيه دليل علي نجاسة الدم، الخامسة: ان الصلوة تجب بمجرد انقطاع دم الحيض واعلم انها اذا امضى زمن حيضها وجب عليها ان تغتسل فی الحال لاول صلوة تدركها ولا يجوز لها بعد ذلک ان تترک صلوة او صوما فيكون حكمها حكم الطاهرات فلا تستظهر بشئ اصلا وبه قال الشافعی، السادسة: استدل بعض اصحابنا فی ايجاب الوضوء من خروج الدم من غير السبيلين لانه صلى الله عليه وسلم علل نقض الطهارة بخروج الدمن من إلعرق وكل دم يبرز من البدن فانما يبرز من عرق لان العروق هي مجارى الدم من الجسله.

ترجمہ: اس حدیث میں چند فوائد ہیں۔ (۱) خود عورت کا فتوی پوچھنا، اور امور دینیہ میں سے کسی بھی امر کے

متعلق ڈائرکٹ مردوں سے گفتگو کرنا جائز ہے۔ (۲) شرعی ضرورت کے وقت عورت کی آواز سننا جائز ہے۔ (۳) حیض کے دنوں میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اور یہ نہی تحریم ہے جو اس حالت میں باجماع مسلمین فساد نماز کا مقتضی ہے۔ اور اس میں فرض ونفل برابر ہیں ظاہر حدیث کی وجہ سے۔ اور اس کے تابع طواف، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر ہیں (یعنی حائضہ عورت کے لیے ایام حیض میں ہر قسم کی نماز، سجدہ اور طواف منع ہے) (۴) اس حدیث میں خون کی نجاست پر دلیل ہے۔ (۵) نماز صرف حیض کا خون بند ہونے سے واجب ہو جاتی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب عورت کے حیض کا زمانہ گزر جائے تو اس پر واجب ہے کہ اول نماز کے لیے جس کو وہ پا رہی ہے فی الفور غسل کرے اور اس کے لیے اس کے بعد کوئی بھی نماز یا روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے، اب اس کا حکم پاک عورتوں جیسا حکم ہوگا، تو وہ کسی چیز میں بالکل غفلت نہ برتے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔ (۶) بعض اصحاب حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر سبیلین سے خون نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نقض طہارت کی علت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رگ سے خون نکلنے کو قرار دیا ہے۔ اور ہر خون جو بدن سے ظاہر ہوتا ہے وہ نس کا ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ نسیں ہی خون نکلنے کی جگہ ہیں۔

ان فوائد نافعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر قاری حضور صدر الشریعہ کی فقہی بصیرت اور پختگی علم کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

(۵) تنقیح مذاہب:

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں احادیث کریمہ ذکر کرنے کے بعد فریقین کے مذہب کو **فذهب قوم**، اور **خالفهم آخرون** سے بیان فرمایا ہے۔ فریق اول اور فریق ثانی میں کون لوگ شامل ہیں اس کی تنقیح وتوضیح نہیں فرمائی ہے۔ لیکن حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے فریقین کی تعیین فرمادی ہے کہ **فذهب قوم** سے کون لوگ مراد ہیں اور **خالفهم آخرون** سے کون لوگ؟ مثلاً امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ **باب حكم بول الغلام والجارية قبل ان ياكلا الطعام** کے ذیل میں احادیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں **فذهب قوم الى التفريق بين حكم بول الغلام والجارية قبل ان ياكلا الطعام فقالوا بول الغلام طاهر وبول الجارية نجس.** امام طحاوی کے قول **فذهب قوم الى التفريق الخ** کی توضیح وتنقیح فرماتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں: **يفهم من هذا انهم يقولون بطهارة بول الغلام القائلون به داود الظاهرى والاوزاعى وفى رواية عن مالك والشافعى ايضا وبه قال احمد واسحاق وابو ثور.** جو لوگ دودھ پیتے بچے کے پیشاب کی طہارت اور بچی کے پیشاب کی نجاست کے قائل ہیں ان میں سرفہرست امام داؤد ظاہری، اور امام اوزاعی ہیں، اور ایک روایت کے اعتبار سے یہی قول امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، ابو ثور رحمہم اللہ کا ہے۔

وخالفهم فى ذلك آخرون کے تحت آپ رقمطراز ہیں

وهم أبو حنيفة واصحابه. ومالك انه لا يفرق بين بول الصغير والصغيرة فى نجاسة وجعلوهما سواء فى وجوب الغسل منهما وهو مذهب ابراهيم النخعى وسعيد بن المسيب والحسن بن حى والثورى رضى الله عنهم.

قول سابق کی مخالفت کرنے والوں میں امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک ہیں جو صغیر وصغیرہ کے پیشاب کی نجاست کے بابت کسی قسم کی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔ اور وجوب غسل کے سلسلہ میں دونوں کو برابر قرار دیتے ہیں، یہی مذہب ابراہیم نخعی، سعید بن میتب، حسن بن حی، سفیان ثوری رضی اللہ عنہم کا ہے۔

(۶) تحقیق لغات:

کشف الاستار میں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے جگہ جگہ کلمات مصعبہ کی توضیح وتحقیق بھی فرمائی ہے جس سے آپ کا مقام ومنصب فن لغت میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً ص ۱۸۳ میں عقبہ بن عامر کی حدیث میں "اتردتُّ" کا لفظ آیا ہے۔ اور پورا جملہ یوں ہے **اتردت من الشام الى عمر بن الخطاب.** حضور صدر الشریعہ اتردت کی تنقیح یوں کرتے ہیں: **قوله اتردت افتعال من الورود اى جئت الى عمر بن الخطاب وارد من الشام.** حدیث میں اتردت کا لفظ باب افتعال سے ہے، ورود سے ماخوذ ہے (پورے جملہ کا معنی ہے) یعنی میں شام سے واپس ہوتے ہوئے عمر بن الخطاب کے پاس آیا۔

اسی طرح صفحہ ۱۸۶ میں "اروش" کا لفظ آیا ہے، اس کی توضیح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

قوله: أروش جمع ارش وهو الدية قال فى المجمع الارش ماياخذه المشترى من البائع اذا اطلع على عيب فى البيع ومنه اروش الجنايات لانها جابرة للنقص وسمى به لانه سبب النزاع من ارشت بينهم اذا وقعت بينهم الخصومة (انتهى) وفى المصباح ارش الجراحة ديتها والجمع اروش مثل فلس وفلوس واصله الفساد يقال ارشت بين القول تاريشا اذا افسدت ثم استعمل فى نقصان الاعيان لازالة فساد فيها ويقال اصله عرش.

ترجمہ: اُروش ارش کی جمع ہے جس کا معنی دیت ہے۔ اور مجمع میں ہے کہ بیع میں عیب پر مطلع ہونے کے بعد مشتری بائع سے جو کچھ لیتا ہے اس کو ارش کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے **اروش الجنايات** ہے (یعنی جرائم کی دیت) اس لیے کہ یہی نقصان کی تلافی کرنے والا ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ یہی سبب نزاع ہے، اور یہ ماخوذ ہے **ارشت بينهم** سے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب لوگوں کے مابین جھگڑا واقع ہو۔ اور مصباح میں **ارش الجراحة ديتها** ہے (یعنی **ارش الجراحة** کا معنی **دية الجراحة** ہے) اور ارش کی جمع اروش ہے جیسے فلس کی فلوس ہے، اور اس کی اصل فساد ہے۔ **ارشت بين القول تاريشا** اس وقت

بولا جاتا ہے جب باتوں میں فساد ہوجائے، پھراس کا استعمال اعیان میں ہونے لگا اس کے فساد کے ازالہ کے لیے، ایک قول ہے کہ ارش کی اصل عرش ہے۔

اسی طرح باب ذکر الجنب والحائض الخ صفحہ۲۰۶ پر عن ابن عباس انه كان يقرأ حزبه وهو محدث، آیا ہے۔ اس میں حزب کے معنی ومفہوم کا ذکر کرتے ہوئے صدر الشریعہ فرماتے ہیں: قوله حزبه اى الورد ومايعتاده الشخص من صلوة وقراء ة وغير ذلك. حزب کا معنی ورد اور معمول کا وظیفہ ہے جیسے نماز وقرأت وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی کشف الاستار میں بہت ساری خوبیاں پنہاں ہیں جن کا ذکر اس مختصر مقالہ میں مناسب نہیں ہے۔

لفظ أقول سے صدر الشریعہ کی تحقیق:

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کشف الاستار میں متعدد ومختلف مقامات پر فریقین یا شخص واحد کے اقوال ونظریات کو ذکر کرنے کے بعد لفظ اقول سے اپنی تحقیق وتدقیق کے جواہر پارے بکھیرے ہیں مثلا امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے باب ذکر الجنب والحائض والذى ليس على وضوء ه وقراتهم القرآن میں ایک حدیث پیش کی:

حدثنا ربيع المؤذن قال ثنا شعيب بن الليث عن جعفر بن ربيعة عن عبدالرحمن بن هرمز عن عمير مولىٰ ابن عباس انه سمعه يقول اقبلت انا وعبدالله بن يسار مولى ميمونة زوج النبى صلى الله عليه وسلم حتى دخلنا على ابى الجهم بن الحارث بن الصمة الانصارى فقال ابو الجهم اقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم من نحو بير جمل فلقيه رجل فسلم عليه فلم يرد رسول الله حتى اقبل على الجدار فمسح بوجهه وبيديه ثم رد عليه السلام.

بقول ابوالجہم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے آئے اسی اثنا ایک آدمی شرف ملاقات سے مشرف ہوا اور اس نے سلام کیا لیکن رسول پاک نے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ سرکار دیوار کے پاس آئے، چہرہ اور ہاتھ کا مسح کیا اس کے بعد سلام کا جواب دیا۔

یہاں پر ہماری گفتگو کا محور یہ نہیں ہے کہ آیا حدث کی حالت میں سلام کا جواب دیا جائے یا نہیں، اس مسئلہ کی وضاحت اور اس حدیث کی تاویل اور توضیح کشف الاستار میں مذکور ہے۔ بلکہ ہماری گفتگو کا مرکز حدیث بالا پر امام نووی کا پیش کردہ ریمارک ہے جس کی بہترین تردید "اقول" سے حضور صدر الشریعہ نے فرمائی ہے۔

قال النووي هذا الحديث محمول على انه صلى الله عليه وسلم كان عادما للماء حال التيمم مع وجود الماء لا يجوز للقادر على استعماله فلا فرق بين ان يضيق وقت الصلوة وبين ان يتسع فلا فرق ايضا بين صلوة الجنازة والعيد وغيرهما.

امام نووی فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحالت تیمم پانی نہیں تھا، کیونکہ پانی ہوتے ہوئے تیمم اس شخص کے لیے جائز نہیں ہے جو پانی کے استعمال پر قادر ہو۔ تو کوئی تفریق نہیں ہوگی اس کے مابین کہ نماز کا وقت تنگ ہو یا کشادہ ہو، نیز کوئی تفریق نہ ہوگی نماز جنازہ وعید، اور ان کے علاوہ نمازوں کے مابین۔

امام نووی نے اپنے اس تبصرہ میں دو باتوں کا ذکر فرمایا (۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عادم ماء قرار دینا۔ (۲) فلا فرق بين أن يضيق وقت الصلوٰة وبين أن يتسع فلا فرق أيضا بين صلوٰة الجنازة والعيد وغيرهما . اور یہ دونوں باتیں قابل اعتراض ہیں۔ حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

أقول حمل هذا الحديث على عدم الماء بعيد كل البعيد لانه صلى الله عليه وسلم كان اذ ذاک فى المدينة فكيف يقال انه كان عادما وما للماء امام عندنا معاشر الحنفية فجوز فى هذه الحالة التيمم اذا فات شئ لا ابى بدل كصلوٰة الجنازة والعيد اذا اشتغل الرجل بالوضوء او بالغسل وخاف فوتهما فيجوز التيمم واما خوف الفريضة لضيق الوقت فلا يجوز التيمم فى ظاهر الرواية.

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس حدیث کو عدم ماء پر محمول کرنا حقائق سے کوسوں دور ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ میں تھے تو پھر کس طرح کہا جائے گا کہ نبی پاک عادم ماء تھے۔ رہی بات ہمارے حنفی معاشرہ کی تو اس حالت میں تیمم اس وقت جائز ہے جب کہ فوت ہونے والی شی ایسی ہو جس کا کوئی بدل نہ ہو مثلا نماز جنازہ اور نماز عید، کہ اگر آدمی وضو یا غسل میں مشغول ہو جائے تو ان دونوں کے فوت ہونے کا خطرہ لاحق ہو (لہٰذا ایسی صورت میں) تیمم جائز ہے اور رہا فرض نمازوں کا خطرہ تنگی وقت کے سبب تو ظاہر روایت میں ہے کہ تیمم جائز نہیں ہے۔

پس حدیث مذکور کے ذیل میں امام نووی کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عادم ماء قرار دینا، اور قادر علی الماء کے لیے بہر صورت خواہ نماز کا وقت تنگ ہو یا وسیع، نماز جنازہ وعید ہو یا دیگر نماز، تیمم جائز قرار دینا درست نہیں ہے۔ ❖

(باقی صفحہ۱۳۵ کا) ......جس سے ان کی ہتک ہو یا ان کی عظمت پر داغ ودھبہ لگے اور کیوں نہ ایسا ہو کہ آپ امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلی حضرت رضی المولی تعالی عنہ کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے، آپ کی بارگاہ سے اکتساب فیض کرکے جہاں علم وفضل کے آفتاب وماہتاب ہوئے، وہیں سراپا ادب بھی تھے ہر حال میں اپنے بڑوں کی بڑائی کا لحاظ رکھتے اور تعظیم وتوقیر بجالاتے تھے کبھی بے ادبی وگستاخی کا کوئی جملہ نہ ارشاد فرماتے اور نہ قلم سے تحریر فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شرعی قلم تاحین حیات محتاط رہا آپ کے قلم کو کہیں کوئی لغزش نہ ہوئی اور نہ ٹھوکر لگی اور نہ ہی آپ کا قلم راہ اعتدال سے بہکا ہمیشہ شریعت کے دائرہ ہی میں رہا اسی لیے آپ کے قلم فیض رقم سے جو بھی تحریر معرض وجود میں آئی وہ آپ کے بعد علما کے لیے حجت ودلیل کا درجہ رکھتی ہے۔ ❖

کشف الاستار اور مسئلہ آمین بالجہر

ازقلم: محمد حبیب اللہ خاں مصباحی دار العلوم فضل رحمانیہ بلرام پور

کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ الحاج مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کا عربی زبان میں وہ معرکۃ الآراء حاشیہ ہے۔ جس کو آپ نے اپنی حیات ظاہری کے زمانہ اخیر میں اس وقت قلمبند فرمایا جب آپ سے کچھ تلامذہ نے یہ کہہ کر گزارش کی کہ حضور شرح معانی الآثار کے پڑھنے پڑھانے میں علماء وطلبہ سب کو قدرے دشواری ہوتی ہے کیونکہ اس کی اب تک کوئی شرح نہیں مل پا رہی ہے اور نہ ہی اس پر حاشیہ ہی ہے کہ جس سے کچھ مدد مل سکے اور مشکل و پیچیدہ مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو جبکہ یہ کتاب "شرح معانی الآثار" فن حدیث میں اپنے انداز بیان کے اعتبار سے منفرد و جداگانہ ہے اور جابجا اس میں ابہام واجمال التباس واشتباہ ہونے کے ساتھ الفاظ حدیث میں اشتراک بھی بہت ہے۔ جس کے حل کے لیے لغت عربی کافی نہیں جب تک کہ کسی معتبر و مستند روایت یا درایت سے اس کی تائید و توثیق نہ ہو جائے۔ مزید برآں ائمہ مجتہدین کے مذاہب مختلفہ کا بیان اور ان کے دلائل و مسائل کا تقابلی جائزہ نیز عقل ونقل کی روشنی میں فقہ حنفی کو ترجیح وفوقیت۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے علماء وطلبہ کی سہولت وآسانی کے لیے نیز کام کے اہم ودینی ہونے کے پیش نظر تحشیہ کا ارادہ فرمایا اور بغیر کسی تاخیر وتامل کے اس برق رفتاری کے ساتھ اس پر حاشیہ لکھا کہ مہینوں کا کام ہفتوں میں کر ڈالا جب کہ یہ کام آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ودشوار تھا کیونکہ جس کتاب پر حاشیہ ہوتا ہے یا اس کی کوئی شرح ہوتی ہے اس پر تحشیہ کا کام اس لئے آسان ہوتا ہے کہ ماقبل والے حاشیہ اور شرح سے بہت کچھ مدد مل جاتی ہے اور اسی کی روشنی میں کچھ مزید اضافہ اور حذف بھی ہو جاتا ہے لیکن جس کتاب کی کوئی شرح وحاشیہ نہ ہو اس پر حاشیہ لگانا یا اس کی شرح لکھنا آسان نہیں از حد مشکل ودشوار ور پر پیچ ہوتا ہے کیونکہ اب اس پر جو بھی حاشیہ لگے گا وہ سب اسی محشی ہی کی اپنی تحقیق وتفتیش ہوگی اور اسی کا وہ عظیم علمی کارنامہ ہوگا کسی اور کا نہیں، ان تمام مشکلات وپریشانی کی پرواہ کئے بغیر آپ نے اس پر ایسا مضبوط ومفصل حاشیہ رقم فرمایا کہ کتاب میں جو بھی کہیں ابہام واجمال وپیچیدگی واشکال تھا سب کو ایسا واضح کیا کہ سب آسان تر ہو گیا چاہے وہ ابہام واجمال سند میں رہا ہو یا متن وترجمۃ الباب میں یا فکر ونظر کے پیراگراف میں ہر ایک کو رفع دفع کیا۔ نیز حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ کی وضاحت میں اگر کچھ رہ گیا تو اس کو بھی کما حقہ واضح کیا اور اگر تحقیق وتدقیق کے مدیان میں کہیں کوئی چوک ولغزش ہو گئی تھی تو اس پر بھی ریمارک لگایا حنفی ہونے کی وجہ سے اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا اور نہ ہی نظر انداز کیا کیونکہ یہ رویہ ایک دیانتدار محقق کی شان کے خلاف ہے البتہ آپ نے اس حاشیہ آرائی میں یہ خیال ضرور رکھا کہ مقصود کی وضاحت میں اتنی ہی عبارت لکھی جائے جتنی ضرورت ہو بلا وجہ ضرورت سے زیادہ عبارت نہ لکھی جائے اور جو لکھا جائے آسان لفظوں میں ہو اور صاف وستھرا ہو۔ یہی وجہ ہے

کہ آپ جو کچھ بیان فرماتے ہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت ودشواری نہیں ہوتی ہے۔ کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار میں آپ کا جو سب سے بڑا علمی تحقیقی وتدقیقی کارنامہ ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین نے استنباط مسئلہ میں جن جن دلیلوں کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ کا استنباط کیا اس پر آپ گہری اور کڑی نظر رکھتے تھے اور اس کی صحت وسقم اور قوت وضعف کو بڑی باریک بینی سے پرکھتے تھے اسی لیے جب کسی نے فقہ حنفی کے خلاف کوئی اعتراض کیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے بجائے قیاس ورائے سے ماخوذ ومستنبط ہے تو آپ نے اس کے اعتراض کا جواب بھی دیا اور فقہ حنفی کو کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت کیا اور یہ واضح کر دیا کہ فقہ حنفی ہی دیگر ائمہ مذاہب کے فقہ کے مقابلے میں کتاب وسنت سے قریب تر ہے چاہے وہ رفع یدین کا مسئلہ ہو یا آمین بالجہر والسر کا ——— یا اس کے علاوہ نماز میں آمین بالسر والجہر کا مسئلہ ائمہ مجتہدین کے مابین مختلف فیہ ہے جب کہ آمین کہنے کے سلسلہ میں کسی بھی امام کا کوئی اختلاف نہیں ہے سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ ہی کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے اختلاف صرف یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہا جائے یا آہستہ۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین آہستہ کہا جائے بلند آواز سے نہ کہنا یہی بہتر وافضل ہے اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمین بجائے آہستہ کہنے کے بلند آواز سے کہا جائے یہ بہتر وافضل ہے یعنی یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے جواز وعدم جواز میں نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے جواز میں دلیل پیش کرتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو جب غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین پر پہنچے تو آمین کہا اور مقتدیوں نے بھی آمین کہا:

"عن نعیم بن المجمر قال صلیت وراء ابی ھریرۃ فلما بلغ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین قال امین فقال الناس امین"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تب تم لوگ آمین کہو اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہو جائے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

"عن أبي ھریرۃ رضي اللہ تعالی عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا أمن الامام فأمنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ".

آمین بالجہر کے قائلین ان دونوں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے آمین کہنے کے ساتھ بلند آواز سے آمین کہنے کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس استدلال پر ریمارک لگاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ان روایتوں سے صرف آمین کہنے کا ثبوت ہوتا ہے، بلند آواز سے کہنے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ حدیث پاک میں مطلقاً **قال آمین** کا لفظ ہے بالجہر یا بالسر کے لفظ سے مقید نہیں ہے اس لیے اس سے آمین کہنے ہی کا ثبوت ہوگا مزید بلند آواز سے کہنے کا ثبوت نہیں ہوگا کیونکہ قول کا اطلاق جس طرح بالجہر پر ہوتا ہے ویسے ہی بالسر پر بھی ہوتا ہے اس لئے تاوقتیکہ اس کے ساتھ کوئی دوسری ایسی

دلیل نہ ہو جو صراحۃً جہر پر دلالت کرے آمین بالجہر کا ثبوت نہیں ہوگا اور نہ ہی آمین بالجہر کے قائلین کا اس سے استدلال صحیح ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے جس میں آمین بالجہر کے نفی کی طرف اشارہ ہے چہ جائیکہ آمین بالجہر کا ثبوت ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب امام ولا الضآلین کہے تب تم لوگ آمین کہو تو اس حدیث پاک میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم لوگ آمین اس وقت کہو جب امام سورۂ فاتحہ کی تلاوت ختم کر دے نہ اس سے پہلے کہو اور نہ اس کے بعد تو اگر امام بلند آواز سے آمین کہتا تو مقتدیوں کو اس کے بتانے کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے کہ مقتدی سن کر ہی جان لیتے کہ امام آمین کہہ رہا ہے اس لئے آمین کہو تو اس حدیث سے بھی آمین کہنے ہی کا ثبوت ہو رہا ہے بالجہر کا ثبوت نہیں ہو رہا ہے۔

ولا يخفىٰ عليک أن الجهر بالتامين لا يثبت بحديث ابى هريرة رضى الله عنه لان فى حديثه قال آمين والقول كما يطلق على الجهر يطلق على السر ايضا فلا يتعين باحدهما إلا بدليل يدل عليه بل فى حديثه على مارواه ابو صالح السمان عن ابى هريرة رضى الله تعالى عنه اشارة إلى عدم الجهر لانه قال فيه إذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضآلين قولوا آمين فبين فيه موضع تامين الامام ولا حاجة إلى بيان موضعه لوجهر الامام به فهٰذه رواية ابى هريرة تفسر الرواية الاولى اى اذا أمن الامام فامنوا بان تامين الامام يقع بعد قراء ة غير المغضوب عليهم ولا الضآلين فهٰذا موضع تامين المقتدى فلم يثبت الجهر لامن الامام ولامن المقتدي. (كشف الاستار ص ۴۳۹)

اور اگر آمین بالجہر کے قائلین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ابوداود و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کی وہ روایتیں پیش کریں جس سے آمین بالجہر کا صراحۃً ثبوت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معارض و مخالف وہ بھی روایتیں ہیں جو آمین بالجہر کے بجائے آمین بالسر پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں اور از روئے قوت و صحت اس کا درجہ و مرتبہ کم نہیں اس لیے تاوقتیکہ ان روایتوں کو ترجیح از روئے سند و متن نہ حاصل ہو جائے ان سے آمین بالجہر کے قائلین کا استدلال صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت ہوگا۔

والجواب عن حديث وائل بن حجر ان ما رواه سفيان يعارضه ما رواه الترمذى أيضا عن شعبة إلى آخره وقال فيه وخفض بها صوته. (كشف الاستار ج ۱ ص ۴۴۰)

اس کے برخلاف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کے اثبات میں جو دلیل پیش کرتے ہیں اس سے صراحۃً آمین بالسر ہی کا ثبوت ہوتا ہے آمین بالجہر کا ثبوت ہوتا ہی نہیں نہ اشارۃً نہ اقتضاءً اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے **اربع يخفيهن الامام التعوذ والتسمية وسبحانک اللهم وآمين** یعنی امام تعوذ و تسمیہ اور ثناء اور آمین آہستہ ہی کہے گا بلند آواز سے نہیں کہے گا اس لیے کہ حدیث میں لفظ اخفاء صراحت کے ساتھ ہے جو جہر کو کسی بھی حیثیت سے مقتضی و مستلزم نہیں ہے نیز آمین کہنا از قبیل دعا ہے اور دعا میں اصل و راجح یہی ہے کہ پست و آہستہ آواز میں ہو بلند آواز سے نہ ہو اس لیے کہ قرآن حکیم

سورۂ یونس میں ہے **ادعوا ربكم تضرّعاً وخفية** یعنی اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور آہستہ۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ آمین کے دعا ہونے پر دلیل کیا ہے؟ تو آپ فرماتے ہیں کہ سورۂ یونس میں ہے "**قد اجيبت دعوتكما**" کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی اور دونوں سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہہ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کو دعا کرنے والا ہی کہا جب کہ حضرت ہارون علیہ السلام بجائے دعا کے آمین کہہ رہے تھے اور دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام مانگ رہے تھے تو اس سے ثابت ہوتا ہے آمین دعا ہے اگر آمین کہنا دعا نہ ہوتا تو حضرت ہارون علیہ السلام کو دعا کرنے والا نہ کہا جاتا اور جب آمین کا دعا ہونا ثابت ہوا تو اس کو آہستہ کہنا دعا ہونے کی وجہ بھی ثابت ہوا مزید برآں اَجلہ صحابہ کا عمل یہی رہا کہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر نماز میں آمین آہستہ ہی کہتے تھے بلند آواز سے نہیں کہتے تھے جیسا کہ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اس کا ذکر فرمایا ہے:

واجتمع أصحابنا ايضا بما رواه محمد بن الحسن فى كتاب الآثار قال اربع يخفيهن الامام وبما رواه الطبرانى فى تهذيب الآثار قال لم يكن عمر وعلى رضى الله تعالى عنهما يجهر ان يبسم الله الرحمن الرحيم ولا بامين وقالوا ايضا آمين دعا والاصل فى الددعاء الاخفاء والدليل على انه دعاء قوله تعالىٰ فى سورة يونس قد أجيبت دعوتكما قال ابوالعالية وعكرمة ومحمد بن كعب والربيع بن موسىٰ كان موسىٰ عليه السلام يدعو وهارون يومن فسمّاها الله تعالىٰ ادعيين فاذا ثبت أنه دعاء فاخفاء افضل من الجهر به لقولهة تعالىٰ أدعوا ربكم تضرعا وخفية. (كشف الاستار ج ۱ ص ۴۴۰)

واضح رہے کہ فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے مذہب کی ترجمانی کرنے میں وہی فرماتے ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہوتا ہے مزید اپنی طرف سے کچھ ارشاد نہیں فرماتے ہیں اور نہ ہی کھینچ تان کر اپنا مذہب ثابت کرتے ہیں بلاشبہ ویسے ہی اپنے مذہب کے خلاف جو دلیلیں ہیں اس کے بارے میں بھی وہی فرماتے ہیں جو اس سے واضح ہوتا ہے اپنی طرف سے کوئی کمی و نقص نہیں نکالتے ہیں البتہ ان دلیلوں میں جو سخافت و کمزوری ہوتی ہے اس کو اس طرح آشکارا کر دیتے ہیں کہ ہر منصف مزاج و اعتدال پسند یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ ان دلیلوں سے جو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہو رہا ہے اور جو ثابت ہو رہا ہے وہ ان کا مذہب و دعویٰ نہیں ہے نیز دلیلوں کی سخافت و کمزوری کے واضح کرنے میں یہ ضرور ملحوظ رکھتے ہیں کہ ادب کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور نہ ہی اپنے بڑوں کی شان میں کوئی فرق آئے جب کہ یہ ایسا نازک موقع ہوتا ہے کہ قلم لغزش کھا جائے اور انداز بیان و تحریر میں شوخی کی جھلک آ جائے لیکن کبھی بھی ایسا نہ ہوا پوری کتاب پڑھ جائیے آپ ہمیشہ یکساں ہی پائیے گا جیسے جس انداز میں آپ اپنے امام امام ہمام کا ذکر جمیل فرماتے ہیں ویسے ہی دیگر ائمہ مذاہب کا ذکر انھیں القاب و آداب کے ساتھ کرتے ہیں جو ان کے شایان شان ہے کوئی ایسا جملہ ہرگز نہیں استعمال کرتے...... (بقیہ ۱۳۱ پر)

حضورصدرالشریعہ کی علم حدیث میں شانِ عبقریت

مفتی عابد حسین صاحب شیخ الحدیث فیض العلوم جمشید پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نحمده ونصلی علی رسوله الکریم و آله الطیبین واصحابه الطاهرین

فقہ حنفی کو فقہ مالکی، فقہ شافعی، اور حنبلی پر اس لیے فضیلت وفوقیت حاصل ہے کہ وہ جہاں قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہے وہیں دلائل عقلیہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر دور میں اس کے متبعین اکثریت میں رہے ہیں اور الحمد للہ آج بھی اس کے مقلدین زیادہ تعداد میں ہیں۔ امام ابو جعفر طحاوی (ولادت ۲۳۹ھ وفات ۳۲۱ھ) ان خوش نصیبوں میں ہیں جنھوں نے شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف لکھ کر اور اس میں فقہ حنفی کی موید احادیث درج کر کے اس کی زبردست تائید وحمایت کی ہے۔ کتاب مستطاب ''کتب سنن'' کے درجہ میں ہے۔ بلکہ بہت سے ائمہ حدیث نے اسے سنن اربعہ پر ترجیح دی ہے۔ مگر افسوس کہ اس کتاب کو معرض وجود میں آئے ہوئے گیارہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا لیکن اس کی کوئی اہم شرح ابھی تک دستیاب نہیں ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کی شرح کی بھی، جس کا نام ہے نخب الافکار اور مبانی الاخبار، مگر وہ بروقت عام طور پر دستیاب نہیں ہے۔ کوئی مبسوط حاشیہ بھی نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں اہل سنت کے ایک عظیم سرخیل حضرت مولانا محدث سورتی علیہ الرحمہ ایک مختصر سا حاشیہ نظر سے گزرا، جو طحاوی شریف کے ساتھ ہندوستان میں چھپ رہا ہے۔ معلوم نہیں فقہائے احناف نے کیوں کر اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ جب کہ اکابر فقہا سب کے سب محدث تھے۔ کوئی بعید نہیں کہ وہ اس طرف توجہ فرماتے تو ضرور اس کی اور موطا امام کی کئی مبسوط شرحیں منظر عام پر آجاتیں۔ حسرت اس بات پر بھی ہے کہ علمائے احناف دوسرے مسلک کی کتب احادیث کی شروحات اور حاشیہ نگاری میں تیز گام نظر آتے ہیں۔ اگر پیچھے ہیں تو اپنے مسلک کی کتب احادیث میں۔ جب کہ دوسرے مسالک کے علمائے کرام کی توجہ عموماً اپنے مسلک کی کتب کی خدمات پر مرکوز ہے۔

ہزاروں رحمتیں ہوں خلیفہ اعلیٰ حضرت فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ امجدی علی اعظمی قدس سرہ پر کہ انھوں نے اپنے شاگردوں اور علمائے کرام پر کرم کرتے ہوئے اس پر مبسوط حاشیہ ''کشف الاستار'' کے نام سے لکھ دیا، جو تمام مغلقات اور مبہمات کو حل کرنے کی حیثیت سے شرح کا کام دیتا ہے۔ یہ حاشیہ اپنے اندر کئی خصوصیات رکھتا ہے۔ اس میں باب سے متعلق احادیث کی تخریج بھی ہے اور مدعا کو ثابت کرنے کے لیے موید احادیث کا انبار بھی۔ احادیث کریمہ اور عبارات طحاوی کی تسہیل وتیسیر اور تلخیص بھی ہے۔ اور بیشمار مسائل کا استنباط بھی۔ اس میں لغات حدیث کا حل بھی ہے اور اسمائے رجال پر گفتگو بھی۔ آج ہم اپنے اس مختصر مقالہ میں اسی حاشیہ کی خصوصیات اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی فہم حدیث، شانِ فقاہت اور استنباط مسائل پر روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

بعد نماز عصر دو رکعت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ:

بعض علما نے کہا کہ جس شخص نے نماز عصر پڑھ لی ہے اس کے لیے اس کے بعد نماز نفل پڑھنا جائز ودرست ہے۔ داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عصر کے بعد کوئی نفل پڑھنا جائز نہیں ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار میں ایک باب باندھا ہے ''باب الرکعتین بعد العصر'' اس کے تحت دونوں فریق کی موید حدیثیں لائی ہیں۔ پھر کئی احادیث رسول سے امام اعظم ابو حنیفہ کے مسلک کو ترجیح دی اور ثابت کیا ہے۔ مجوزین کی طرف سے ایک حدیث یہ پیش کی ہے۔

''عن عائشة قالت ما ترک رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الرکعتین عندی بعد العصر قط''

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی میرے پاس جلوہ فرما ہے تو کبھی انھوں نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا نہ چھوڑا۔ (شرح معانی الآثار مع کشف الاستار ص ۲۴۲ جلد دوم)

امام طحاوی بہت سے دیگر مصنفین سے ہٹ کر اسلوب تحریر میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ کہ آپ مثبت ومنفی دونوں پہلو اجاگر کرتے ہیں۔ مثبت اور نافی دونوں طرح کی احادیث پیش کر کے مسلک حنفی کی خوبی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا کئی جہت سے مدلل اور مطابق نقل وعقل ہونا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جہاں بعد عصر دو رکعت نماز پڑھنے پر دلالت کرنے والی دس روایات کا ذکر کیا ہے، وہیں بتیس ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ بعد عصر نماز نفل پڑھنا ناجائز وممنوع ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

حضرت کریب سے روایت ہے کہ ابن عباس، عبد الرحمٰن بن ازہر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا یہ ہماری طرف سے انہیں سلام کہو اور بعد نماز عصر دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بارے میں ان سوال کرو، اور یہ عرض کرو کہ آپ یہ دو رکعتیں پڑھتیں ہیں، جب کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دو رکعت سے منع فرمایا ہے۔

حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ پاس آیا اور ان تک وہ پیغام پہنچایا جو ان تینوں نے کہا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جا کر پوچھو پھر میں ان تینوں کے پاس واپس لوٹ کر آیا اور کہا کہ حضرت عائشہ نے یہ فرمایا ہے، پھر ان سبھوں نے اس پیغام کو لے کر مجھے حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا لہذا پیغام پہنچانے پر ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ اس نماز سے منع فرماتے ہیں۔ پھر میں نے انہیں یہ پڑھتے دیکھا، آپ نے اس وقت یہ نماز پڑھی جب عصر پڑھ کر میرے پاس تشریف لائے، اور میرے پاس انصار میں سے بنی حوام کی کچھ عورتیں تھیں۔ میرے پاس پہنچنے کے بعد یہ نماز پڑھی، میں نے ایک بچی کو آپ کے پاس بھیجا اور میں کہا کہ حضور کے بغل میں کھڑی ہو جا، اور عرض کر کہ آپ سے حضرت ام سلمہ عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم"لم اسمعک تنھی عن ھاتین الرکعتین و اراک تصلیھا "(میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ اس دو رکعت نفل سے منع فرماتے ہیں اور آپ کو میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ انہیں پڑھ رہے ہیں۔ اگر حضور ہاتھ سے اشارہ کریں تو، پیچھے ہٹ جانا بچی نے ایسا ہی کیا، کہ حضور کے پہلو میں آ کر کھڑی ہو گئی، حضور نے اشارہ فرمایا تو پیچھے ہٹ گئی۔ جب سلام پھیر کر فراغت فرمائی تو فرمایا: اے بنت ابی امیہ (ام سلمہ) تو نے عصر کے بعد دو رکعت والی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وفد عبدالقیس کہ کچھ لوگ اسلام لانے میرے پاس آئے تو ان کے ساتھ مشغولیت ظہر کے بعد والی دو رکعت سنت سے مانع ہوئی تو یہ وہی دو رکعت ہے، جو میں نے ابھی پڑھی ہے۔ (شرح معانی الاثار ج دوم ص۲۴۵/۲۴۶)

دوسری حدیث یوں ہے۔

"عن حمران بن ابان قال خطبنا معاویة بن ابی سفیان فقال یاایھا الناس انکم تصلون صلوٰة قدصحبنارسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما رأیناہ یصلیھاوقد نھی عنھا یعنی الرکعتین بعد العصر" ۔

حضرت حمران بن حبان کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ ابن ابی سفیان نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ اے لوگو! تم لوگ ایسی نماز پڑھتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں، میں رہا ان کو یہ نماز پڑھتے نہ دیکھا تحقیق کہ انہوں نے عصر کے بعد والی دو رکعت سے منع فرمایا۔ (شرح معانی الآثار مع کشف الاستار جلد دوم، ص۲۵۲)

اس روایت کو بخاری اور بیہقی نے بھی بیان کیا ہے (کشف الاستار ص۲۵۲) اسی طرح یہ روایتیں بھی ملحوظ خاطر رہیں کہ حضرت سیدنا عمر اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں کو مار مار کر منع کرتے تھے جو بعد نماز عصر نفل پڑھا کرتے تھے۔

الفاظِ حدیث ملاحظہ ہوں:

"عن أبي جمرة قال سالت بن عباس عن الصلاة بعد العصر فقال رأیت عمر یضرب الرجل اذا رآہ یصلی بعد العصر(شرح معانی الآثار ص۲۵۳)عن الاشترقال کان خالد بن الولید یضربه الناس علی الصلاةبعد العصر (شرح معانی الآثار ص۲۵۳)

اس سے واضح ہوا کہ دونوں مدعا کے حوالے سے حدیثیں وارد ہیں۔ لہٰذا داؤد ظاہری اس بات کی طرف گیا کہ بعد عصر نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور کچھ صحابہ سے بھی ایسا منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان صحابہ کرام تک منع والی حدیث نہیں پہنچ پائی یا یہ کہ انہوں نے اس حوالے کی نہی (منع) کو نہی تنزیہی پر محمول کیا، تحریمی پر نہیں۔

حضور صدرالشریعہ قدس سرہ نے اپنے مایہ ناز حاشیہ کشف الاستار میں یہ ذکر کیا کہ جن روایتوں میں یہ ذکر ہے کہ حضور نے عصر کے بعد نماز پڑھی وہ خصائص نبوت سے ہے۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:۔

"ونحن نقول :صلوته بعد العصرمن خصائصه لا یجوز لاحد ان یتنفل بعد العصر ویدل علیه ما رواہ ابو داؤد والبیھقی عن ذکوان مولیٰ عائشةانھا حدثته ،ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی بعد العصر رکعتین وینھی عنھما ویواصل وینھی عن الوصال وما روی عن ام سلمة رضی اللہ

تعالیٰ عنھا حین صلی النبی صلی اللہ علیه وسلم بعد العصر سالته یا رسول اللہ افنقضیھما اذا فاتتا قال لا "فدل ھذا ان ھذہ الصلوٰة مخصوصة بالنبی صلي اللہ علیه وسلم لا یجوز لاحدان یصلیھا"۔(کشف الاستار ص۲۴۳)

ترجمہ: "اور ہم یہ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا تو یہ خصائص نبوت میں سے ہے۔ اور اس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کی روایت ابو داؤد اور بیہقی نے کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت ذکوان سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ان سے حدیث بیان کیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے بھی اور اس سے منع بھی فرماتے تھے۔ صوم وصال رکھتے بھی اور اس سے منع بھی فرماتے تھے۔ اور وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم ان دو رکعت کی قضا پڑھیں جب یہ فوت ہو جائیں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ تو یہ دلالت کرتی ہے کہ یہ نماز صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ اسے پڑھے"۔

اور جب ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث میں یہ ہے، کہ حضور نے ظہر کی فوت شدہ سنت بعد عصر پڑھی تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا ہم بھی اس کی قضا پڑھیں تو حضور نے فرمادیا کہ نہیں۔ تو واضح ہوا کہ بعد عصر کوئی نفل نہیں پڑھ سکتے اگرچہ فوت شدہ سنت ہی کیوں نہ ہو۔ حضور کا پڑھنا آپ کی خصوصیت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث امام شافعی کے خلاف ہے کہ وہ ظہر وغیرہ کی فوت شدہ سنتوں کو پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

حضور صدرالشریعہ نے صرف دعویٰ نہیں کیا بلکہ دلیل سے بھی مزین کیا ہے۔ جیسا کہ درج بالا عبارت سے واضح ہے۔ نیز آگے چل کر علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے **"فدل علی ان صلوته علیه السلام مخصوصة به دون امته"**۔ (یعنی یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعد عصر حضور کا نماز پڑھنا آپ کے خصائص میں سے ہے۔ آپ کی امت کو اس کی اجازت نہیں)

حضور صدرالشریعہ باب کے آخر میں امام طحاوی علیہ الرحمہ کے قول کا خلاصہ بھی پیش کرتے ہیں جس سے اصل مسئلہ منقح ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: "اس باب میں جو بھی مذکور ہوا اس کا حاصل یہ ہے کہ بعد عصر نماز پڑھنا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر وہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کی موجودگی میں بعد عصر دو رکعت پڑھنے والے کو کوڑا مارتے تھے اور کوئی صحابی حضرت عمر کی اس فعل کا انکار نہیں کرتا تھا۔

اور شوافع میں سے ماوردی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور خطابی نے کہا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ دوسروں کے لیے یہ حکم نہیں۔ اور ابن عقیل نے کہا یہی توجیہ توجیہ ہے۔

اس کے علاوہ ہم دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ مبیح اور حاظر (اباحت اور عدم اباحت پر دلالت کرنے والی روایات) جب متعارض ہو جائیں تو حاظر (عدم جواز پر دلالت کرنے والی) کو متاخر اور ناسخ مانا جاتا ہے۔ اور اسی پر عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا ممانعت

والی حدیث کثرت طرق اور اپنے مخرج کے تواتر کے ساتھ مبیح (جواز پر دلالت کرنے والی) حدیث پر راجح قرار پائے گی، او ر مبیح مرجوح ہوگی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نہی (ممانعت) والی حدیث قولی ہے اور مبیح (جواز والی) فعلی ہے اور اصول یہ ہے کہ قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے۔لہٰذا ممانعت والی حدیث کو ترجیح دیا گیا" (کشف الاستار ج ۲، ص ۲۵۵)

استنباط مسائل:۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی درج بالا حدیث سے کئی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔جن کو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے کشف الاستار میں درج کیا ہے۔انہیں ہم یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ آپ کی شان فقاہت پر روشنی پڑے۔

(۱) حضرت ام سلمہ کی حدیث میں جب ایک لڑکی نے آپ کے حکم سے حضور کے پہلو میں کھڑی ہو کر حضور سے مذکورہ سوال کیا دراں حالیکہ آپ نماز میں تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ نمازی کا دوسرے کے کلام کو سننا اور سمجھنا جائز ہے۔اور یہ نماز کے لیے مضر نہیں ہے۔

(۲) اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ سن کر یقین کی تحصیل پر قدرت رکھنے کے باوجود خبر واحد اور عورت کی خبر کا قبول کرنا درست ہے۔(۳) کنیت میں تعظیم ہوتی ہے اور آدمی خود اپنے بارے میں تعظیم کا اظہار کرے، جائز نہیں۔لیکن جب اس حدیث میں ہے کہ اے بچی حضور سے کہو کہ ام سلمہ کہتی ہیں تو ثابت ہوا کہ آدمی اپنی کنیت کا ذکر کر سکتا ہے جب کہ کنیت ہی سے جانا پہچانا جا تا ہو۔(۴) جب حضور نے اسلام لانے والے وفد عبدالقیس کو دیکھا تو ظہر کی دو رکعت کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ثابت ہوا کہ جب دو دینی کام درپیش ہوں تو پہلے ان میں سے اہم کو اختیار کرے۔لہٰذا حضور نے وفد عبدالقیس کے نومسلموں کی طرف توجہ کی اور سنت ظہر کو اس وقت چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس کا وقت گذر گیا۔آپ نے اس لیے ایسا کیا کہ ان کے ارشاد و ہدایت میں مشغول ہونا زیادہ اہم تھا۔(۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آداب میں سے ہے کہ آدمی جب کسی نمازی سے کچھ سوال کرے تو پیچھے یا سامنے نہ کھڑا ہو، بلکہ پہلو میں کھڑا ہو، تا کہ مصلی دقت میں نہ پڑے، اور اشارہ کرنے میں مشقت میں نہ پڑے۔(۶) اس حدیث میں حضرت ام سلمہ کی ذہانت و فطانت پر اور سوال میں نرمی کے ساتھ اچھے طور سے جواب کے منتظر رہنے پر اور ان کے معاملۂ دینی کے اہتمام پر دلالت ہے۔(۷) اس سے مہمان کے احترام و دل جوئی کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے جب حضرت ام سلمہ نے اپنے پاس کی موجودہ عورتوں کو سوال کرنے کا حکم نہ دیا اور خود سے اٹھ کر اور حضور کے پاس جا کر انہیں نہ چھوڑا، بلکہ ان کے درمیان جلوہ افروز رہیں اور بچی کے ذریعہ سوال کیا۔(۸) عورتیں کسی عورت کی زیارت کے لیے جا سکتی ہیں اگر چہ اس کا شوہر اس کے پاس ہو۔(۹) گھر میں نماز نفل پڑھنا ثابت ہوا جب کہ یہ مسئلہ محقق ہے کہ نفل گھر میں پڑھنا مستحب ہے۔(۱۰) بلا ضرورت نمازی سے قریب ہونا مکروہ ہے۔(۱۱) یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ آدمی مشکل احکام کی تحصیل و معرفت میں جلدی کرے تا کہ وسوسہ سے نجات پائے۔(۱۲) جب حضرت ام سلمہ کے حکم سے سوال کرنے والی بچی کو حضور نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا تو ثابت ہوا کہ مصلی کا اپنے ہاتھ سے اشارہ کرنا یا دوسرے افعال خفیفہ کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں۔(کشف الاستار ج ۲، ص ۲۴۸ وغیرہ)

اب سوال یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قول کیا ہے کہ بعد نماز عصر نفل پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے تو اس بابت صحابۂ کرام، تابعین عظام، محدثین فخام اور فقہائے ذوی الاحترام سے ان کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اس گوشہ کو بھی صدر الشریعہ نے نہیں چھوڑا، اور واضح کیا کہ کن کن اساطین ملت سے آپ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔علامہ عینی کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فجر کے بعد نفل پڑھنے کو مکروہ جانا اور عصر کے بعد بھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔اور یہی قول ہے حسن بصری، سعید بن میسب، علاء بن زیاد، حمید بن عبدالرحمٰن کا۔اور امام نخعی نے کہا کہ یہ لوگ اسے مکروہ جانتے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔اور ابن بطال نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر اب یہ حدیث آتی ہے کہ آپ نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کی موجودگی میں عصر کے بعد نفل پڑھنے والے کو مارا کرتے تھے اور صحابہ کرام انکار نہ کرتے تھے۔تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعد عصر حضور کا دو رکعت پڑھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، امت کے لیے درست نہیں ہے۔اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، سمرہ بن جندب، زید بن ثابت، سلمہ بن عمرو، کعب بن مرہ، ابوامامہ، عمرو بن عفصہ، عائشہ، صنابحی، جس کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو نے اس نماز کو مکروہ جانا ہے۔اور اشتر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ خالد بن ولید بعد عصر نماز پڑھنے والے لوگوں کو مارا کرتے تھے۔اور اس نماز کو حضرت سالم اور ابن سیرین نے مکروہ جانا ہے"۔(کشف الاستار ج ۲، ص ۲۴۳/۲۴۴)

اسی طرح ترمذی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اور یہی قول ہے صحابہ کرام اور ان کے بعد والے اکثر فقہائے کرام کہ ان سبھوں نے نماز فجر کے بعد جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے اور عصر کے بعد جب تک کہ سورج غروب نہ ہو جائے نماز پڑھنے کو مکروہ جانا ہے" (کشف الاستار ج ۲، ص ۲۵۰)

کشف الاستار کی ایک خوبی یہ ہے کہ امام طحاوی نے کسی مسئلہ پر احادیث کے انبار لگا ہیں تو حضور صدر الشریعہ نے ان کی تخریج کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ حدیث کی فلاں فلاں کتاب میں بھی ہے، اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ طحاوی کے علاوہ اور بھی احادیث مسلک حنفی کی تائید میں لاتے ہیں۔جیسے مسئلہ دائرہ میں مسلک احناف کے اثبات میں امام طحاوی علیہ الرحمۃ نے تقریباً ۳۲/احادیث پیش کی ہیں اور لکھا کہ یہ صحابہ کرام بعد عصر نماز پڑھنے سے منع فرماتے ہیں۔اس کے ذیل میں حضور صدر الشریعہ یہ حاشیہ لگا کر مزید یہ اضافت فرماتے ہیں:۔

"ومثل هذا روي عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه قال: تمرتان بزبد أحب الي من صلاة بعد العصر
یعنی عصر کے بعد کی نماز سے مجھے جھاگ والی دو کھجور زیادہ محبوب ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم و محقق ہے کہ جو فقیہ ہوتا ہے وہ محدث بھی ہوتا ہے۔اس کے باوجود ممکن ہے کہ کشف الاستار کے

منظر عام پر آنے سے قبل بعض حضرات آپ کی تصانیف جلیلہ بہار شریعت اور فتاوی امجدیہ کے مطالعہ کے بعد صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے ہوں اور اس وہم کے شکار ہوئے ہوں کہ حضور صدر الشریعہ صرف فقیہ اعظم ہند ہیں، عظیم محدث نہیں۔ کیوں کہ ان کی تصانیف صرف فقہ کے موضوع پر ملتی ہیں۔ لیکن حدیث کی جامع و مستند کتاب شرح معانی الآثار کے حاشیہ کشف الاستار کے جلوہ بار ہونے کے بعد اب کسی طرح کے وہم کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ کیوں کہ اس میں جہاں آپ کی فقیہانہ شان کے جلوے جابجا نظر آتے ہیں وہیں آپ کی محدثانہ شان کے گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ امام طحاوی جہاں مسلک احناف کی تائید میں احادیث کا ذخیرہ پیش فرماتے ہیں وہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بھی کئی احادیث حوالے کے ساتھ اضافہ فرماتے ہیں۔ دوسری طرف امام طحاوی قدس سرہ کی روایت کردہ احادیث کے بارے میں احادیث کی دیگر مستند کتابوں سے تخریج کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ وہی ام سلمہ کی حدیث جسے حضرت کریبہ نے بیان کیا ہے۔

اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قوله ان كريباً الخ: هذا الحديث أخرجه البخاري ومسلم وأبو داؤد والبيهقي باختلاف يسير في الالفاظ"۔

یعنی اس حدیث کی بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور بیہقی نے بھی کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کی ہے۔

بلاشبہ صرف چند ماہ میں اس قدر وقیع، جاندار اور شاندار عربی زبان میں کتاب لکھ دینا آپ کی شان محدثانہ اور فقیہانہ کو اجاگر کرتا ہے اور بہر حال قلم یہ لکھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تصنیف جلیل کشف الاستار تحقیقات انیقہ کا بہترین شاہکار و مرقع ہے۔

شرح اور حاشیہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ ہر اہم گوشے کو اجاگر کیا جائے۔ مثلاً حدیث کی کتاب ہے تو تخریج احادیث کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں ہے، مستنبط مسائل کو اجاگر کیا جائے، اگر کوئی عبارت حدیث مغلق ہو تو اس کی تشریح کی جائے، مشکل لغات حل کیے جائیں۔ اگر کسی لفظ پر اعتراض وارد ہو تو اس کا جواب دیا جائے پ۔ اگر بظاہر احادیث میں تعارض ہو تو ان کے درمیان تطبیق دی جائے۔ حضور صدر الشریعہ نے اپنے اس حاشیہ میں ان سب باتوں کا التزام کیا ہے۔ جس سے حاشیہ کی خوبیاں اجاگر ہو کر سامنے آتی ہیں۔

جیسے شرح معانی الآثار کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۲ پر حضرت عائشہ کی حدیث کے آغاز میں "رکعتان" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو نماز کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ ایک فجر کی دو رکعت سنت دوسری بعد عصر دو رکعت نفل، یعنی "رکعتان" کا لفظی ترجمہ تو اگر چہ ہے دو رکعت مگر مگر یہاں دو نماز مراد ہے۔ کیوں کہ دو رکعت تو صرف ایک ہی نماز ہوگی جب کہ دو نمازوں کا ذکر مقصود ہے۔ ایک قبل فجر کی اور ایک بعد عصر کی۔ تو اگر "رکعتان" کو لفظی معنی پر رہنے دیا جائے تو یہ اعتراض وارد ہوگا کہ نماز تو دو ہے اور رکعتان سے سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ہی ہے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کے تین جواب دیے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ ہے:

"وقوله "ركعتان" اى صلاتان لانه فسرها باربع ركعتان وهو من باب اطلاق الجزء وارادة الكل"

یعنی حدیث میں رکعتان سے مراد صلاتان ہے۔ کیوں کہ اس کی تفسیر چار رکعت سے کی ہے، اور یہ جز بول کر کل مراد لینے کے قبیل سے ہے۔

اسی لیے محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی قادری رقم طراز ہیں:

یقیناً ہمارے شیخ (محشی صدر الشریعہ علیہ الرحمہ) جلیل القدر محقق اور درست رائے رکھنے والے مدرس تھے۔ اور فقہی بصیرت میں منفرد او رفرید عصر تھے۔ احادیث نبویہ اور ان کی شرح میں انہیں ید طولی حاصل تھا اور دوسرے علوم معقولات و منقولات میں انہوں نے قدم راسخ پایا تھا۔ اس لیے طحاوی (شرح معانی الآثار) پر تحقیق کامل اور تدقیق تام کے ساتھ حاشیہ نگاری کرنے لگے باوجودیکہ امام بدر الدین العینی کی شرح طحاوی کا حصول ان کے لیے ممکن نہ ہوا۔

اس حاشیہ کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ ضروری بحث و تحقیق کے کسی گوشے کو انہوں نے نہیں چھوڑا ہے۔

حضرت محشی نے طلبہ اسلامی کے افہام و اذہان کا خیال و لحاظ کرتے ہوئے ابتداءً صرف متون احادیث اور امام طحاوی کی بحثوں پر حاشیہ کا التزام کیا۔ پھر چند صفحات کے لکھنے کے بعد احادیث کی تخاریج کا اضافہ کیا جو احادیث کی دوسری کتب میں آتی ہیں۔ اور رجال حدیث کے بارے میں حسب ضرورت کلام کیا تاکہ شرح معانی الآثار کا رتبہ دوسری کتب احادیث کے درمیان واضح اور متعین ہو جائے۔ (کلمۃ التقدیم علی کشف الاستار ج ا، ص ۴)

دو مقتدی ہوں، ایک امام، تو امام کہاں کھڑا ہوگا؟

یہاں تین مسئلے ذہن نشین کرنے کے قابل ہیں (۱) نماز پڑھنے والے صرف دو آدمی ہیں اور جماعت سے پڑھنا چاہتے ہوں تو اس کے بارے میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ امام کی دائیں جانب مقتدی کھڑا ہو۔ (۲) نماز پڑھنے والے تین سے زیادہ ہوں تو اس صورت میں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ امام آگے رہے گا اور بقیہ لوگ پیچھے کھڑے ہوں گے۔ (۳) صرف تین آدمی ہوں تو امام کہاں کھڑا ہو؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ امام آگے رہیں گے، اور دونوں مقتدی پیچھے صف لگائیں گے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود اور امام نخعی کا مسلک یہ ہے کہ امام بیچ میں، اور اس کے دائیں، بائیں دونوں مقتدی رہیں گے۔ اس طور سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوگیا۔ اس لیے محدث امام ابوجعفر طحاوی حنفی قدس سرہ (م ۳۲۱) نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار میں ایک باب باندھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: "امام دو آدمیوں کو نماز پڑھائے تو وہ امام کہاں کھڑا ہو"۔ اس باب میں امام نخعی علیہ الرحمۃ والرضوان کے موافق تین روایتیں عبداللہ بن مسعود کی لائیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں مقتدیوں کے درمیان میں امام کھڑا ہو۔ اس کے بعد چار حدیثیں وہ لائیں جن سے مسلک امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اصول اسلام پر مبنی کئی دلائل پیش کر کے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہمارے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ امام طحاوی نے عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث یہ پیش کی ہے:

"عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن ابيه قال دخلت انا وعمى على عبدالله بالهاجرة فاقام

الصلوٰة فتاخرنا خلفه فاخذاحدنا بیمینه والآخر بشماله فجعلنا عن یمینه وعن یساره فلما صلی قال هکذا کا ن رسول الله صلی الله علیه وسلم یضع اذا کانوا ثلثة"(شرح معانی الآثار مع کشف الاستار ج۲،ص۲۵۸)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن اسود اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں اور میرے چچا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ظہر کے وقت پہنچے تو انہوں نے نماز قائم کی تو ہم دونوں نے ان کے پیچھے ہٹ کر صف لگائی، اس پر آپ نے ہم سے ایک کو داہنے ہاتھ سے اور ایک کو بائیں ہاتھ سے پکڑا، اور ایک کو داہنی طرف اور ایک کو بائیں طرف کردیا۔ اور جب نماز سے فارغ ہو چکے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے جب تین افراد ہوتے۔

یہ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے۔ لیکن کئی احادیث طیبہ اس کے برخلاف ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

"عن عبادة بن الولید بن عبادة بن الصامت قال اتینا جابر بن عبدالله فقال جابر جئت رسول الله صلی الله علیه وسلم وهویصلی حتی قمت عن یساره فاخذنی بیده فادارنی واقامنی عن یمینه وجاء جبار بن صخر فقام عن یساره فدفعنابیده جمیعاً حتیٰ اقامناخلفه".(شرح معانی الآثار ج۲،ص۲۵۹/۲۶۰)

ترجمہ: عبادہ بن ولید سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو حضرت جابر نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) آیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ میں ان کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر گھما دیا اور مجھے داہنی طرف کردیا، پھر جبار بن صخر آئے تو وہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو ہم دونوں کو ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑا کردیا۔

اس حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں یہی درج ہے کہ جب دو مقتدی تھے تو حضور نے اور حضرت عمر نے ان دونوں کو پیچھے کر کے نماز پڑھائی۔ لہٰذا یہ حدیث حضرت امام ابراہیم نخعی کے مسلک اور عبداللہ بن مسعود کے عمل کے خلاف ہے۔ او راس سے سیدنا امام اعظم اور جمہور کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

اسی لیے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

تین نمازیوں کے بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ہم نہیں لیتے ہیں، لیکن یہ کہتے ہیں کہ جب تین افراد ہوں تو ان میں کا ایک بحیثیت امام دو کے آگے اور باقی اس کے پیچھے رہیں"۔ (کشف الاستار ج۲،ص۳۴)

اسی طرح حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت ملیکہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھانے کی دعوت دی جسے انہوں نے بنایا تھا۔ حضور تشریف لائے اور اس سے تناول فرمایا۔ پھر فرمایا: تم لوگ کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں تمہارے لیے نماز پڑھا دوں حضر

ت انس نے کہا کہ میں اپنی ایک چٹائی کو لینے کھڑے ہوئے جو طول زمانہ کے سبب کالی ہو چکی تھی پھر میں نے اسے پانی سے دھو دیا بعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں اور ایک بچہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بوڑھی (حضرت ملیکہ) ہم سب کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر واپس ہو گئے

اب سوال یہ ہے کہ بے شمار روایات کے وارد ہوتے ہوئے حضرت ابن مسعود نے ایسا کیوں کر کیا؟، اور کیا ان کے قول کی توجیہ ممکن ہے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور اس کی توجیہ ہے۔ حضور صدر الشریعہ قدس سرہ نے امام طحاوی اور جمہور کے حوالے سے اس کے کئی جوابات دیے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں۔

(۱)"بیہقی نے ہشام بن حسان سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن مسعود کے اس فعل کا تذکرہ حضرت ابن سیرین کے پاس گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابن مسعود نے اس لیے ایسا کیا کہ مسجد تنگ تھی۔ (پیچھے صف قائم کرنا ممکن نہ تھا) اس لیے دونوں مقتدی کو دائیں اور بائیں کرلیا"۔

(۲) امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں روایت کی کہ حضرت اسود نے کہا میں اور میرے چچا علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دوپہر میں گئے، تو انہوں نے ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے اقامت کہی تو ہم ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپ نے میرے اور میرے چچا کے ہاتھوں کو پکڑا اور ایک کو اپنی داہنی طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کردیا۔ پھر ہمارے بیچ میں کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں نے انکے پیچھے صف لگایا پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی طرح کیا کرتے تھے جب تین افراد ہوتے۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسود اور علقمہ کے بیچ تو کھڑے ہوئے مگر ان دونوں کے آگے تھے۔ اور وہ دونوں آپ کے پیچھے۔

تو اس معنی کی بنیاد پر بھی حضرت ابن مسعود کا عمل جمہور کے خلاف نہ ہوگا۔ فتاویٰ ہندیہ میں کہا ہے: "اگر امام کے ساتھ دو آدمی ہوں اور امام ان کے بیچ میں کھڑا ہو تو ان کی نماز جائز ہے"۔ اور درمختار میں ہے: "امام کے علاوہ ایک سے زائد آدمی ہوں تو وہ پیچھے کھڑے ہوں، اور اگر امام دو کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اور زیادہ کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ تحریمی ہے" ۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ صاحب درمختار نے جو کہا کہ مکروہ تنزیہی ہے، اس کے خلاف ایک روایت میں ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ پہلا زیادہ صحیح ہے، جیسا کہ امداد میں ہے۔ اور ہدایہ میں ہے: اگر کوئی دو آدمی کی امامت کرے تو وہ ان دونوں سے آگے رہے۔ اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ ان دونوں کے بیچ کھڑا ہو۔ یہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اور ہمارے لیے دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امامت فرمائی تو حضرت انس اور ایک بچہ سے آگے کھڑے ہوئے۔ تو آپ کا اس طرح کرنا افضلیت کی دلیل ہے اور ابن مسعود کا عمل اباحت کی دلیل ہے"۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی اس توضیح سے یہ واضح ہو گیا کہ جب دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہو، تو اس میں کراہت تنزیہی سے اجتناب اور افضلیت پر عمل ہے۔ اور اگر بیچ میں کھڑا ہو تو کراہت تنزیہی کا ارتکاب ہے مگر یہ جائز و مباح ضرور ہے ۔ اور اپنے اس مدعیٰ کو فتاوی ہندیہ، درمختار اور ردالمحتار کی عبارتوں سے مزین کردیا ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری

روایت مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے پیش کر کے اور دونوں حدیث کا مجمل متعین کر کے ایسی تطبیق پیدا کر دی ہے کہ اس کی طرف ہر کس و ناکس کا ذہن نہیں جا سکتا۔ اس سے آپ کی احادیث طیبہ کی معانی و مفاہیم پر عبور اور مسائل کے استنباط پر دسترس کا اندازہ لگتا ہے۔

حضور صدر الشریعہ ایک دو دلیل پر اکتفا نہیں کرتے اپنے موقف کے اثبات میں دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں فرماتے ہیں:

''فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یا تو تنگی جگہ کی وجہ سے ایسا کیا یا وہ وجہ ہے جو حازمی نے کہا کہ وہ منسوخ ہے۔ کیوں کہ اس طرح کی نماز مکہ شریف میں ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس میں تطبیق اور دوسرے احکام کا تذکرہ ہے جو اس وقت متروک ہیں۔ اور یہ مسئلہ دائرہ بھی ان ہی میں سے ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے اسے ترک فرما دیا۔ اس کی دلیل عبادہ بن الولید کی وہ حدیث ہے جس کی امام مسلم علیہ الرحمہ نے جابر سے تخریج کی۔ حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گیا، تو آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں آیا اور آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے مجھے گھما کر دائیں طرف کر دیا۔ پھر ابن صخر آئے اور وہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو حضور نے ہم دونوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور وہاں سے ہٹا کر پیچھے کھڑا کر دیا۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ حضور کا آخری عمل ہے۔ اس لیے کہ حضرت جابر بدر کے بعد والے غزوات میں شریک رہے ہیں الخ (کشف الاستار ج ۲، ص ۲۵۷)

مستنبط مسائل:۔ مذکورہ احادیث سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ مندرجہ ذیل مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) حضرت جابر کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ ''مجھے حضور نے بائیں سے ہٹا کر داہنے لا کر کھڑا کر دیا'' اس سے مسئلہ مستنبط ہوا کہ عمل قلیل جیسے یہاں پر بائیں سے دائیں کرنا، نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ (۲) نفل کو جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں لیکن ہم حنفیوں کے نزدیک اس صورت میں ہے کہ تداعی کے طور پر نہ ہو۔ در مختار میں کہا، نفل کی جماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے طور پر ہو۔ بایں طور کہ امام کے علاوہ پانچ نمازی ہوں۔ اور رد المحتار میں کہا، ایک آدمی کا ایک آدمی کی اقتدا میں نماز پڑھنا یا دو کا ایک آدمی کی اقتدا میں پڑھنا تو یہ مکروہ نہیں ہے۔ اور تین آدمی ایک امام کی اقتدا میں پڑھیں تو اس میں اختلاف ہے (جیسا کہ بحر الرائق میں کافی کے حوالے سے ہے) اور یہ اس وقت ہے جب ہر شخص نفل پڑھ رہا ہو۔ لیکن اگر نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور صدر الشریعہ نے مندرجہ ذیل مسائل متخرج کیے ہیں۔

(۱) حدیث مذکور میں ہے کہ حضرت ملیکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دے کر بلایا تھا۔ تو اس سے شادی کے علاوہ کی دعوت کا جائز ہونا ثابت ہوا۔ اور اس کھانے کا جواز بھی ثابت ہوا۔ (۲) تداعی کے طور پر نہ ہو تو نفل بھی جماعت سے پڑھنا درست ہے۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ملیکہ کے گھر میں یہ نماز پڑھی تھی لہٰذا ثابت ہوا کہ نوافل گھر میں

پڑھنا افضل ہے۔ کیوں کہ مسجدیں فرض کی ادائی کے لیے ہیں۔ (۴) کسی بزرگ کا دعوت دینے والے کے گھر میں نماز پڑھنا اور نماز سے دعوت دینے والے کا برکت حاصل کرنا محمود و پسندیدہ ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ نماز پڑھ کر حضور نے برکت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ عورتیں افعال بہت کم مشاہدہ کر پاتیں تھیں، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ حضرت ملیکہ انہیں سیکھ لیں اور دوسروں کو سکھا دیں۔ (۵) جب حضرت انس نے میلی چٹائی کو دھویا تو پتا چلا کہ جائے صلاۃ میلوں کو دور کر کے اسے ستھرا کر دینا چاہیے، اور اسی کے مثل ہے جائے صلوۃ کو کوڑا کرکٹ سے پاک کرنا۔ (۶) بچہ مردوں کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا ہو جائے تو جائز ہے۔ (۷) عورتیں مردوں کے پیچھے رہیں گیں۔ (۸) اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ جب عورت کے کھڑے ہونے کی جگہ بچوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کے بعد تو ان کا مردوں سے آگے ہونا بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ اور یہی جمہور کا قول ہے، البتہ اس میں تبری اور ابو ثور کا اختلاف ہے، کیوں کہ یہ عورتوں کی امامت جائز کہتے ہیں، ان دونوں سے یہ بھی حکایت ہے کہ تراویح میں عورتوں کی امامت جائز ہے، جب مرد تراویح پڑھانے والے نہ ملیں۔ (۹) سمجھ وال بچے کی نماز صحیح و درست ہے، جب ہی تو حضرت انس کے ساتھ ایک نابالغ سمجھ وال بچے نے نماز پڑھی۔ (۱۰) نماز چٹائی پر پڑھنا جائز ہے، اور ہر اس چیز پر جو زمین سے پیدا ہو جائز ہے۔ (۱۱) چٹائی اور اس کے مثل میں طہارت کا ہونا اصل ہے لیکن اس پر پانی کا چھینٹا مارنا یا دھونا یا اسے نرم کرنے کے لیے تھا یا میل کچیل کو دور کرنے کے لیے۔ (۱۲) یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ امام کے پیچھے دو آدمی کے ہونے سے ایک صف ہو جاتی ہے۔ (۱۳) عورتیں جب امام کے ساتھ نماز پڑھیں تو مردوں کے پیچھے کھڑیں ہوگیں لہٰذا اگر کوئی عورت مرد کی محاذات میں ہوئی تو حنفیوں کے نزدیک مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (کشف الاستار ج ۲ ص ۲۶۲، ۲۶۳)۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی مسائل حضور صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ السامی نے متخرج کیے ہیں اس سے آپ کی فہم حدیث اور تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا پتہ چلتا ہے۔

آپ کی کتب حدیث پر گہری نظر ہونے اور فہم حدیث پر اس بات سے بھی خاصی روشنی پڑتی ہے کہ آپ طحاوی شریف کی مندرج احادیث کی مختلف کتابوں سے تخریج کرتے ہیں۔ مثلاً یہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لے لیجیے اس کے تحت آپ رقم طراز ہیں:

''هذا الحديث أخرجه البخاري ومسلم والترمذي وأبو داود و نسائي''۔ (اس حدیث کی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، ونسائی نے تخریج کی)

آخر میں ہم شکر گزار ہیں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قبلہ قادری کے جن کی عنایتوں سے یہ حاشیہ ہماری نگاہوں کی ٹھنڈک بنا، اور حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری کے، جن کے اہتمام و انصرام سے یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ خصوصاً حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کے، جنھوں نے حضرت صدر الشریعہ کی اس علمی خدمت کی ترتیب و تہذیب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اور اس کو پوری دل چسپی اور لگن کے ساتھ طبع و اشاعت کے مرحلے تک پہنچایا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ ☆

حاشیہ طحاوی آسمان تحقیق کا روشن ستارہ

مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علم وحکمت کے جن تاجداروں نے چودہویں صدی کے عظیم فقیہ ومحدث اور نامور محقق ومجدد، امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان سے بلاواسطہ اکتساب فیض کیا، اور اپنی حکمت ودانائی، فضل وکمال اور علم وعمل کی ضیاء بار کرنوں سے جہاں اہل سنت کا گوشہ گوشہ روشن ومنور کیا، ان باکمال اور قدر آور ہستیوں کی نورانی فہرست میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا نام آفتاب وماہتاب کے مانند جگمگا رہا ہے۔ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے گلستان علم وحکمت سے خوشہ چین چن کر شعور وآگہی کا ایسا گلشن آباد کیا جس کی عطر بیز خوشبوؤں سے جہان علم وادب کا گوشہ گوشہ مشکبار نظر آتا ہے۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ، منطق وفلسفہ، نحو وصرف، ادب وبلاغت، معانی وبیان، طب وحکمت ودیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کو مہارت وممارست حاصل تھی۔ بالخصوص حدیث وفقہ میں آپ عرش کمال کی بلندیوں پر فائز تھے۔ فقہ کا کوئی ایسا باب نہ تھا جس کے جزئیات ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ آپ کو مستحضر نہ ہوں، کتاب مبدأ ومعاد کا کوئی ایسا عنوان نہ تھا جس کے اوراق وسطور احادیث سے بھرپور نہ ہوں۔ بارگاہ رضا سے فیضان علم وعرفان حاصل کرنے والوں میں آپ کی شخصیت اپنی نظیر آپ ہے۔ امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کی فقہی شان امتیاز کا اظہار اس طرح فرمایا۔

"آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء وغیرہ سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں طبیعت اخاذ ہے وتفیت ہو چلی ہے"۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۱۰۳)

یہی وجہ ہے کہ حاشیۂ طحاوی ہو یا مجموعۂ فتاوی، آپ کے ہر قلمی رشحات میں رضا کا رنگ تحقیق وطرز استدلال نظر آتا ہے، ایک فقیہ میں فقہ وافتا کے جن بنیادی اصول کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے وہ تمام اصول حضور مفتی اعظم ہند اور حضور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ امام احمد رضا کو اپنے ان دونوں شاگردوں کی فقاہت پر مکمل اعتماد تھا اسی لیے آپ نے ان دونوں باکمال ہستیوں کو غیر منقسم ہندوستان کا قاضی مقرر فرمایا تھا، اور اس منصب جلیل پر تقرر فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا اس کی بنا پر میں ان دونوں کو اس کام پر مامور کرتا ہوں، نہ صرف مفتی بلکہ شرع کی جانب سے ان دونوں کو قاضی مقرر کرتا ہوں کہ ان کے فیصلے کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو ایک قاضی اسلام کی ہوتی ہے اور اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کام کے لیے قلم اور دوات وغیرہ سپرد فرمایا" (فتاوی امجدیہ، اول ص)

فقہ حنفی کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں آپ کے گرانقدر خدمات ارباب علم ودانش سے پوشیدہ نہیں۔

آپ کا ایک بے مثال کارنامہ "بہار شریعت" کی تصنیف ہے، فقہ حنفی میں یہ ایک ایسی اعلیٰ ترین کتاب ہے جس کی نظیر اردو کتابوں میں نہیں ملتی، عقائد واعمال کا ہر ہر مسئلہ اس میں بیان کر دیا گیا ہے، ہدایت ورہنمائی کا یہ ایک ایسا روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں گم گشتگان راہ اپنی منزلوں کا پتہ لگا لیتے ہیں، برصغیر پاک وہند بلکہ عالم اسلام کے رہنماؤں کے لیے آج یہ کتاب ایک ضرورت بن گئی ہے۔ جہاں اہل سنت کی وہ کون سی ایسی درسگاہ ہے جن کے طاقوں کی یہ زینت نہیں ہے اور کون سا ایسا دارالافتاء ہے جن کی الماریوں میں بہار شریعت سجی ہوئی نظر نہیں آتی، بلکہ اکثر دین سے شغف رکھنے والوں کے گھروں میں پائی جاتی ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس عظیم کتاب پر اپنے قلبی تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا۔

"فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ مبارک رسالہ بہار شریعت حصہ سوم تصنیف لطیف اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ والطبع السلیم والفکر القویم والفضل والعلی مولانا ابوالعلا مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنی رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنی مطالعہ کیا۔ الحمد للہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی واغلاط کے مصنوع وملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔ مولیٰ عزوجل مصنف کی عمر وعلم وفیض میں برکت دے اور ہر باب میں اس کتاب کے اور حصص کافی وشافی وصافی تالیف کرنے کی توفیق بخشے اور انھیں اہل سنت میں شائع ومعمول اور دنیا وآخرت میں نافع ومقبول فرمائے۔ آمین۔ والحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین"۔ (بہار شریعت جلد سوم ص ۱۸۷، قادری کتاب گھر بریلی)

امام احمد رضا کی دعاؤں کا اثر دیکھا جا رہا ہے کہ بہار شریعت کو علما وعوام میں جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں، فقیہ اعظم، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا دوسرا اہم علمی کارنامہ، "کشف الاستار" کی تصنیف ہے۔ کشف الاستار امام محمد طحاوی حنفی علیہ الرحمہ کی شرح معانی الآثار، کا باقاعدہ مسلسل حاشیہ ہے۔ فقہ حنفی پر یہ آپ کا ایسا باکمال اور بلند پایہ حاشیہ ہے جس کا سطر سطر آپ کی علمی جلالت اور فقہی بصیرت پر شہادت دے رہا ہے۔ اس کتاب کے ہر ہر باب کے حاشیے میں اختلاف ائمہ، ان کے دلائل کے ساتھ بیان کرنا، حنفی موقف کی تائید وتوثیق کے لیے صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث سے استدلال کرنا، اسماء رجال الحدیث کی تحقیق وتفتیش، احادیث میں تعارض کے وقت حسن تطبیق اور جمع بین الادلہ کی صورتیں نکالنا، متعلقہ حدیث سے مستنبط مسائل واحکام کی جانب اشارہ کرنا اور اپنے افادات علمیہ کے جواہر پاروں کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا حاشیۂ طحاوی کی گوناگوں خوبیوں میں سے ہے۔

خدائے ذوالجلال کو شاید یہ منظور تھا کہ عظیم دادا کے اس حاشیۂ جلیل کی ترتیب وتہذیب ان کے ہونہار باصلاحیت پوتا کرے اسی لیے اس کو منظر عام پر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی ورنہ آسمان تحقیق کے آفتاب وماہتاب کے اس باکمال حاشیہ کو

بہت پہلے منظر عام پر آ کر اپنے علمی فیضان سے جہان اہل سنت کو فیضیاب کرنا چاہیے تھا۔

راقم السطور کو کشف الاستار جلد ثانی کے مقررہ صفحات (از ۲۲۹ تا ۳۰۴) پر اپنے تاثرات اور محشی علیہ الرحمہ کے کمالات علمیہ اور افادات عالیہ فن حدیث میں ان کی وسعت نظر اور تبحر علمی کے نقوش صفحات قرطاس پر ثبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ مجھ جیسا کم علم اور حقیر سراپا تقصیر ان کے علمی کمالات اور فنی اوصاف کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتا، تاہم مقررہ صفحات کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ طحاوی آسمان علم وحکمت کے بدر منیر اور حسن افادیت ومعنویت میں اپنی نظیر آپ ہے، دقت نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہر قاری یہ کہے گا کہ یقیناً اس کے محشی اپنے وقت کے فقیہ اعظم اور صدر الشریعہ تھے۔

احادیث کریمہ اور افادات صدر الشریعہ:

طحاوی شریف کے اکثر ابواب کے تحت آپ نے متخرجہ مسائل واحکام ذکر کرنے کے بعد اپنے ایسے افادات علمیہ کا ذکر فرمایا جو فن حدیث وفقہ میں آپ کی وسعت نظر اور علمی جلالت وفقہی بصیرت پر دلیل ہیں، مثلاً باب الرکعتین بعد العصر میں امام طحاوی نے یہ حدیث پاک ذکر فرمایا ہے۔

عن بکیران کریبا مولی ابن عباس حدثه ان ابن عباس وعبدالرحمٰن ابن ازھر والمسور بن مخرمه ارسلوه إلی عائشة فقالوا اقراها السلام منا جمیعا و سلها عن الرکعتین بعد العصر وقل انا اخبرنا انک تصیلنا وقد بلغنا ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عنهما (الی آخر الحدیث)

اس طویل حدیث کے تحت حاشیہ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے فوائد علمیہ وافادات عالیہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وفی هذا الحدیث فوائد اخر غیر ماذکر سابقا منها جواز استماع المصلی الی کلام غیره وفهمه له ولا یضر ذلک صلوته ومنها قبول خبرالواحد والمرأة مع القدرة علی الیقین بالسماع ومنها لا باس للانسان ان یذکر نفسه بالکنیة اذا لم یعرف إلابها، ومنها اذا تعارضت المصالح والمهمات بدأ باهمها ولهذا بدأ النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بحدیث القوم فی الإسلام وترک سنة الظهر حتی فات وقتها لأن الاشتغال بإرشادهم وبهدایتهم أهم، ومنها أن الأدب اذا سال المصلی شیئا ان یقوم إلی جنبه لا خلفه ولا أمامه لئلا یشوش علیه بان لا تمکنه الإشارة الیه إلا بمشقة، ومنها إکرام الضیف حیث لم تأمر ام سلمة إمرأة من النبوة الاتی کن عندها، ولم تترکهن وتباشر

السوال بنفسها، ومنها الدلالة علی فطنة ام سلمة وحسن تأنیها بملاطفة سوالها و إهتمامها بامرالدین، ومنها زیارة النساء المرأة ولوکان زوجها عندها، ومنها جواز التنفل فی البیت، ومنها کراهیة القرب من المصلی لغیر ضرورة، ومنها المبادرة الی معرفة الحکم المشکل فرارا من الوسوسة. (کشف الاستار جلد ثانی، باب الرکعتین بعد العصر، ص ۲۴۸)

مذکورہ حدیث پاک کے تحت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنے گیارہ افادات کا ذکر فرمایا، اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) نمازی کا دوسرے کی بات سننا اور سمجھنا جو جائز ہے، ان کا سننا اور سمجھنا مفسد للصلوۃ نہیں۔ (۲) یقین بالسماع پر قدرت کے باوجود ایک مرد یا ایک عورت کی خبر قبول کرنا۔ (۳) اپنے آپ کا ذکر کنیت سے کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے جبکہ اس کی معرفت اسی سے ہو۔ (۴) مصالح وحوادث کے متعارض ہونے کے وقت ان میں جو اہم ہو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ (۵) نمازی سے جب کچھ پوچھنا ہو تو طریقہ یہ ہے کہ پوچھنے والا ان کے پہلو کی جانب کھڑا ہو نمازی کے آگے یا ان کے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ (۶) اس حدیث پاک میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے امر دین میں اہتمام کرنے سوال میں نرمی برتنے اور ان کی ذہانت وفطانت پر دلیل ہے۔ (۷) مہمانوں کی تعظیم وتکریم کرنا۔ (۸) عورتوں کا کسی عورت کے پاس جانا اگرچہ اس عورت کے پاس اس کا شوہر موجود ہو۔ (۹) گھر میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔ (۱۰) بلا ضرورت نمازی سے قریب ہونا مکروہ ہے۔ (۱۱) وسوسہ سے بچنے کے خاطر مشکل امر کی معرفت کے لیے جلدی کرنا۔

فن حدیث میں آپ کی دقیق نظری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام طحاوی نے ''باب الرجل یصلی بالرجلین أین یقیمهما'' میں یہ حدیث درج فرمائی۔

عن انس بن مالک ان جدته ملیکة دعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لطعام صنعته فاکل منه ثم قال قوموا فلأصلی لکم قال انس فقمت إلی حصیر لنا قد إسود من طول مالبث فنضحته بماء فقام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وصففت أنا والیتیم وراءه والعجوز من وراءنا فصلی بنا رکعتین ثم انصرف.

مندرجہ حدیث کے تحت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے تیرہ افادات سپرد قرطاس کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وفی هذا الحدیث فوائد کثیرة، منها جواز الدعوة وإن لم تکن ولیمة عرس والاکل من طعامها، ومنها جواز النافلة جماعة، ومنها أن الأفضل أن تکون النوافل فی البیت لأن المساجد تبنی لأداء الفرائض، ومنها الصلوة فی دار الداعی وتبرکه بها...... ومنها: تنظیف مکان المصلی من الاوساخ ومثله التنظیف من الکناسات والزبالات، ومنها قیام

الطفل مع الرجال فی صف واحد، ومنها تأخر النساء عن الرجال، ویستنبط منه أن امامة المرأة للرجال لاتصح لأنه اذا کان مقامها متاخرا عن مرتبة الصبی فبالأولی أن لا تتقدمهم وهو قول الجمهور..... ومنها إن الأفضل فی نوافل النهار ان تکون رکعتین، لکن عند الإمام الأعظم ابی حنیفة رحمه الله الأربع أفضل سواء صلی فی اللیل اوفی النهار، والحدیث لا یدل علیٰ أفضلیة الرکعتین، ومنها صحة صلوة الصبی الممیز، ومنها الصلوة علی الحصیر و سائر ماتنبته الارض، وهو اجماع من شذ، ومنها ان الاصل فی الحصیر و نحوه الطهارة، لأن النضح فیه للتلیین أو لإزالة الوسخ، ومنها ان الاثنین یکونان صفا وراء الإمام، ومنها ان النساء إذا صلین مع الجماعة یقمن خلف الرجال فلو حاذت المرأة فسدت صلوة الرجل عند الحنفیة. (کشف الاستار جلد ثانی ص ۲۶۲،۲۶۳)

عبارت بالا میں ذکر کردہ تیرہ افادات عالیہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) شادی وولیمہ کے علاوہ بھی دعوت کرنا اوراس کا کھانا جائز ہے۔(۲) نفل کی جماعت جائز ہے (جب بطور تداعی نہ ہو)۔(۳) نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہے (جب کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔(۴) دعوت کرنے والے کے گھر میں نماز پڑھنا اور نماز سے اسے بابرکت بنانا۔(۵) نمازی کی جگہ کا میل وکچیل ودیگر گندگیوں سے پاک وصاف ہونا۔(۶) ایک ہی صف میں مردوں کے ساتھ بچے کا کھڑا ہونا۔(۷) عورتوں کا مردوں سے پیچھے ہونا (اس زمانے میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لیے آنا جائز نہیں) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا مردوں کے لیے امام بننا صحیح نہیں کیونکہ ان کا مقام جب بچوں سے مؤخر ہے تو بدرجۂ اولی وہ مردوں سے مقدم نہیں ہوسکتی جبکہ امام مقتدی سے مقدم ہوتا ہے۔(۸) دن کے نوافل کا دودو رکعت ہونا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار افضل ہے، دن میں ہو یا رات میں، اور یہ حدیث پاک رکعتین کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی۔(۹) ممیز اور سمجھدار بچے کی نماز صحیح ہے۔(۱۰) چٹائی اور ہراس شئی پر نماز صحیح ہے جو زمین پر اگتی ہے۔(۱۱) حصیر وغیرہ میں طہارت اصل ہے۔(۱۲) امام کے پیچھے دو مقتدیوں کا ہونا ایک صف ہے۔(۱۳) عورتیں جب امام کے ساتھ نماز پڑھیں تو وہ مردوں کے پیچھے کھڑے ہوں اگر عورت مرد کے محاذی کھڑی ہوگئی تو نماز مرد کی فاسد ہوجائے گی۔

افادات صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے یہ صرف دو نمونے پیش کیے گئے، حاشیہ کی دونوں جلدوں کے افادات اگر جمع کیے جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ افادات صدرالشریعہ کی ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی۔

حاشیۂ طحاوی کا طرز استدلال:

استحکام و پائیداری کے ساتھ احادیث سے موقف حنفی کی تائید وثبوت میں استدلال کرنا اور مخالف موقف کے

استدلالات کا اطمینان بخش جواب دینا، حاشیہ طحاوی کی اہم خصوصیت ہے، حسن استدلال کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

شرح معانی الآثار میں "باب الرکعتین بعد العصر" کے تحت حضرت امام طحاوی نے مندرجہ ذیل حدیث پاک تحریر فرمائی۔

عن عائشة انها قالت ما کان الیوم الذی یکون عندی فیه رسول الله صلی الله علیه ولم إلا صلی رکعتین بعد العصر.

مذکورہ حدیث پاک سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا کہ بعد عصر نفل پڑھنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ناجائز ہے۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اولاً حنفی موقف کی تائید وثبوت پر اس حدیث پاک سے استدلال فرمایا جس کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، اور وہ حدیث شریف یہ ہے۔

عن ابن عباس قال شهد عندی رجال مرضیون وارضاهم عندی عمر ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الصلوة بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس.

اور ثانیاً قائلین جواز نفل بعد العصر کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ونحن نقول: صلوته صلی اللّٰه علیه وسلم بعد العصر من خصائصه، لایجوز لاحدان یتنفل بعد العصر، ویدل علیه ماروا ه البیهقی عن ذکوان مولی عائشة انها حدثته ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی بعد العصر رکعتین وینهی عنهما، ویواصل وینهی عن الوصال" وماروی عن ام سلمة رضی اللّٰه عنها حین صلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بعد العصر سألته یا رسول اللّٰه أفنقضیهما اذا فاتنا قال لا" فدل هذا ان هذه الصلوة مخصوصة بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم لایجوز لأحد أن یصلیها.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بعد عصر دو رکعت ادا کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ بعد عصر نفل پڑھے، خصوص ہونے پر دو حدیثیں دلالت کررہی ہیں، ایک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آپ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر دو رکعت پڑھتے تھے لیکن اس سے منع فرماتے تھے، آپ صوم وصال رکھتے تھے لیکن لوگوں کو اس سے منع فرماتے تھے اور دوسری ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت ظہر کی دو رکعتوں کے فوت ہونے کی صورت میں ادا کرنے کا حکم پوچھا، تو آپ نے منع فرمایا۔

"رکعتین بعد العصر" کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونے پر حضرت صدرالشریعہ نے علمائے اعلام کے اقوال بھی پیش کیے اور پھر قائلین جواز کی دلیل کے متعدد جوابات تحریر فرمائے۔ چنانچہ اسی باب کے اخیر کے سطروں میں ارشاد

فرماتے ہیں۔

"حاصل ما ذكر فى هذا الباب أن الصلوة بعد العصر وإن ثبتت عن النبى صلى الله عليه وسلم لكنها مخصوصة به ولذا ضرب عمر رضى الله عنه على الركعتين بعد العصر بمحضر من الصحابة من غير نكير، وذكر الماوردى من الشافعية وغيره: ان ذلك من خصوصياته صلى الله عليه وسلم قال الخطابى: كان النبى صلى الله عليه وسلم مخصوصا بهذا دون الخلق وقال ابن عقيل، لاوجه الا هذا الوجه.

ومع هذا نقول: ان المبيح والحاظر اذا تعارضا جعل الحاظر متأخرا، ويعمل به، فحديث النهى مع كثرة طرقه وتواتر مخرجه، يترجح على حديث المبيح، وايضا حديث النهى قول وحديث المبيح فعل والقول يترجح على الفعل، وقال المحقق فى فتح القدير ماحاصله إن ضرب عمر رضى الله عنه على الصلوة بعد العصر كان بمحضر من الصحابة من غير نكير، فكان اجماعا هى ان المتقرر بعده عليه الصلوة والسلام عدم جوازهما، ثم كان ذلك دابه لأنه وقع منه مرة، فلم يطلع عليه بعضهم، او يجوز رجوعه كما يفيده قول انس بن مالك حين سئل عن التطوع بعد العصر، كان عمر رضى الله عنه يضرب الأيدى عن الصلوة بعد العصر، الحديث رواه مسلم (كشف الاستار، ج ۲ ص ۲۵۵)

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ بعد عصر نماز کا ثبوت اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر وہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکعتین بعد العصر کے پڑھنے والے کو مارا اور صحابۂ کرام میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا (گویا کہ صحابۂ کرام کا عدم جواز پر اجماع ہوگیا) اور شافعیہ میں سے ماوردی کا یونہی خطابی اور ابن عقیل کا بھی یہی موقف ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

اور اسی کے ساتھ ہم کہیں گے کہ مبیح اور حاظر کے درمیان تعارض کے وقت حاظر کو متاخر مان کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے، لہٰذا حدیث نہی کو کثرت طرق اور تواتر مخرج کی وجہ سے مبیح پر ترجیح دی جائے گی، اور اس لیے بھی کہ حدیث نہی قول اور حدیث مبیح فعل ہے اور قول کو فعل پر ترجیح دی جاتی ہے۔ محقق نے فتح القدیر میں کہا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوۃ بعد العصر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مارنا صحابۂ کرام کی موجودگی میں تھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی، تو اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام کے نزدیک عدم جواز ہی ثابت و متقرر ہے۔

طرز استدلال کے حسن و خوبی کی ایک جھلک اور ملاحظہ کریں۔

امام کے علاوہ صرف دو نمازی ہونے کی صورت میں جماعت اس طرح قائم کی جائے گی کہ امام آگے اور دونوں مقتدی

اس کے پیچھے کھڑے ہوں گے، یہی جمہور کا مسلک ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام دونوں مقتدی کے درمیان یعنی ان کے بیچ میں کھڑے ہوں گے، اور دلیل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پیش کی ہے جو شرح معانی الآثار کے "باب الرجل يصلي بالرجلين أين يقيمهما" میں مذکور ہے، اور وہ یہ ہے۔

عن عبدالله بن مسعود أنه صلى بعلقمة والأسود فجعل احدهما عن يمينه والآخر عن شماله قال ثم ركعنا فوضعنا ايدينا على ركبنا فضرب ايدينا بيده وطبق قال هكذا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم. (كشف الاستار جلد ثانى ص۲۵۷/۲۵۸)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بحوالۂ بیہقی و مسند احمد اس حدیث پاک کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فنقول روى البيهقى عن هشام بن حسان قال ذكرت ذلك لابن سيرين يعنى ما فعل ابن مسعود، فقال ابن سيرين كالمسجد ضيقاً. وروى احمد فى مسنده عن يعقوب عن ابن إسحاق قال: وحدثنى عبدالرحمٰن بن اسود بن يزيد النخعى عن ابيه، قال: دخلت أنا وعمى علقمة على عبدالله بن مسعود بالهاجرة، قال فأقام الظهر ليصلى فقمنا خلفه فأخذ بيدى ويدعمى، ثم جعل أحدنا عن يمينه والاخر عن يساره ثم قام بيننا، فصففنا خلفه صفا واحدا، ثم قال: هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل إذا كانوا ثلثة. وهذه الرواية تدل على ان ابن مسعود توسط بين أسود وعلقمة ولكن كان أمامهما وهما خلفه، فعلى هذا هذه الرواية لا تخلف ما اختاره الجمهور. (كشف الاستار جلد ثانى ص ۲۵۶)

بیہقی کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہشام بن حسان نے جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فعل کا ذکر ابن سیرین سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کا یہ فعل تنگی مسجد کے بنا پر تھا یعنی اظہار سنت نبوی کے لیے نہ تھا۔

اور مسند امام احمد کی راویت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت اسود و علقمہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور ابن مسعود ان کے وسط میں، لہٰذا یہ روایت جمہور کے خلاف نہیں ہے۔

اسی طرح آپ نے فتح القدیر کے حوالے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب اس طرح ارقام فرمایا:

قال فى فتح القدير: والجواب عن حديث ابن مسعود رضى الله عنه إما بانه فعله لضيق المكان، او ما قال الحازمى أنه منسوخ. (كشف الاستار ص۲۵۷)

یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے اور ناسخ حدیث جابر اور حدیث انس ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث یہ ہے:

عن جابر قال: سرت مع النبى صلى الله عليه وسلم بغزوة فقام يصلى فجئت حتى

قمت عن يساره فاخذ بيدى فاداونى عن يمينه فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فاخذ نابيديه جميعا فوضعنا حتى أقامنا خلفه، فهذا دال على أن هذا هو الاخر لأن جابرا انما شهد المشاهد التى بعد بدر. (كشف الاستار جلد ثانى ص۲۵۷)

اس حدیث شریف میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ مسئلہ مبحوث عنہا میں امام آگے اور دونوں مقتدی ان کے پیچھے کھڑے ہوں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر اور صخر کو اپنے پیچھے کھڑا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس کا خلاصہ سطور بالا میں گذرا۔ حضرت فقیہ اعظم، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک جواب ابن عبدالبر اور نووی کے حوالے سے یہ بھی دیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے هكذا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم نہیں کہا، اور راویوں سے ذہول ہو گیا اور اس طرح انھوں نے اپنی روایت میں جملہ سابقہ یعنی هكذا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم کو ملا لیا۔

حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

قوله هكذا فعل النبى صلى الله عليه وسلم قال ابن عبدالبر: لا يصح رفعه والصحيح عندهما الوقف على ابن مسعود رضى الله عنه وقال النووى فى الخلاصة الثابت فى صحيح مسلم أن ابن مسعود فعل ذلک، فلم يقل هكذا كان النبى صلى الله عليه وسلم يفعله وهما قد ذهلا، فان مسلما اخرجه من ثلث طرق، لم يرفعه فى الأولين ورفعه فى الثالثة، وقال هكذا فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم. (كشف الاستار جلد ثانى ص ۳۳. باب التطبيق فى الركوع)

بہرحال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بعض کے نزدیک مرفوع اور بعض کے نزدیک موقوف ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اپنے حاشیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

واياما كان، فحديث عبدالله بن مسعود هذا قد عارضته احاديث اخر وبعض هذه الاحاديث يدل على أن تقدم الإمام على إثنين كان متاخرا، فيكون هو الناسخ لحديث ابن مسعود رضى الله عنه. (كشف الاستار جلد ثانى ص ۲۵۹)

پورا حاشیہ حسن استدلال کے دلکش نمونوں سے بھرپور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کو صرف فقہ ہی میں عبور حاصل نہ تھا بلکہ آپ کو فن حدیث میں بھی کمال مہارت و ممارست حاصل تھا۔

کتب حدیث پر عقابی نظر:

مقررہ صفحات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ و دیگر کتب حدیث پر آپ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، بخاری،

مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے ابواب آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے، یہاں صرف دو عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جو آپ کی وسعت مطالعہ اور دقت نظر پر شاہد ہیں۔

باب الركعتين بعد العصر، میں امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ حدیث نقل فرمائی۔

عن ابن عباس قال شهد عندى رجال مرضيون. الخ.

اس کے تحت حاشیہ میں حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

هذا الحديث اخرجه الائمة الستة، ففى البخارى، شهد عندى رجال مرضيون وارضاهم عندى عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الصبح، الخ. ولمسلم: غير واحد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم عمر بن الخطاب، وكان احبهم إلى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة بعد الفجر. الخ. ولأبى داؤد: شهد عندى رجال مرضيون، وفيهم عمر بن الخطاب وارضاهم عندى عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة بعد صلوة الصبح حتى تطلع الشمس، ولا صلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس، وترمذى مثل لفظ مسلم، ولابن ماجه مثل رواية ابى داؤد إلا أنه قال لا صلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، الخ. ورواه مسدد فى مسنده ومن طريقه رواه البيهقى، ولفظه حدثنى ناس اعجبهم الى عمر رضى الله عنه. الحديث. (جلد ثانى ص ۲۴۹)

اسی طرح امام طحاوی نے اسی باب میں یہ حدیث درج فرمائی۔

عن عائشة أنها قالت ما كان اليوم الذى يكون عندى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا صلى ركعتين بعد العصر.

یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں کن لفظوں کے ساتھ مندرج ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها اخرجه البخارى و مسلم و ابواؤد والنسائى عن ابى اسحاق، ففى البخارى: قال رأيت الأسود ومسروقا شهدا على عائشة قالت ماكان النبى صلى الله عليه وسلم يأتينى فى يوم بعد العصر الاركعتين. وفى راوية مسلم، عن ابى اسحاق عن الأسود ومسروق قالا نشهد على عائشة انها قالت: ماكان يومه الذى كان يكون عندى الاصلاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فى بيتى تعنى الركعتين بعد العصر. وفى رواية ابى داؤد: قالت: ما من يوم يأتى على النبى صلى الله عليه وسلم إلا صلى بعد العصر ركعتين. وفى رواية النسائى قال: سمعت مسروقا والأسود قالا

نشهد على عائشة أنها قالت، كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان عندى بعد العصر صلاهما. رواه البيهقى ولفظه لفظ البخارى. (كشف الاستار جلد ثانى ص ۲۴۱)

اسماء رجال الحدیث پر حضرت صدر الشریعہ کی ژرف نگاہی:

فن حدیث پر مہارت وممارست رکھنے والوں کی ضروریات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسماء رواۃ حدیث پر ان کے مطالعہ کا دائرہ بہت وسیع ہو، تاکہ اس کی روشنی میں وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ وہ حدیث لائق استناد وحجت ہے یا نہیں، یا وہ قبولیت کے کس درجے پر ہے اور وہ کس قسم کے حکم کا افادہ کرے گی، اس حیثیت سے جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی ذات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آپ اس میدان کے بھی شہسوار نظر آتے ہیں، اسماء رجال الحدیث پر ان کی ژرف نگاہی اور دیدہ وری لائق صد رشک و فخر ہے۔ رجال الحدیث پر آپ کی وسعت مطالعہ کا یہاں صرف ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں "باب القراء ۃ فی رکعتی الفجر" کے تحت مندرجہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى ركعتى الفجر ركعتين خفيفتين. الخ. (كشف الاستار جلد ثانى ص ۲۳۰)

امام طحاوی نے اس حدیث کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

هذاالحديث اخرجه المصنف بثلثة اسانيد، الاول: عن يحيىٰ بن سعيد عن عمرة عن عائشة. الثانى: عن يحيىٰ بن سعيد عن محمد بن عبدالرحمٰن عن امه عمرة عن عائشه. الثالث: عن شعبة عن محمد بن عبدالرحمٰن قال: سمعت عمتى عمرة تحدث عن عائشة. (كشف الاستار، ج۲ ص ۲۳۰)

ان تینوں سندوں میں سے دوسری یعنی یحییٰ بن سعید کی روایت میں عمرۃ کو محمد بن عبدالرحمٰن کی ماں قرار دیا گیا، اور تیسری یعنی شعبہ کی روایت میں انھیں محمد بن عبدالرحمٰن کی پھوپھی کہا گیا، یونہی بعض روایتوں میں محمد بن عبدالرحمٰن کی کنیت ابوالرجال بتائی گئی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وذكر الدار قطنى فى العلل: ان سليمان بن بلال رواه عن يحيىٰ بن سعيد قال حدثنى ابوالرجال، وكذا رواه عبدالعز بن مسلم ومعاوية بن صالح عن يحيىٰ عن محمد بن

عمرة وهو ابوالرجال.

بہرحال عمرہ محمد بن عبدالرحمٰن کی والدہ ہیں یا پھوپھی؟ پھر ان روایتوں میں محمد بن عبدالرحمٰن کیا ابوالرجال ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور؟۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان باتوں کا جائزہ اور اس پر اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

واما المصنف ففى روايته عن يحيىٰ جعل عمرة ام محمد بن عبدالرحمٰن وشعبه جعلها عمته، فمحمد بن عبدالرحمٰن هذا، إن كان محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارة، وعمرة بنت عبدالرحمٰن بن سعد، تكون عمة ابيه لا عمة نفسه، وإن كان محمد بن عبدالرحمٰن بن حارثة بن النعمان الملقب بأبى الرجال، لان له عشرة اولاد، فعمرة امه لا عمته، لكنه لم يروعنها هذاالحديث.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سندوں میں محمد بن عبدالرحمٰن سے مراد اگر محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ ہو اور عمرہ سے مراد عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد ہو تو اس صورت میں عمرہ محمد کی پھوپھی نہیں ہوگی، بلکہ ان کے والد عبدالرحمٰن کی پھوپھی ہوگی۔

اور اگر محمد بن عبدالرحمٰن سے مراد محمد بن عبدالرحمٰن بن حارثہ بن نعمان الملقب بابی الرجال، ہو تو پھر اس صورت میں عمرہ ان کی پھوپھی نہیں بلکہ ان کی ماں ہے لیکن ابوالرجال نے اپنی ماں سے یہ حدیث روایت نہیں کی ہے۔ اس پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے خطیب کے حوالے سے یہ عبارت پیش کی۔

وقد نبه على ذلک الخطيب فقال فى حديث محمد بن عبدالرحمٰن عن عمته عن عائشة فى الركعتين بعد الفجر. ومن قال فى هذا الحديث عن شعبة عن ابى الرجال محمد بن عبدالرحمٰن فقد وهم، لان شعبة لم يرو عن ابى الرجال شيئا، وكذلک من قال عن شعبة عن محمد بن عبدالرحمٰن عن امه عمرة.

امام بیہقی نے اپنی سنن میں اسی حدیث پاک کو بایں سند ذکر کیا ہے۔

"انبا يحيىٰ بن سعيد الانصارى عن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارة، وهو ابن اخى عمرة عن عمرة"

بیہقی کی اس سند حدیث کے متعلق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ففى هذاالسند صرح بان محمد بن عبدالرحمٰن هذا هو محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد، وهو ليس كذلک، بل هو محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن ابن سعد. وايضا صرح ان محمد بن عبدالرحمٰن ابن اخى عمرة، وهذا ايضا ليس

بصحيح، لأن عمرة هذه هى عمرة بنت عبدالرحمٰن بن سعد، فكيف تكون عمة محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد، بل هى اخته، إلا أن يقال: ان قوله عبدالرحمٰن بن سعد نسبته إلى الجد"

حدیث بیہقی کے سلسلہ سند کے متعلق حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام طحاوی کی دونوں حدیثوں کی سندوں میں جو محمد بن عبدالرحمٰن ہیں وہ ابوالرجال نہیں، بلکہ وہ محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہی ہیں البتہ حدیث بیہقی کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہے، حالانکہ صحیح محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سعد ہے، اسی طرح بیہقی نے محمد بن عبدالرحمٰن کو عمرہ کا بھتیجا بتایا اور عمرہ کو ان کی پھوپھی کہا، حالانکہ صحیح یہ کہ عمرہ ان کی بہن ہیں نہ کہ پھوپھی۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا اور کہا ''إلا أن يقال إن قوله عبدالرحمٰن بن سعد نسبته الى الجد".

یعنی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد کہہ کر دادا کی جانب نسبت کی گئی ہے، اور ایسا کیا جاتا ہے۔

فقیہ اعظم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس بات کی بھی تحقیق پیش کی ہے کہ تابعین اہل مدینہ میں اس نام کے کتنے راویان حدیث گذرے ہیں، چنانچہ عینی کے حوالے رقم طراز ہیں۔

وذكر الجياني: ان محمد بن عبدالرحمٰن اربعة من تابعى اهل المدينة، أسماء هم متقاربة، وطبقتهم واحداة، وحديثهم مخرج فى الكتابين، الأول: محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان، عن جابر وأبى سلمة، روى عنه يحيىٰ بن ابى كبير، والثانى: محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل أبوالاسود، والثالث: محمد بن عبدالرحمٰن يعنى ابن زرارة، والرابع: محمد بن عبدالرحمٰن ابو الرجال، كذا ذكره العينى.

یہ تو ایک نمونہ پیش کیا گیا پوری کتاب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی وسعت مطالعہ، دقت نظر، فن حدیث پر آپ کی ژرف نگاہی اور دیدہ وری اور کمال مہارت وممارست کی دلیل پیش کر رہی ہے، حاشیہ طحاوی درحقیقت علم وحکمت کا چشمہ اور کمال تحقیق وتدقیق کا ایک صاف وشفاف آئینہ ہے، ان حاشیہ کی طرح اکثر عام حاشیہ نگاروں نے اپنے اپنے حواشی میں تفصیلی وتحقیقی گفتگو نہیں فرمائی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حاشیہ نہیں بلکہ امام طحاوی کی کتاب کی شرح ہے۔

حاشیہ طحاوی کے مطالعہ کرنے کے بعد ہر قاری یہ کہے گا کہ بلا شک وہ جس طرح فقیہ اعظم اور صدرالشریعہ تھے، اسی طرح وہ اپنے وقت کے ایک عظیم محدث بھی تھے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

کشف الاستار ایک تحقیقی مطالعہ

مولانا عبدالرحمٰن قادری مصباحی امجدی ردولی شریف

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کا حاشیہ طحاوی پیش نظر ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قلب کو سرور حاصل ہوا۔ اور معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔ واقعی یہ علمی تحقیقات کا خزانہ ہے۔ اس میں فقہ وحدیث کے مسائل پر بڑی تحقیقی بحثیں پیش کی گئی ہیں۔ کچھ مقامات سے چند مثالیں قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

کشف الاستار اور فن اسماء الرجال:

کشف الاستار اسماء الرجال کی حیثیت سے ایک محقق ومدقق کے لیے بھرپور معاون ومددگار ہے، جس کے ذریعہ حضور صدرالشریعہ نے راویوں کی حقیقت وواقعیت کو اجاگر فرمایا ہے کہ فلاں راوی قوی ہیں یا اقوی، ضعیف ہیں یا اضعف، ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، مختلط ہیں یا مدلس، اس تعلق سے یہ نظیر ہدیۂ ناظرین ہے:

امام طحاوی ''باب مس الفرج هل يجب فيه الوضوء ام لا'' کے تحت ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں:

" حدثنا يونس قال ثنا معن بن عيسىٰ القزاز عن يزيد بن عبد الملک عن المقبرى عن ابى هريرة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال من أفضىٰ بيده الى ذكره ليس بينهما ستر ولا حجاب فليتوضأ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا ہاتھ اس کی شرمگاہ تک بغیر کسی ستر وحجاب کے پہنچ جائے تو اسے وضو کر لینا چاہیے۔

اس حدیث پاک میں ایک راوی یزید بن عبدالملک ہیں حضور صدرالشریعہ ان کے تعلق سے فن اسماء الرجال پر اپنی دسترس کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" قوله يزيد بن عبد الملک بن مغيرة بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب بن هاشم النوفلى ابوالمغيرة. قال ابو حاتم عن أحمد ضعيف الحديث، وقال البخارى لينه يحيىٰ وقال أحمد عنده مناكير، وقال معاوية عن ابن معين ليس حديثه بذاک، وقال عثمان الدارمى عن ابن معين ما كان به بأس، وقال أحمد بن صالح المصرى ليس حديثه بشيئ، وقال أبو ذرعة ضعيف الحديث ، وقال مرة واهى الحديث وغلط القول

جدا،وقال ابو حاتم ضعيف الحديث ، منكر الحديث جداً، وقال البخارى أحاديثه شبه لا بشيئ وضعفه جدا، وقال النسائى متروک الحديث، وقال فى موضع اخر ليس بثقة، وقال ابن عدى ليس حديثه بالكثير وعامة ما يرويه غير محفوظة، وقال ابن سعد كان جلداً صارماً ثقة وله احاديث، وتوفى بالمدينة سنة سبع وستين ومائة" (كشف الاستار ج ا ص١٦٨)

ترجمہ: یزید بن عبدالملک بن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم نوفلی ابومغیرہ۔ ابوحاتم نے احمد سے روایت کرتے ہوئے یزید بن عبدالملک کو ضعیف الحدیث کہا، امام بخاری فرماتے ہیں کہ یحیٰی نے انہیں لین (نرم الفاظ جرح سے ہے) کہا، امام احمد کے نزدیک وہ منکر الاحادیث ہیں، اور معاویہ نے ابن معین سے روایت کرکے کہا کہ ان کی حدیث درجۂ قبول کی نہیں، عثمان دارمی نے ابن معین سے روایت کرکے کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں، احمد بن صالح مصری نے کہا کہ ان کی حدیث کچھ بھی نہیں، ابوزرعہ نے انہیں کبھی تو ضعیف الحدیث کہا اور کبھی واہی الحدیث اور زیادہ غلط قول کرنے والا کہا، ابوحاتم نے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہا، امام بخاری نے فرمایا کہ ان کی احادیث شبہ کی وجہ سے کچھ بھی نہیں اور ان کی کافی تضعیف کی، امام نسائی نے انہیں متروک الحدیث کہا اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں ہیں، اور ابن عدی نے کہا کہ ان کی حدیث زیادہ نہیں اور عام طور پر جن کی روایت انہوں نے کی ہیں وہ محفوظ نہیں ہیں اور ابن سعد نے کہا کہ وہ مضبوط اور بہادر ہیں (تعدیل کے الفاظ سے ہیں) ثقہ ہیں اور ان کی احادیث ہیں۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔

اسی باب کے تحت ایک راوی حضرت قیس بن طلق پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" قوله قيس بن طلق بن على بن المنذر الحنفى اليمامى، قال عثمان الدارمى سالت ابن معين قلت عبد الله بن نعمان عن قيس بن طلق قال شيوخ يمايمة ثقات، وقال العجلى يمامى تابعى ثقة وأبوه صحابى وذكره ابن حبان فى الثقات، فاما قول الامام الشافعى لا يعرفه فغير قادح لان الذين يعرفونه يعدلونه ويقولون انه ثقة فقول هولاء راجح مقبول "(كشف الاستار ج ا ص ١٧٢)

ترجمہ: قیس بن طلق بن علی بن منذر حنفی یمامی۔ عثمان دارمی نے کہا کہ میں نے ابن معین سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ عبداللہ بن نعمان بن قیس بن طلق سے روایت کریں تو آپ کا کیا خیال ہے تو ابن معین نے جواباً فرمایا کہ یمامیہ کے شیوخ ثقہ ہیں اور عجلی نے کہا کہ قیس بن طلق تابعی ہیں ثقہ ہیں اور ان کے والد محترم صحابی ہیں۔ اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔ تو امام شافعی کا یہ قول کہ وہ

انہیں پہچانتے نہیں یہ مضر نہیں کیوں کہ جو حضرات انہیں پہچانتے ہیں ان کی تعدیل کرتے ہیں اور انہیں ثقہ کہتے ہیں تو ان حضرات کا قول راجح و مقبول ہوگا۔

ایسے ہی اور نظیروں کے مطالعہ کے بعد اگر یہ کہا جائے کہ کشف الاستار فن اسماء الرجال کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے تو بلا شبہ یہ بات اپنی جگہ حق و درست ہے جسے کوئی صاحب ذوق انکار نہیں کرسکتا۔

کشف الاستار اور متعارض حدیثوں کے مابین تطبیق:

جب دو حدیثوں کے درمیان تعارض ہو جائے کہ ایک حدیث سے کسی شی کا اثبات ہو اور دوسری حدیث سے اس شی کی نفی ہو اس وقت دفع تعارض کے لیے اولاً یہ اصول حدیث میں سے ہے کہ ایسی صورت اختیار کی جائے جس سے دونوں حدیثوں پر عمل بھی ہو اور تعارض بھی ختم ہو جائے۔ یہ خصوصیت کشف الاستار میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شرح معانی الآثار میں ایک حدیث ہے:

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رجع من المسجد صلى ما شاء الله ثم مال الى فراشه والى اهله فان كانت له حاجة قضاها ثم ينام كهيأته ولا يمس الماء" وفى رواية اخرىٰ ايضا عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم انه كان ينام وهو جنب ولا يمس الماء" (شرح معانى الآثار ج ا ص ٢٧٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے واپس تشریف لاتے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا آپ نماز پڑھتے پھر بستر استراحت اور اپنی اہل کی طرف مائل ہوتے پس اگر آپ کو جماع کی حاجت ہوتی تو اسے پوری کرتے پھر اسی ہیئت پر سو جاتے اور پانی کو چھوتے تک نہیں۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ جنابت کی حالت میں سو جاتے اور پانی کو چھوتے بھی نہیں۔

پھر دوسری حدیث میں ہے:

"عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا أراد أن ينام وهو جنب توضأ وضوءه للصلوٰة وفى رواية اخرىٰ ايضا عن عائشة انها كانت تقول اذا أصاب أحدكم المرأة ثم أراد أن ينام فلا ينام حتى يتوضأ وضوءه للصلوٰة " (شرح معانى الآثار ج ا ص ٢٨٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضو فرماتے اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ ہی سے

روایت ہے آپ فرماتی تھیں کہ تم میں سے جب کوئی بیوی سے جماع کرے پھر سونا چاہے تو جب تک نماز جیسا وضو نہ کر لے اس وقت تک نہ سوئے۔

مذکورہ بالا پہلی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مرد اگر جماع کے بعد سونا چاہے تو بغیر وضو کیے سو سکتا ہے، جب کہ دوسری حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جنبی ہونے کے بعد سونے سے پہلے نماز جیسا وضو کرے۔ ان دونوں حدیثوں کے درمیان ظاہرا تعارض پیدا ہو رہا ہے، حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ان کے مابین اس طرح تطبیق دیتے اور تعارض ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ویمکن الجمع بین الحدیثین بان المراد من عدم مس الماء الغسل أو أن المراد کان یترک الوضوء فی بعض الاحوال لبیان الجواز" (کشف الاستار ج ا ص ۲۸۲)

یعنی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ عدم مس ماء سے مراد غسل ہے یا یہ مراد ہے کہ بسا اوقات وضو کو بیان جواز کے لیے ترک فرما دیتے۔

اس قسم کی نظیریں کشف الاستار کے اندر اکثر مقامات پر ملیں گی جو حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی علوم دینیہ میں بصیرت پر دلالت کرتی ہیں۔

کشف الاستار و توضیح المذاہب:

سیدنا امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمہ کا حدیث اثبات و نفی کے سلسلے میں طرز بیان یہ ہے کہ ایک جماعت کا مذہب "فذهب قوم" سے اور دوسرے فریق کا مذہب "وخالفهم اخرون" سے بیان فرماتے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس پر دونوں مذہب کے قائلین وائمہ دین کے اسماء کا ذکر فرمایا جس سے بلا تکلف مذاہب کی توضیح ہو جاتی ہے اور فریقین کا مطمح نظر مکمل کر سامنے آ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر مس ذکر سے وجوب وضو کے قائلین پر امام ابو جعفر طحاوی کے قول "فذهب قوم" پر تحریر فرماتے ہیں:

"وهو مروی عن ابن عمر وأبی ایوب الانصاری وزید بن خالد وأبی هریرة وعبد الله بن عمرو بن العاص وجابر و عائشة رضی الله عنهم وهو مالک والشافعی واحمد واسحق والاوزاعی و الزهری" (کشف الاستار ج ا ص ۱۶۰)

مس ذکر سے وجوب وضو کے تعلق سے احادیث حضرت ابن عمر، ابو ایوب انصاری زید بن خالد، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، جابر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی مذہب ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا۔

اور مس ذکر سے عدم وجوب وضو کے قائلین پر امام طحاوی کے قول "وخالفهم اخرون" کے تحت رقم فرماتے ہیں:

"وهو علی بن أبی طالب وعمار بن یاسر وعبد الله بن مسعود وحذیفة الیمان وعمران بن حصین وابن عباس وأبو درداء وسعد بن أبی وقاص فی إحدی الروایتین وسعید بن المسیب وحسن البصری وسعید بن جبیر وابراهیم النخعی وربیعة بن عبد الرحمن وسفیان الثوری واصحابه ویحییٰ بن معین وأهل الکوفة رضی الله تعالیٰ عنهم" (کشف الاستار ج ا ص ۱۶۰)

ترجمہ: مس ذکر سے عدم وجوب وضو کے تعلق سے احادیث حضرت علی بن ابی طالب عمار بن یاسر، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ یمانی، عمران بن حصین، ابن عباس، ابو درداء، ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص، سعید بن میسب، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، ربیعہ بن عبد الرحمٰن، سفیان ثوری اور ان کے اصحاب، یحییٰ بن معین اور اہل کوفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی ان کا مذہب ہے۔

کشف الاستار اور فوائد فقہیہ:

کسی حدیث پاک کی تشریح کرنے کے بعد اگر اس سے چند ضروری چیزیں متعلق ہیں تو ایسے موقع پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ "فی هذا الحدیث فوائد" یا "فیه فوائد" یا "یستفاد من هذا الحدیث" کہہ کر ان فائدوں کو ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً امام طحاوی علیہ الرحمہ "باب المستحاضة کیف تتطهر للصلوة" کے تحت ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:

"عن عائشة ان فاطمة ابنة ابی جیش جاءت الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وکانت تستحاض فقالت یا رسول الله انی والله ما اطهر أفأدع الصلوة ابدا ؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما ذلک عرق ولیست بالحیضة ، فاذا أقبلت الحیضة فاترکی الصلوة واذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم ثم صلی".

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئیں اس حال میں کہ آپ حائضہ تھیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا میں پاک ہی نہیں ہوتی (مسلسل خون آتا ہے) تو کیا میں مسلسل نماز چھوڑتی رہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نس کا خون ہے حیض کا نہیں تو جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض کی مقدار گذر جائے تو خون دھل کر نماز پڑھ لو۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں:

"فی هذا الحدیث فوائد، الاولیٰ: جواز استفتاء المراءة بنفسها ومشافهتها الرجال فی ما یتعلق بامر من امور الدین. الثانیة: جواز استماع صوت المراءة عند الحاجة

الشرعية . الثالثة : نهى للمستحاضة عن الصلوٰة فى زمن الحيض وهو نهى تحريم ويقتضى فساد الصلوٰة هنا باجماع المسلمين ويستوى فيها الفرض والنفل لظاهر الحديث ويتبعها الطواف وصلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة وسجدة الشكر . الرابعة : فيه دليل على نجاسة الدم .الخامسة : ان الصلوٰة تجب بمجرد انقطاع دم الحيض، واعلم انها اذا مضىٰ زمن حيضها وجب عليها ان تغتسل فى ا لحال لأول صلوٰة تدركها ولا يجوز لها بعد ذٰلک ان تترک صلوٰة أو صوما فيكون حكمها حكم الطاهرات فلا تستظهر بشيئ أصلا وبه قال الشافعى . السادسة: استدل بعض أصحابنا فى ايجاب الوضوء من خروج الدم من غير السبيلين لأنه صلى الله عليه وسلم علل نقض الطهارة بخروج الدم من العرق وكل دم يبرز من البدن فانما يبرز من عرق لأن العروق هى مجارى الدم من الجسد" . (كشف الاستار ج ا ص۲۳۵/۲۳۶)

اس حدیث پاک میں چند فائدے ہیں:

(۱) فی نفسہ عورتوں کا استفتاء کرنا اور امور دین میں سے کسی امر کے متعلق عورت کا مردوں سے براہ راست بات کرنا جائز ہے۔(۲) حاجتِ شرعیہ کے وقت عورت کی آواز سننا جائز ہے۔(۳) مستحاضہ عورتوں کو ایام حیض میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اور یہ منع، منع تحریم ہے اور ایسی حالت میں (یعنی اگر کوئی حیض کے ایام میں نماز پڑھے تو) باجماع مسلمین فساد صلوٰۃ کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس حکم میں فرض و نفل برابر ہیں ظاہر حدیث کی وجہ سے اور اسی کے تابع طواف، نماز جنازہ، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر بھی ہے۔(۴) اس حدیث میں خون کی نجاست پر دلیل ہے(۵) نماز محض دم حیض کے انقطاع سے واجب ہو جاتی ہے۔ آپ اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ جب عورت کے حیض کا زمانہ گذر جائے تو فوراً اس پر اس اول صلوٰۃ کے لیے غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے جسے وہ پائے، اس کے بعد اسے جائز نہیں ہے کہ کوئی نماز یا روزہ چھوڑے ایسی صورت میں اس کا حکم پاک عورتوں جیسا حکم ہوگا، تو وہ بالکل غفلت نہ برتے اور یہی قول امام شافعی کا ہے(۶) اس حدیث سے ہمارے بعض فقہائے احناف نے یہ استدلال فرمایا کہ سبیلین کے علاوہ سے بھی خون نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نقض طہارت کی علت نس سے خود نکلنے کو قرار دیا، اور ہر خون جو بدن سے ظاہر ہوتا ہے وہ نس ہی کا ہوتا ہے اس لیے کہ نس ہی جسم میں خون کی جگہ ہے

اسی طرح "باب مواقیت الصلوٰۃ" میں حدیث تعلیم صلوٰۃ کے تحت حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ويستفاد من هذا الحديث ان تاخير البيان الى وقت الحاجة جائز وهو مذهب اهل السنة ولم يخالف فى ذٰلک الا المبتدعة وذٰلک لان السائل لما ساله صلى الله عليه

وسلم فقال له صل معنا فأخر له البيان الى وقت الحاجة الى الفعل وهو عند وجوب الصلوٰة بدخول الوقت ، اما بيانه صلى الله عليه وسلم بالفعل فلانه يعم السائل وغيره من يحضر الصلوٰة ولو بين بالقول فما علم الاالسائل وحده او احاد معه" (كشف الاستار ج ا ص ۳۳۱/۳۳۲)

اس حدیث پاک سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ وقت حاجت تک کسی سوال کے جواب کو مؤخر کرنا جائز ہے یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے بد مذہبوں کے سوا اس کا کوئی مخالف نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سائل نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے اس سے ارشاد فرمایا "ہمارے ساتھ نماز پڑھو" اور بیان کو وقت حاجت یعنی فعل تک مؤخر فرمایا اور وہ دخول وقت کے ذریعہ وجوب صلوٰۃ کا وقت تھا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بالفعل بیان کرنا اس وجہ سے تھا تا کہ سائل کے علاوہ ان تمام لوگوں کے لیے عام ہو جائے جو نماز میں حاضر تھے اگر بالقول بیان فرماتے تو یا تو صرف سائل ہی جانتا یا اس کے ساتھ صرف چند لوگ۔

اس قسم کی بہت نظیریں کشف الاستار کے مطالعہ کے وقت ملیں گی اور کہیں کہیں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اصل بحث کو ذکر کرنے کے بعد "اقول" کہہ کر تحقیق و تدقیق کے جوہر لٹاتے ہیں۔

مثلاً اذان کا جواب دینا واجب ہے یا مستحب؟ بعض فقہاء وجوب کے قائل ہیں اور بعض صرف استحباب کا قول کرتے ہیں۔ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دونوں گروہ کی مستدل بہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

أقول: ههنا امران من النبى صلى الله عليه وسلم أحدهما "فقولوا مثل ما يقول المؤذن" وثانيهما: "إذا سمعت داعى الله فأجب" فالامر الاول هو الاجابة باللسان وهى ليست بواجبة وهذا ما ذكره الامام الطحاوى رحمه الله تعالىٰ والثانى الامر بالاجابة أى الحضور لصلوٰة الجماعة ويقال لها الاجابة بالقدم وهى واجبة على ما قاله الامام الحلوانى وليست لهذا الامر قرينة صارفة عن الوجوب . فالحق عندى أن الاجابة باللسان مستحبة والاجابة بالقدم واجبة بحيث لا تفوته الجماعة من غير عذر لكن هذا الوجوب ليس على الفور بأن يترك جميع مشاغله حين سمع ا لنداء بل له رخصة إلى أن يحضر وقت الجماعة" (كشف الاستار ج ا ص ۳۲۴)

یہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے دو حکم ہے۔ ایک یہ کہ "مؤذن کے کہنے کی طرح کہو" دوسرا یہ کہ "جب اللہ کے منادی کی ندا سنو تو جواب دو" تو امر اول سے مراد اجابت باللسان یعنی زبان سے

Scanned with CamScanner

جواب دینا ہے اور یہ واجب نہیں ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ حدیث کا یہی مطلب ہے۔اور امر ثانی سے مراد یہ ہے کہ جماعت کے لیے حاضر ہوجاؤ جسے اجابت بالقدم کہتے ہیں اور یہ واجب ہے جیسا کہ امام حلوانی نے فرمایا ہے اور امر کے لیے کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں جو وجوب سے پھیر دے۔تو میری تحقیق یہ ہے کہ اجابت باللسان مستحب ہے اور اجابت بالقدم واجب ہے اس طرح کہ بغیر کسی عذر کے جماعت فوت نہ ہو، لیکن یہ وجوب فوراً عائد نہیں ہوتا ہے کہ اذان سننے کے وقت اپنے سارے کام کاج چھوڑ دے بلکہ اسے اس قدر رخصت ہے کہ جماعت کے وقت حاضر ہوجائے۔

اسی طرح آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو سے متعلق فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں بعض وضو کے قائل ہیں اور بعض عدم وضو کے۔حضور صدر الشریعہ دونوں گروپ کی دلیلوں پر تبصرہ کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

أقول: قول ابی داؤد هذا من غير دليل لان وضوئه صلى الله عليه وسلم بعد اكل الخبز واللحم لم يثبت انه كان لأجل الاكل ليقال أن الوضوء من الاكل كان اولا وترك الوضوء كان اخرا، بل يحتمل أن وضوء ه صلى الله عليه وسلم كان اولا لوجود حدث اخر او لتحصيل الفضيلة . وقد ثبت من كبار الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم كابى بكر وعثمان وعلى واب بن كعب رضى الله عنهم انهم لم يتوضوا بعد أكل ما مسته النار فثبت من فعل الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ان الوضوء مما مسته النار لو حمل على المعنى الشرعى كان منسوخاً" (كشف الاستار ج ا ص ۱۴۹)

میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد کا قول بغیر دلیل کے ہے کیوں کہ روٹی اور گوشت کھانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ وضو کھانے ہی کی وجہ سے تھا اس قول کی وجہ سے کہ کھانے کے بعد وضو کرنا پہلے تھا اور بعد میں وضو کو ترک فرمادیا، بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا دوسرے حدث کی وجہ سے تھا یا تحصیل فضیلت کے لیے تھا.......... نیز کبار صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، عثمان، علی، ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ یہ حضرات آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو نہ فرماتے تو فعل صحابہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ "الوضوء مما مسته النار" کو اگر معنی شرعی پر محمول کیا جائے تو یہ حکم منسوخ ہوگا۔

اسی طرح کشف الاستار کے ص ۴۲، ۷۵، ۹۵، اور ۷۶ اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اُقول کے تحت تحقیق وتدقیق کے بکھرے ہوئے سمندر کو ایک کوزے میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

☆☆☆

تاثرات

حضرت مولانا ممتاز عالم مصباحی صدر المدرسین جامعہ شمس العلوم گھوسی

کتب حدیث کے درمیان امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' کا درجہ دیگر کتب حدیث سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ بلکہ بعض اہل علم نے صحتِ اسناد کی حیثیت سے اسے سنن اربعہ پر فضیلت دی ہے۔
یہ کتاب دیگر کتبِ حدیث کے برعکس معریٰ عن الحاشیہ تھی، جس کی وجہ سے اساتذہ اور طلبہ کو تفہیم وتفہم میں کافی دقتوں کا سامنا تھا۔ حضور صدر الشریعہ کا طلبہ واساتذہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اساتذہ وطلبہ کی اس ضرورت کو پوری فرمادیا۔
اس مقام پر ایک ذاتی تجربے کا ذکر مناسب ہوگا۔ طحاوی شریف کی ہم نے تدریس کی ہے، اس حال میں کہ اس کے لیے کوئی معاون کتاب نہ تھی۔ امام طحاوی کی ایک عبارت پر ایک اشکال سامنے آیا، جس کا حل ہم نے غور وفکر کے بعد پیش کر دیا۔ لیکن ذہنی طور پر جستجو رہی کہ یا تو اس کا کوئی جواب یا ہمارے حل کی تائید حاصل ہو جائے۔ ''کشف الاستار'' جب ہمارے پاس آئی تو سب سے پہلے ہم نے وہی مقام کھول کر دیکھا۔ عین اسی عبارت پر جہاں ہماری نگاہ بار بار رکتی تھی حضور صدر الشریعہ نے حاشیہ لگایا، اور ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا جب ہم نے اس کے حاشیہ میں دیکھا کہ پوری تفصیل کے ساتھ صدر الشریعہ نے وہی جواب دیا ہے جو ہم ایک عرصہ سے طلبہ کو دیتے تھے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:
طحاوی شریف جلد اول ''باب التسمية على الوضوء'' میں امام طحاوی نے ایک روایت پیش کر کے اس کے مطابق ''فریق اول'' کا قول نقل فرمایا کہ ''تسمیہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا''۔ جب کہ دوسری روایت نقل کر کے فریق ثانی (جمہور ائمہ کرام) کا مذہب نقل فرمایا کہ تسمیہ کے بغیر وضو ہو جاتا ہے، اور پہلی روایت میں بغیر تسمیہ کے وضو کی جو نفی ہے وہ نفیِ کمال ہے۔ روایتوں کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد جب امام طحاوی نے نظر فقہی کو جولانیت دی تو اس میں فرمایا کہ: کچھ ایسے امور ہیں جن میں متعین ''کلام'' کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے، مثلاً اجارہ، نکاح، نماز اور حج وغیرہ۔ جب کہ کچھ ایسے امور ہیں جن میں ''کلام'' کے بغیر بھی دخول ہو جاتا ہے۔ وضو کا تعلق شقِ ثانی سے ہے۔ لہٰذا شق اول (کے امور) میں جو ''کلام'' ہوگا وہ ان کا رکن ہوگا، اور ثانی میں رکن نہ ہوگا۔ لہٰذا تکبیر تحریمہ نماز کے لیے اور تلبیہ حج کے لیے رکن ہوگا۔ لیکن تسمیہ وضو کے لیے رکن نہ ہوگا۔
اس بحث میں امام طحاوی کی یہ عبارت ''فكان التكبير فى الصلوٰة والتلبية فى الحج ركنا من اركانها'' ہمارے لیے مشکل اور غور طلب تھی۔ کیوں کہ اس میں امام طحاوی نے تکبیر تحریمہ کو نماز کا ''رکن'' قرار دیا ہے۔ حالانکہ جمہور ائمہ احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کے لیے رکن نہیں بلکہ شرط ہے۔ ہم نے غور وفکر کے بعد امام طحاوی کی اس عبارت کی یہ توجیہ کی کہ یہاں رکنیت سے مراد ''لزوم'' ہے۔ جو اس کا لازمی معنی ہے۔ کیوں کہ شرط اور رکن دونوں لازم ہوتے ہیں، کہ ان کے بغیر اُس امرِ مقصود کا وجود نہیں ہوتا جس کے لیے یہ شرط یا رکن ہیں۔ اور گفتگو بھی وضو کے لیے تسمیہ کے لازمی ہونے یا نہ ہونے کی چل رہی ہے۔

اب ہم نے ''کشف الاستار'' میں دیکھا کہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اسی بات کو پوری تحقیق سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے امام طحاوی کی مذکورہ عبارت پر حاشیہ لگایا، اور اپنی تحقیق کا آغاز اس جملے سے فرمایا: ''لاخلاف في ان التحريمة فرض فى الصلوٰة'' اس کے بعد تکبیر تحریمہ کے بارے میں رکنیت اور شرطیت کی بحث علی اختلاف الاقوال، دلائل کے ساتھ بیان فرمائی، جس میں خود امام طحاوی کا رکنیت کا ایک قول بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:
''فما قاله الطحاوي رحمه الله ههنا من كون التكبير في الصلوٰة ركناً من أركانها ان حمل علىٰ مذهبه فظاهر، وأما على القول بالشرطية كما هو المذهب الأصح الأرجح فالمراد بكونه ركناً أن التكبير حكمه حكم الركن بحيث لايصح الصلوٰة الا به'' (كشف الاستار ۱/۵۵)
ترجمہ: اس مقام پر امام طحاوی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ ''تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے'' اگر ان کے مذہب پر محمول کریں تو اس کی صحت ظاہر ہے۔ لیکن تکبیر تحریمہ کے شرط ہونے کی تقدیر پر، جیسا کہ یہی زیادہ صحیح اور راجح ہے، تو ''تکبیر تحریمہ'' کے ''رکن'' ہونے سے مراد ''رکن کے حکم'' میں ہونا ہے، بایں طور کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں۔
اسی کے مثل آپ نے تلبیہ کے بارے میں فرمایا۔ جس کو صدر الشریعہ کی اس نفیس تحقیق کا شوق ہو وہ ''کشف الاستار'' کے اس مقام کا مطالعہ کرے۔ بالخصوص اساتذہ اور طلبہ کو میرا مشورہ ہے کہ درس وتدریس کے دوران ''طہارت وصلوٰۃ'' کے ابواب سے متعلق مختلف بحثوں میں حضور صدالشریعہ علیہ الرحمہ کی توضیحات وتحقیقات کا ضرور مطالعہ کریں۔ اس کے لیے ''کشف الاستار'' اب میسر ہے۔
حضور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ مصنف بہار شریعت نے اپنے بعض تلامذہ کے اصرار پر تحشیہ کا کام شروع کیا، جو ضعفِ بصارت کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ لیکن جو کچھ بھی حاشیہ کا کام ہوتا اس کی اشاعت بعض وجوہ کی بنا پر کافی دنوں تک نہ ہو سکی۔ بالآخر حضور محدث کبیر کے ایما پر حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری نے اس کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری قبول کی اور باحسن وجوہ اس سے عہدہ برآ ہوئے۔
حضور صدر الشریعہ کا تحریر کردہ حاشیہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کرم خوردہ ہو چکا تھا، اس کی ترتیب وتبییض ایک کار دشوار تھا، لیکن ہمتِ مرداں مددِ خدا، حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری کے عزم جواں نے اس مشکل کو بھی آسان کر دیا۔ حضرت مولانا میرے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ذہانت وفطانت، قابلیت واستعداد اور سعادت مندی کی وجہ سے تمام اساتذہ کے منظور نظر رہے، آپ کا یہ عظیم علمی کارنامہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ آپ حضور صدر الشریعہ اور محدث کبیر کے صحیح علمی جانشین ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔
اخیر میں کتاب کی اشاعت کے تعلق سے محبِ گرامی قدر جناب حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری مدیر اعلیٰ طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ضروری ہے۔ مولانا موصوف نے جہاں جامعہ امجدیہ کی نظامت کو ایک نئی جہت دی ہے وہیں آپ کو اپنے آبائی علمی ورثہ کو عام کرنے کا بھی بے پناہ جذبہ ہے۔ اللہ ان کے حوصلوں اور جذبوں کو توانائی عطا فرمائے۔ ☆

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم صاحب جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو

اسٹیج پر مقتدر علماء اور اہل دانش کو مدعو کیا گیا جنھوں نے اپنے مقتدر مقالات اور اپنے مضامین اس سیمینار کے لیے ترتیب دیے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت ایک جامع کمال شخصیت تھی انھوں نے جونپور میں فاضل معقول ومنقول حضرت ہدایت اللہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے درس لیا، معقولات ومنقولات تکمیل کی اور پھر حدیث اور اس کے متعلق علوم وفنون کی تحصیل کے لیے محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور اس بارگاہ سے علم حدیث کا وافر ذخیرہ اپنے سینے میں محفوظ کیا۔ اور حدیث کے متعلق جملہ علوم وفنون کا درس لیا، پھر صدرالشریعہ نے بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں پہنچ کر فقہ میں بصیرت پیدا کی۔ اس طریقے سے صدرالشریعہ کی ذات ایک طرف معقولات کی جامع اور دوسری طرف منقولات میں حدیث وفقہ اور دوسرے علوم وفنون پر کامل دستگاہ کی حامل تھی۔ یہ صدرالشریعہ کا امتیاز وتشخص ہے کہ اس منبع علم وفضل سے جن لوگوں نے بھی اکتساب علم کیا ان میں اپنے وقت کا کوئی امام النحو بنا، اور کوئی فاضل معقولات بنا، کوئی شیخ الحدیث بنا، اور کوئی فقیہ بنا، کسی نے قلم کے ذریعہ دین کی خدمت کی، اور کسی نے خطابت کے ذریعہ سے اسلام وسنیت کی اشاعت کا مہتم بالشان فریضہ انجام دیا۔

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے فقہی پہلو کو عام طریقے سے دنیا جانتی اور پہچانتی ہے، اور اس لحاظ سے بلاشبہ وہ فقیہ اعظم ہند تھے، اس میں کوئی کلام اور شبہ نہ تھا۔ لیکن فقہ اسلامی اور شریعت اسلامیہ کا مصدر وماخذ جس طرح قرآن حکیم ہے اسی طریقے سے سنت رسول بھی ہے۔ ایک فقیہ اور مجتہد کے لیے مسائل شرعیہ کا استنباط اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ کتاب وسنت کا بھرپور علم رکھتا ہو، اور اس کی مکمل تفہیم بھی ہو، اور تفہیم کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہو۔ یہ بات آج کے بعض غیر مقلدین جو الزام دیتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ قلیل البضاعۃ فی الحدیث تھے، یہ ان کا الزام سراسر غلط اور بہتان ہے۔ اتنا بڑا فقیہ جس کی فقہی عظمت اور جس کے اجتہاد کو بڑے بڑے فقہا اور مجتہدین نے تسلیم کیا، اس کے بارے میں یہ نادان کہتے ہیں کہ وہ قلیل البضاعۃ فی الحدیث تھے۔ اگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قلیل الحدیث ہوتے اور کم حدیث جانتے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اتنے بڑے فقیہ اور مجتہد نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کا عظیم فقیہ اور مجتہد ہونا اس بات کی دلیل اور درخشاں دلیل ہے کہ ان کو حدیث وسنت پر بھی کامل عبور حاصل تھا۔

اسی طریقے سے حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی شخصیت ایک طرف اگر فقیہ اعظم کی ہے تو دوسری طرف میں بلا تردید اور بلا ریب وشک یہ کہتا ہوں کہ وہ محدث اعظم بھی تھے۔ چنانچہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کی عظیم درسگاہوں میں بحیثیت شیخ الحدیث درس دیا، اور ایسے ایسے فارغ التحصیل علما کو پیدا کیے جنھوں نے ہند اور بیرون ہند میں حدیث کا درس دیا اور حدیث کی اشاعت میں پورا حصہ لیا۔ دوسری بات یہ کہ بہار شریعت جو فقہ اسلامی کا انسائیکلوپیڈیا ہے اس کی ابتدا میں حضرت

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے وہ تمام حدیثیں نقل کر دیں جو فقہ حنفی کا مستدل ہے۔ مسائل شرعیہ جن سے مستنبط کیے گئے ہیں۔ جن سے شرعی مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بہار شریعت کے اندر صرف حدیث کا متن لیا گیا ہے۔ صدرالشریعہ صرف متن حدیث ہی پر عبور رکھتے تھے۔ حدیث کے متعلقات کا انھیں علم نہیں تھا۔ معاذ اللہ، استغفر اللہ، لیکن صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے حاشیہ طحاوی لکھ کر اور اس حاشیہ کے اندر راویانِ حدیث اور ان کے حالات اور ان کے قوت وضعف، اور پھر اس کے ساتھ امام طحاوی کی بیان کردہ حدیث کے متعلق دیگر کتب حدیث کی وہ ساری حدیثیں، ان کی طرف ان کا اشارہ کرنا اور انھیں بیان کرنا، پھر متعارض حدیثوں میں تطبیق کی صورت پیدا کرنا، اور وجہ ترجیح بیان کرنا، ناسخ ومنسوخ کو بیان کرنا، اور احوال رواۃ کو بیان کرنا، ان کے ناموں اور کنیتوں کی تشریح کرنا، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ فقہا اور ائمہ کے مسلک کو بیان کرنا اور مسلک حنفی کے ترجیح پر دلائل پیش کرنا، ساتھ ہی ساتھ حدیث کے داخلی صورت حال کو پیش کرنا، فکر ونظر اور عقل کے معیار پر تولنا اور پرکھنا، یہ حضور صدرالشریعہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو اس بات پر واضح دلیل اور حجت ہے کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اصولِ روایت ودرایت سے بھی واقف تھے۔ حدیث کی داخلی اور خارجی نقل کا بھی علم رکھتے تھے۔ فن اسماء الرجال سے بھی واقف تھے۔ اور فقہ کی باریکیوں کو بھی سمجھتے تھے۔ فقہ الحدیث کو بھی جانتے تھے۔ اور اس طریقے سے انھوں نے ایک ایسا تحفہ ''کشف الاستار'' کی صورت میں اس امت مسلمہ کو دیا کہ احناف کا سر اس حاشیہ کی وجہ سے اونچا ہو گیا۔

افسوس کی بات یہ ہے ۱۳۶۱ھ یا ۱۳۶۲ھ میں یہ حاشیہ لکھا گیا اور چند مہینوں میں طحاوی شریف کی جلد اول کا نصف پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔ اور اس کے بعد کچھ ایسے موانع آتے گئے کہ اس کا کام آگے نہ بڑھ سکا، اور پھر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کو اس حاشیہ پر نظر ثانی کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ تقریباً سڑسٹھ یا اڑسٹھ سال تک ہم اور آپ یہ سنتے رہے کہ ''کشف الاستار حاشیہ طحاوی'' حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے تصنیف فرمایا۔ لیکن ہماری آنکھیں اس کے دیدار کو ترستی رہیں۔ یہ کام یقیناً حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے علمی خانوادے کا تھا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کام اس وقت تک نہ ہو سکا۔ مگر قابل مبارکباد ہیں عزیزم مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب جنھوں نے بڑی جرأت وہمت کے ساتھ اور دقتِ نظر کے ساتھ اور وثوق کے ساتھ اس مسودہ کو مبیضہ کیا۔ آپ اور ہم سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کیا کیا؟ حاشیہ طحاوی کو شائع کر دیا۔ لیکن مسودہ کا پڑھنا مخطوطات کو پڑھنا، اور اس سلسلے میں جو مراحل پیش آتے ہیں اسے وہی شخص جانتا ہے جو مخطوط شناس ہے، یا جو ترتیب متن اور تدوین متن کے مرحلے سے گزرا ہے۔ بلاشبہ مولانا فیضان المصطفیٰ سلمہ نے یہ عظیم کام کر کے صرف یہ نہیں کہ حاشیہ طحاوی کو منظر عام پر لانے کی کامیاب کوشش کی ہے، بلکہ انھوں نے حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے علمی خانوادے کا قرض بھی اتار دیا۔ ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند''۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت صدرالشریعہ کے اس عظیم کارنامے کو قبول فرمائے اور مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اور آپ مل کر سب خلوص دل کے ساتھ یہ دعا کریں کہ مولائے قدیر اس جواں سال اسکالر کو یہ عزم اور حوصلہ دے کہ یہ اپنے جد امجد کے بقیہ کام کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ وما علینا الا البلاغ. ❖❖❖

حضرت مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری المجمع الاسلامی مبارک پور

بسم الله الرحمن الرحیم،

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم واٰله وصحبه اجمعین

''کشف الاستار حاشیہ شرح معانی الآثار'' صدرالشریعہ بدرالطریقہ ابوالعلی حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا وہ معرکہ آرا حاشیہ ہے جو عرصہ سے منتظر طبع تھا۔ اگرچہ یہ مکمل نہیں، شرح معانی الآثار کی جلد اول کے نصف پر ہے، اور یہ بھی صرف سات مہینوں کی محنت کا ثمرہ، اور ان سات مہینوں میں بھی اس پر صرف بعد عشا دو تین گھنٹے صرف ہوئے۔ باقی اوقات حسب معمول تدریس کے لیے وقف تھے۔

رئیس الاتقیا حضرت علامہ حاجی مبین الدین صاحب امروہوی علیہ الرحمہ جو حضرت صدرالشریعہ کے ایک چہیتے شاگرد ہیں حاشیہ کی تفصیل قلم بند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مذکورہ احتیاط اور محاسن کے ساتھ تحشیہ کا کام محرم سے شروع ہو کر شعبان تک چند مہینے ہوا۔ اس کام کے لیے عشا کے بعد ۲۔۳ گھنٹے مقرر تھے اور جمعہ کو صبح سے گیارہ بجے تک یا درمیان سال کی تعطیلات میں یہ کام انجام پاتا۔ اس مختصر مدت میں باریک قلم سے کچھ کم پانچ سو صفحات لکھے گئے۔ مشیت الٰہی کہ پھر وہ کام ملتوی ہو گیا، اب تک نہ مکمل ہو سکا نہ اتنا ہی شائع ہو سکا۔

مقام غور ہے کہ قلیل مدت میں جلد اول کے نصف پر تحشیہ پانچ سو صفحات پر ہوا جو ابھی مسودہ ہے۔ حضرت اقدس صدر الشریعہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ابھی مضامین و مواد جمع کیے جا رہے ہیں، نظر ثانی ضروری ہے۔ نہ اس کا دیباچہ لکھا گیا نہ نام تجویز ہوا موجودہ شکل میں اتنا بڑا علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ خدا جانے نظر ثانی کے بعد کیسے کیسے مضامین عالیہ و جواہر غالیہ و گرانقدر معانی کا اضافہ ہوتا۔ اہل علم کے لیے یہ بے بہا خزانہ ہوتا۔ شکر خدا جو ہے بسا غنیمت ہے''۔ (صدرالشریعہ، حیات و خدمات از مولانا فیضان المصطفےٰ ص ۲۸۳)

یہ ۱۳۶۲ھ کی بات ہے یعنی تقریباً ستر سال قبل یہ حاشیہ لکھا گیا، جس کے نہ شائع ہونے پر افسوس ہوتا تھا لیکن اب خوشی ہے کہ سات مہینوں میں لکھا جانے والا یہ گراں بہا حاشیہ ستر سال کے بعد اشاعت پذیر ہوا، اور ابھی اس کا بھی نصف حصہ منظر عام پر آیا جو میگزین سائز کے پانچ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ طحاوی شریف کا اصل متن بھی ساتھ ہے اور دوسرے حصے کی اشاعت کی بھی جلد امید ہے۔

جو مسودہ نظر ثانی کا محتاج ہو اس کو منظر عام پر لانا آسان کام نہیں ہوتا، اور وہ بھی ایک ایسے فن پر جو مشکل ترین ہے۔ واضح ہو کہ شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف کا معاملہ حدیث کی کتابوں کی طرح نہیں جن میں ابواب کی ترتیب پر صرف احادیث جمع کر دی جاتی ہیں، امام طحاوی علیہ الرحمہ وہ پہلے راوی محدث ہیں جنہوں نے احادیث کی جمع و ترتیب کے ساتھ باضابطہ فقہی مباحث بھی پیش کیے ہیں جن سے فقہ حنفی کی تائید ہوتی ہے'' آپ چوں کہ خود مجتہد کے درجے پر فائز تھے اور بلند پایہ محدث بھی تھے اس لیے بعض مقامات پر اپنی رائے میں منفرد بھی نظر آتے ہیں جو ان کا حق ہے۔ افسوس کہ ایسی بے مثال فقہی

مباحث سے پُر کتاب بے حاشیہ اور شرح کے تھی، شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ نے ''نخب الافکار'' اور ''مبانی الاخبار'' کے نام سے دو شرحیں لکھی ہیں۔ اول الذکر میں شرح متن کے ساتھ رجال پر بھی روشنی ڈالی ہے جب کہ دوسری کتاب صرف متن حدیث کی تشریح پر مشتمل ہے۔ اول الذکر ''نخب الافکار'' حال ہی میں سہارن پور سے طبع ہو گئی ہے، کچھ اور لوگوں نے بھی طحاوی پر شرح و تعلیق کا کام کیا ہے لیکن سب ناپید ہے، ان میں ایک مختصر تعلیق محدث سورتی علامہ وصی احمد پیلی بھیتی علیہ الرحمہ کی ہے جو موجودہ طحاوی کے نسخوں کے ساتھ مطبوع ہے۔ ان حالات میں واقعی ضرورت تھی کہ طحاوی شریف کی ایک جامع شرح منظر عام پر آتی۔ الحمدللہ ''کشف الاستار'' اس کمی کو پوری کرتی نظر آ رہی ہے۔ جو نہ بہت مطول ہے نہ بہت مختصر، اور ایجاز و اختصار تو حضور صدرالشریعہ اعظمی علیہ الرحمہ کا طرہ امتیاز رہا ہے، آپ کی شہرہ آفاق اور بلند پایہ تصنیف ''بہار شریعت'' اس کی منہ بولتی تصویر ہے اور آپ کے مجموعہ فتاویٰ، فتاویٰ امجدیہ میں بھی یہی اسلوب نمایاں ہے۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی تدریس کا حال بھی ایسا ہی تھا جس کی وجہ سے آپ کی تدریس میں برکت بھی خوب رہی، آپ کے ممتاز تلمیذ استاذ العلماء حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی اسی انداز تدریس کے حامل تھے اور حضرت صدرالشریعہ کے سچے جانشین۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ اور استفادۂ علمی کرنے والے ان کے معاصرین کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہیں۔ مولانا حاجی مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ صدرالشریعہ کی اختصار نگاری اور ایجاز بیانی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ''باب الکسوف'' کا حاشیہ لکھا جا رہا تھا، کسوف کی لفظی فقہی تحقیق ہو رہی تھی اور کسوف کے اسباب پر گفتگو تھی۔ حضرت نے حسب عادت جامع بیان میں لفظی و معنوی تحقیق لکھا دی تھی۔ ہم لوگوں کی یہ خواہش رہتی تھی کہ ہر موقع پر خوب پھیلاؤ ہونا چاہیے اس بنا پر ہم نے کسی کتاب کا مزید بیان ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔ دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب کچھ بیان سابق میں آ چکا اور زائد کی ضرورت نہیں۔ کسوف کے اسباب پر گفتگو ہو رہی تھی حضرت نے یہاں بھی وہی انداز اختیار فرمایا کہ جامع واضح الفاظ میں اس کا سبب ظاہر کر دیا۔ بعض شارحین حدیث نے اسباب کسوف پر خوب تفصیل سے بحث کی تھی، نہایت بسط سے اسباب بیان کیے تھے۔ ہم نے پورا مضمون درج حاشیہ کرنا چاہا، مگر حضرت اقدس نے ایک نظر دیکھ کر رد فرما دیا۔ پھر ہم کو مطمئن کرنے کے لیے اس کے رطب و یابس کو چھانٹ کر رکھ دیا اور فرمایا کہ یہ سب سطحی ہیں۔ اصل سبب وہ ہے جو میں نے لکھ دیا ہے وہ بہت قوی ہے۔ پھر فرمایا: ''آدمی سو نہ کہے، ایک کہے، ڈھنگ کی کہے''

اسی طرح احتیاط کو تمام حاشیہ میں ہر منزل پر ملحوظ رکھا ہے۔ (صدرالشریعہ حیات و خدمات ص ۲۸۱۔۲۸۲)

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اس حاشیے میں احادیث کی تخریج بھی فرمائی ہے۔ البتہ صفحات درج نہیں کیے ہیں کہ اس دور میں اس کا رواج نہ تھا اور اختصار بھی پیش نظر رہا ہوگا، اکثر مشکل الفاظ اور اعلام کا اعراب بھی بتا دیے ہیں اور لغات بھی تحریر کر دی ہیں امام طحاوی نے جہاں کہیں ابہام رکھا ہے حضرت صدرالشریعہ نے اسے کھول کر رکھ دیا ہے، ناموں کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کو اس بیش قیمت علمی خزانے سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور حضرت محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ کو یا ان کے تلامذہ میں کسی کو اس کی تکمیل کے لیے فرصت ارزاں کرے، آمین بجاہ سید المرسلین علیه وآله وصحبه الصلاة والتسلیم ۔☆

حضرت مولانا نصر اللہ رضوی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ

حاشیہ شرح معانی الآثار کے بارے میں عرصہ دراز سے ہم سنتے آئے تھے کہ حضرت صدر الشریعہ نے اس پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ لیکن کبھی اس کی زیارت و مطالعہ کا اتفاق نہ ہوا۔ اب لگ بھگ باسٹھ سال بعد اس کے دیدار و مطالعہ سے نگاہیں شاد کام ہو رہی ہیں۔ ماشاء اللہ نہایت دیدہ زیب سرورق اور جلد کے اوپر سنہرے حرفوں میں کتاب، مصنف، محشی اور ادارۂ اشاعت کے نام روشن ہو رہے ہیں۔ نہایت مسرت کا مقام ہے کہ آج ہم اپنی دیرینہ تمناؤں کو محسوس پیکر میں بعدِ طباعت اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کے مطالعہ و استفادہ سے سرفراز ہو رہے ہیں۔

یہ سب کرم ہے اس بارگاہِ عالی وقار کا جنھیں دنیا محدث کبیر، ممتاز الفقہا، حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری (دام ظلہ العالی) کے نام سے جانتی پہچانتی ہے کہ انھوں نے اپنے باصلاحیت اور حوصلہ مند برادر زادے کے ذمہ یہ کام لگایا اور انھوں نے بڑی عرق ریزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ جس کی دقت و پریشانی کا اظہار انھوں نے کتاب کے ص ٦ ر پر کیا ہے۔ اور بات بھی یہی ہے کہ بوسیدہ اور پرانے مخطوطات پر کام کرنا کتنا وقت طلب ہوتا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس پُر خار وادی میں قدم رکھا ہو۔ ہم نے بھی اس راہ میں کچھ بادیہ پیمائی کی ہے اور تجربات کیے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ تو خود ایک جامع کمالات شخصیت کے حامل تھے۔ تبحر فقیہ، دقائق فقہیہ، اور غوامض افکار کے ادراک میں ید طولیٰ رکھتے تھے، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، حاوی فروع و اصول ہونے کا معاصرین بیان دیتے ہیں۔ آیاتِ احکام، احادیثِ احکام، رجالِ بخاری دیگر رُواۃِ احادیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔

اسی عبقری اور بے نظیر فقیہ کے رشحاتِ قلم کا حسین مرقع یہ حاشیہ شرح معانی الآثار بھی ہے۔ جس میں مذہب حنفی کی تائید میں "احادیث احکام کا اثبات، متون احادیث پر حاشیہ نویسی، امام طحاوی کی پیش کردہ بحثوں کو علما و طلبا کے لیے آسان پیرایہ ادا میں واضح کیا۔

رجالِ حدیث پر حسب ضرورت گفتگو، امام طحاوی کی پیش کردہ احادیث کی دوسری ثقہ اور معتمد کتب احادیث سے تخریجات، امام طحاوی کی پیش کردہ بحثوں پر حسب موقع مفید اضافے، احادیث میں آنے والے مشکل الفاظ کی توضیح و تنقیح، معتمد کتب لغت کے حوالے، مسلک حنفی کی تائید میں امام طحاوی کی پیش کردہ احادیث پر اضافہ، مسلک حنفی پر وارد ہونے والے اعتراضات کا احسن پیرایہ میں دفاع۔ اپنی مستدل حدیثوں کی شانِ رفعت، صحیح، حسن اور تعددِ طرق سے ان کی قوت کا بیان، دوسروں کی مستدل حدیثوں سے استدلال کی عدمِ صحت اور اس کے سبب کا بیان، یہ وہ خصائص ہیں جو اس حاشیہ کو فقہ و حدیث کی علمی دنیا کا ایک عظیم سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ جب کہ کتاب کے متداول ہونے کے باوجود اس کے حواشی پائے نہیں جاتے۔

حالانکہ کتاب اس یکتائے روزگار مصنف کی تھی جو اپنے زمانے کی فقہ و حدیث میں جلیل القدر، عظیم الشان امام، ثقہ،

معتمد تھے۔ مصر میں امام ابو حنیفہ کی ریاست آپ پر منتہیٰ ہوئی۔ حافظ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا کہ آپ ثقہ، ثبت، فقیہ تھے، یہاں تک کہ آپ جیسا آپ کے بعد کوئی نہیں ہوا۔ سمعانی شافعی نے انساب میں لکھا کہ آپ ایسے ثقہ اور فقیہ عقیل تھے کہ آپ جیسا آپ کے بعد کوئی نہیں ہوا۔ اس کا تقاضا تھا کہ اس پر شرحیں اور حواشی لکھے جائیں، مگر اعتنا نہ برتا گیا۔ چوتھی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں صدی تک یہ کتاب معرّیٰ رہی۔

ہاں آٹھویں صدی کے آخر میں یا نویں صدی ہجری میں مذہب حنفی کے قاضی القضاۃ، فقیہ بے عدیل، حضرت امام بدر الدین محمود عینی (٧٦٢ - م ٨٥٥) صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری نے اس کی دو تین شرحیں لکھیں۔ "نخبۃ الافکار اور مبانی الاخبار" جن میں متونِ احادیث اور ابحاثِ امام طحاوی کی شرحیں تحریر فرمائیں۔ پھر ایک تیسری شرح میں رجالِ احادیث پر بھی گفتگو رقم فرمائی۔ مگر وہ شرحیں دستیاب کہاں ہیں۔ تو موجودہ حاشیہ کشف الاستار بغیر سابقہ شروح و حواشی کی مدد کے صرف اپنی خوبی فقاہت و بصیرت کی بنیاد پر معرض تحریر میں آیا۔

ہاں حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ کی تحریر کردہ مختصر تعلیقات سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے مگر وہ نہایت مختصر اور کہیں کہیں ہے۔ جیسے کہ فتاویٰ رضویہ سے بھی بحثیں لی گئی ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حاشیہ میں عینی سے خوب استفادہ کیا گیا ہے اس کی کامل بحثوں کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جب کہ دیگر شروح بخاری سے اتنا زیادہ اعتنا نہیں برتا گیا ہے۔

اگر اپنی مستدل حدیث متعدد طرق سے مروی ہے تو ان کے اور دوسرے طریقوں کی وضاحت ماخذ کے ساتھ کرتے ہیں۔ مثلاً: باب الوضوء میں عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ ایک حدیث بیان کی جس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک وضو سے چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں تو حضرت نے اس حدیث کے دوسرے طرقِ روایت کو بھی بیان کیا، ان کا ماخذ بتایا۔

باب کے تحت اثبات باب کے لیے آئی ہوئی حدیث سے اگر دوسرے احکام و مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں تو اسے حاشیہ میں ذکر کیا۔ جیسے وہ لکھتے ہیں:

"وفی ہذا الحدیث انواع من المسائل" ص ٨٩۔ پھر اس سے متخرج چند مسائل و احکام کا ذکر ہے اگر حدیث میں چند احکام کی دلیلیں ہیں تو انہیں ذکر کیا اور کہا "وفی الحدیث دلیل علی الخ وعلی" ایسا بہت سی جگہوں پر ہے۔ کہیں کہتے ہیں۔ فیہ فوائد:

اور رجال حدیث پر تو خوب بحثیں ہیں۔ جسے انہوں نے عینی، فتح الباری، استیعاب لابن عبد البر، تقریب، تہذیب و طبقات لابن سعد وغیرہ کثیر کتب رجال کے حوالے سے زوردار انداز میں ذکر کیا ہے۔

کہیں کہیں حواشی کے اخیر میں وہ "اعظمی" تحریر کرتے ہیں، یہ علامت ہے کہ وہ خود ان کے اپنے افادات ہیں۔ (ص ٢٥٠، ٢٥٨) عینی سے پیش کردہ بحثوں پر اکثر جگہ جلد اور صفحے کا حوالہ مذکور ہے جب کہ فتح الباری سے لی گئی بحثوں میں ایسا نہیں ہے۔ کہیں محدث سورتی کا حوالہ درج ہے اور کہیں لکھتے ہیں: "ھذا ما افاد شیخنا المجدد" (ص ٢٢١) اور کہیں "فتاوی رضویہ" حاصل یہ ہے کہ پوری کتاب مضبوط حوالوں سے جکڑی ہوئی ہے۔ جو کتاب کو نہایت وقیع اور باوزن بناتی ہے۔☆

حضرت مفتی آل مصطفےٰ مصباحی استاذ و مفتی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

اس وقت امام طحاوی کی "شرح معانی الآثار" کا عربی حاشیہ "کشف الاستار" راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ جو خلیفۂ مجدد اعظم صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت کی تصنیف لطیف ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے اپنے مخلص شاگردوں کی فرمائش پر حاشیہ تحریر فرمانا شروع کیا۔ پوری کتاب کا حاشیہ تو معرض وجود میں نہ آسکا۔ البتہ جتنا بھی کام ہوا وہ بہت اہم ہے۔ اس کے مطالعہ سے اہل علم اس میں علامہ بدر الدین عینی کی "منتخب الافکار" کا عکس جمیل محسوس کریں گے۔ کشف الاستار کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ حضرت صدر الشریعہ ایک عظیم فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم محدث بھی تھے۔ کتب احادیث و شروح احادیث پر ان کی گہری نظر تھی۔ یہ حاشیہ بہت پہلے ہی منظر عام آجانا چاہیے تھا۔ مگر "کل شی مرھون باوقاتہ" (ہر شی کا ایک وقت مقرر ہے)۔

علامہ شرف قادری علیہ الرحمہ جب پاکستان سے ہندوستان پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور ہوتے ہوئے گھوسی تشریف لائے، حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے شمس العلوم میں فقیر راقم الحروف کا تعارف کرایا۔ تو حضرت شرف صاحب نے حاشیہ شرح معانی الآثار (کشف الاستار) کا ذکر بھی چھیڑ دیا۔ اور فرمایا آپ لوگ قوم کی قیمتی متاع ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ کا حاشیہ منظر عام پر لانے کی سعی فرمائیں۔ پھر انھوں نے حاشیہ کی فوٹو کاپی بھی حاصل کی۔ خدا معلوم انھوں نے اس پر کچھ کام کیا بھی یا نہیں؟ حضور استاذی الکریم محدث کبیر مدظلہ العالی دامت برکاتہم القدسیہ اپنی غیر معمولی معروفیتوں کے باعث حاشیہ کے لیے چاہتے ہوئے بھی وقت نہیں نکال پا رہے تھے۔ پھر انھوں نے یہ کام محب مکرم مولانا فیضان المصطفیٰ قادری زید مجدہ کے سپرد کیا۔ جنھوں نے اپنے قیام امریکہ کے دوران بڑی محنت و جاں فشانی سے اس کی ترتیب و تزئین کا کام انجام دیا۔ پھر دائرۃ المعارف الامجدیہ کے مہتمم محب مکرم مولانا علاء المصطفیٰ قادری زید مجدہ نے حضور محدث کبیر دام ظلہ کی اجازت سے اُسے شائع فرمایا۔ بلاشبہ یہ حاشیہ اہل علم کے لیے باعث سکون قلب و نظر ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی تحقیقات انیقہ کا مطالعہ کیا جائے اور اُسے موجودہ نسل تک پہنچایا جائے۔ ☆

حضرت مولانا نفیس احمد صاحب رضوی مصباحی

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث دانی میں عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث کی مشہور و معروف کتاب شرح معانی الآثار نصف اول پر صرف سات ماہ کی مختصر سی مدت میں آپ نے ایک مبسوط حاشیہ تحریر فرمایا بقیہ حاشیہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا مذکورہ حاشیہ علوم حدیث کے ایسے نکات پر مشتمل ہے، جن کی نظیر حدیث کی بہت سی کتابوں میں نہیں ملتی، یہ حاشیہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات میں شائع نہ ہوسکا اور آپ کے وصال کے تقریباً ۶۰؍ سال کے بعد آپ کے سچے جانشین ممتاز الفقہا محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی سرپرستی میں اسی خانوادہ کے ایک عظیم فرزند نوجوان عالم دین نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قادری کی ترتیب و تخریج کے بعد پچھلے سال عرس امجدی میں کشف الاستار کے نام سے پہلی جلد

منظر عام پر آئی، اور اس سال عرس میں اس کی دوسری جلد بھی شائع ہوئی، اسی سال یکم ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ میں عرس امجدی سے ایک دن قبل حضور صدر الشریعہ کی خدمت حدیث پر ایک سیمینار ہوا جس میں علما و مشائخ نے کھل کر آپ کی خدمت حدیث پر مقالات پیش کیے اور خاص طور سے حاشیہ طحاوی زیر بحث رہا۔ سیمینار کے تمام شرکاء نے حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی اس باکمال کاوش اور علمی لیاقت کا کھل کر اعتراف کیا، یقیناً حاشیہ طحاوی بنام کشف الاستار کی اشاعت خانوادہ امجدیہ بلکہ جماعت اہل سنت کا ایک بہت بڑا قرض تھا جسے مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب نے ادا کردیا جس کے لیے وہ لائق صد مبارکباد ہیں۔ اور مستقبل میں ہم یہ امید کرتے ہیں کہ حضرت موصوف حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے چھوڑے ہوئے حاشیہ شرح معانی الآثار کے نصف آخر کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

مفتی محمد حبیب اللہ خان مصباحی دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے طحاوی شریف پر تحشیہ آرائی کے لیے آپ نے زبان عربی کا استعمال اس لیے کیا کہ آپ کا یہ تحشیہ عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص علماء کے لیے ہے۔ اور آپ نے اپنے اس حاشیہ کے لیے جو عبارت رقم فرمائی اس میں اتنی سلاست و روانی ہے کہ جیسے یہی آپ کی مادری زبان ہو کہیں بھی آپ کی کسی عبارت میں کسی قسم کا کوئی پیچ و خم و ژولیدگی نہیں کہ مقصود کے سمجھنے میں دقت و دشواری پیش آئے اور نہ ہی نحو و صرف کے قواعد و ضوابط کے اعتبار سے کوئی کمی و نقص اور نہ ہی کسی لفظ میں عربی ادب کے اعتبار سے کوئی گراوٹ نیز الفاظ و عبارت میں ایسی شگفتگی و ایضاح و انشراح کہ پڑھنے والا پڑھ کر اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ یہ کلام کسی ایسے شخص کا ہے جس کی مادری زبان عربی نہ ہو۔ اور آپ کے اس حاشیہ کو دیکھ کر ماضی کے ان علماء کرام کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جنھوں نے حاشیہ آرائی و شرح کے لیے اپنی مادری زبان عربی کا استعمال کیا ہے۔ واضح رہے کہ آپ کا یہ حاشیہ طحاوی کشف الاستار علماء متقدمین کے حواشی و شروح سے کسی بھی اعتبار سے کم نہیں چاہے وہ تحقیق و تدقیق کا میدان ہو یا زبان و بیان کا ہر حیثیت سے ان کے مساوی و ہم پلہ ہی ہے زبان و بیان کا استعمال آپ نے اپنی سہولت و آسانی کے لیے نہیں کیا بلکہ جہاں جیسی ضرورت تھی وہاں آپ نے ویسی ہی زبان کا استعمال کیا جب آپ نے کوئی تصنیف عوام کے لیے کی تو زبان اردو کا استعمال کیا اور جب اہل علم کے لیے کوئی تصنیف و تالیف کی تو زبان عربی کا استعمال کیا۔ کیوں کہ آپ ہمیشہ کلموا الناس علی قدر عقولہم ہی کے مطابق کلام فرماتے تھے اور تحریر و تقریر دونوں میں ہمیشہ حشو و زوائد سے حد درجہ نفرت و احتراز فرمایا کرتے تھے اسی لیے آپ مختصر جامع کلام ہی کو پسند کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ آدمی کو چاہیے کہ سو کے بجائے ایک کہے البتہ جو کہے وہ ڈھنگ سے کہے۔

حاشیہ طحاوی کشف الاستار حاشیہ کے نام سے موسوم ہونے کی وجہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ بہت مختصر ہوگا۔ جستہ جستہ کہیں کہیں سے کچھ قلمبند کردیا گیا ہو، جیسا کہ اور کتابوں کے حواشی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن جب اس کا مطالعہ کیجیے تو اور حاشیہ کی طرح نہیں ہے بلکہ ایک مفصل مبسوط شرح کی طرح ہے۔ کیوں کہ اس حاشیہ میں کتاب کے ان تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث و تمحیص ہے۔ کوئی بھی گوشہ تشنۂ تحقیق و ناتمام نہیں۔ جس طرح کہ شرح میں تفصیل ہوتی ہے کیوں کہ آپ اپنے اس حاشیہ میں سب سے پہلے جس عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں عنوان کی ایسی توضیح و تشریح فرماتے ہیں کہ عنوان کے تئیں کسی طرح کا کوئی ابہام و اجمال رہ نہیں جاتا پھر اس عنوان کے تحت جتنی بھی

حدیثیں ہوتی ہیں ان کے راویوں کا مختصر مگر جامع جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے ان کی علمی وشرعی حیثیت آشکارا ہوجاتی ہے اور حدیث کے درجہ کی تعیین آسان تر ہوجاتی ہے اور اس کی صحت وسقم وقوت وضعف کا بھی پتہ چل جاتا ہے نیز الفاظ حدیث میں اگر کسی لفظ میں اشتراک وابہام ہوتا ہے تو اس کی بھی تحقیق تام کرتے ہیں تاکہ اس کے معنی کی تعیین ہوجائے اور کسی طرح کا کوئی اشکال باقی نہ رہے اور نہ ہی کسی معترض کو اعتراض کرنے کا موقع ملے اور اس حدیث کے پیش نظر علماء کرام جن جن احکامات کا استنباط واستخراج کیے ہیں اس کو بھی بیان فرماتے ہیں مزید اپنے طور پر بھی احکام فقہیہ ومسائل شرعیہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں کچھ ایسے اسرار ونکات کی طرح اشارہ کردیتے ہیں جس کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہوپاتی ہے یا ہوتی ہی نہیں ہے اور اگر کہیں حدیث پاک سے کسی واقعہ کے ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار واقتدار عزت وعظمت کا ثبوت ہوتا ہے تو اس کو ضرور صاف صریح لفظوں میں تفصیل سے بیان فرماتے ہیں تاکہ فرقہ ناجیہ مسلک اعلیٰ حضرت کے عقیدہ کا لوگوں کو ماخذ معلوم ہوجائے اور ساتھ ہی ان بدعقیدہ فرقوں کا رد بلیغ ہوجائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت کو گھٹانے ومٹانے کے درپے ہیں۔

اسی طرح امام طحاوی کے محاکمہ پر اگر کہیں کسی کی طرف سے کوئی ایراد واعتراض وارد ہوتا ہے تو اس کا آپ اپنے اس حاشیہ طحاوی میں ایسا جواب رقم فرماتے ہیں کہ سرے سے کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا نیز اعتراض کا جو جواب دیتے ہیں وہ بلا دلیل نہیں بلکہ ایسی نقلی وعقلی دلیل پیش کرتے ہیں جو مخالف کے نزدیک بھی مسلم ومعتبر ہوتا کہ مخالف کو مجال دم سخن نہ ہو اور دوبارہ اعتراض کرنے کی ہمت نہ کرے۔

کاش آپ کا یہ حاشیہ کشف الاستار آپ ہی کے قلم فیض رقم سے کامل ومکمل ہوجاتا تو فقہ حنفی کے لیے ماخذ کی حیثیت سے معتبر ومستند ذخیرہ احادیث سے جمع ہوجاتا، کیوں کہ ائمہ مذاہب کے افکار ونظریات کا جب آپ تقابلی جائزہ لیتے ہیں تو ایک ماہر قانون داں فاضل بیرسٹر کی طرح جہاں آپ اپنے مدعی کو کتاب وسنت کی روشنی میں مضبوط ومستحکم وقوی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں، وہیں اپنے مدعی کے خلاف جو دلائل ہوتے ہیں ان کا تار وپود ایسا بکھیرتے ہیں کہ اس کی سخافت وکثافت واشگاف ہوجاتی ہے۔ اور ہر ذی عقل کے لیے یہ فیصلہ آسان تر ہوجاتا ہے کہ فقہ حنفی ہی کو تمام مذاہب فقہ پر فوقیت وبالاتری حاصل ہے۔

کاش کہ آپ کا یہ علمی وتحقیقی شاہکار حاشیہ طحاوی کشف الاستار امام اہل سنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوتا اور آپ اسے اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے اور مطالعہ کرتے تو بڑے ہی اچھے القاب وآداب کے ساتھ تقریظ جمیل تحریر فرماتے، اور بھاری بھرکم لفظوں سے اس کی تائید وتوثیق کرتے۔ اور برملا علی رؤس الاشہاد آپ کے علمی وجاہت کا اعلان اس طرح فرماتے ہیں کہ مولانا امجد علی جس طرح موجودین علماء میں فقہ وفقاہت میں سب سے ممتاز ونمایاں ہیں اسی طرح فن حدیث کی معرفت ودرک میں امتیازی شان کے حامل ہیں۔ اس میں بھی ان کا کوئی ہم سر وہم پلہ نہیں۔ ☆

مولانا محمد فصیح الدین نظامی، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن

زیر نظر حاشیہ کشف الاستار، وحید عصر، فرید دہر، بحر العلوم والمعانی صدر الشریعہ حضرت العلامہ مولانا محمد امجد علی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ

(ولادت ۱۲۹۶ھ وصال ۱۳۶۷ھ) کے نہایت محقق ومدقق قلم حقیقت رقم کا شاہکار ہے۔ جنھوں نے اپنے عہد کے علماء فحول سے علوم وفنون کا حصول فرما کر خود اپنے منتسبین اور تلامذہ کی ایک کہکشاں اپنے پیچھے چھوڑی ہے، جن کا تعلق پٹنہ، بریلی، بدایوں کے علاوہ دیار سلطان الہند عطائے رسول خواجہ خواجگان حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی حسن سنجری رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے مرکز علم وعرفان دار العلوم معینیہ عثمانیہ سے ہے، جس کو اتالیق سلاطین آصفیہ، شیخ الاسلام حضرت الشاہ الامام محمد انوار اللہ فاروقی چشتی قادری نور اللہ مرقدہ مؤسس جامعہ نظامیہ حیدرآباد (۱۲۶۴ھ-۱۳۳۶ھ) نے ۱۳۳۰ھ میں سلطنت آصفیہ کے ساتویں تاجدار نواب میر عثمان علی خاں بہادر کے ہمراہ حاضری وزیارت کے موقع پر قائم فرمایا تھا۔ اس طرح تاریخ میں شمال وجنوب کے فیضان اور علمی روابط کے ثبوت ملتے ہیں۔

صاحب ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' کے چاہت محبت الفت سے معمور جملہ ''میرا امجد مجد کا پکا'' کے فیضان اور صدر الشریعہ کے فضیلت مآب لقب سے ملقب اس شخصیت کی نظری تصانیف میں حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مبارک پور، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد، مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی، علامہ حشمت علی خاں، سید العلما علامہ آل مصطفیٰ مارہروی، شمس العلما قاضی شمس الدین جونپوری، امام النحو، علامہ غلام جیلانی میرٹھی، شیخ العلما غلام جیلانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل ہیں تو قلمی تصانیف میں ۱۷ ر جلدوں پر مشتمل فقہی انسائیکلوپیڈیا بہار شریعت، فتاویٰ امجدیہ (چار جلد) قنوت نازلہ اور شرح معانی الآثار کا حاشیہ کشف الاستار۔ اول الذکر کتاب کے ساتھ صدر الشریعہ کا نام نامی واسم گرامی لازم وملزوم ہوگیا ہے۔ جس کے اپنے پرائے بھی معترف اور نیاز مندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ جب کہ آخر الذکر ایک طویل عرصہ کی جد وجہد عرق ریزی وخون جگر صرف کرنے کے بعد ہی سہی منظر عام پر آکر اہل علم ودانش خصوصاً عربی داں حلقوں سے داد تحقیق حاصل کررہی ہے۔ بشمول فہرست ''تقریظ تراجم مصنف ومحشی'' عکوس مخطوطہ کل ملاکر ۵۰۰ ر صفحات پر مشتمل ادق ومغلق الفاظ کی تشریحات اسماء الرجال کی تلاش، حالات کی چھان بین، مسائل فقہیہ کی توضیحات، دلائل وبراہین کی تنقیحات پر انتہائی عالمانہ، فاضلانہ، محققانہ ومحدثانہ جائزہ کو پیش کرتے ہوئے ''فاقول'' کے ذریعہ اپنی فکر عمیق اور تجربات قلمبند کرنا صدر الشریعہ کا ہی حق معلوم ہوتا ہے۔

کشف الاستار جہاں علمی حجابات کو بے نقاب کرتی ہے وہیں پر حضرت صدر الشریعہ کی تہہ در تہہ شخصیت سے بھی پردہ اٹھاتی ہے کہ شیراز ہند اپنے دامن میں کیسے کیسے کوہ نور رکھتا ہے، جن کی علمی چمک دمک سے ایک جہاں منور ومجلی ہے۔

یہی نہیں بلکہ کلمۃ التقدیم کے حوالہ سے انتہائی جستجو، کوشش وکاوش کے بعد برسوں مخفی اس خزانہ عامرہ کو منظر عام پر لانے کے لیے مولانا المکرم فیضان المصطفیٰ قادری حفظہ اللہ تعالیٰ بھی جماعت اہل سنت کی طرف سے ہدیۂ تبریک وتہنیت کے واقعی مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے حصہ میں یہ کارنامۂ عظیم رکھا تھا، جس کا حقیقی صلہ تو رب جلیل ہی عطا فرمائے گا۔

شائقین علم وفن کی ذمہ داری واخلاقی فریضہ بن جاتا ہے کہ اس تالیف کو درسگاہوں، خانقاہوں اور علم وادب کے ایوانوں میں پہنچائیں گے اور اس گراں قدر تحفۂ علمی کی پذیرائی اس حد تک کریں کہ حصہ دوم بھی جلد سے جلد کاشانۂ قلب وروح کی زینت بنے۔ اللہ تعالیٰ دائرۃ المعارف الامجدیہ کے جمیع مخلص کارکنان کو صحت وعافیت کے ساتھ مسلک حقہ کی نشر واشاعت میں مستعد رکھے اور اپنے اسلاف کی علمی امانتوں کے تحفظ کا شعور بے پایاں عطا فرمائے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین۔ ☆

الأستاذ رضوان أحمد الشريفى

بدار العلوم شمس العلوم . غوسى

نحمده ونصلى على رسوله الكريم. أما بعد !

فيا سادتي وإخواني الأعزة فى الدين من الشيوخ الكبار والأساتذة البارعين وطلاب العلوم الدينية، من المعلوم على وجه اليقين أن العالم الرباني والفقيه الأعظم والمحدث الجليل فضيلة الشيخ مولانا أمجد علي القادري الحنفي الشهير بصدر الشريعة رحمه الله تعالىٰ كان من العباقرة وأعلام الفقهاء والمحدثين والعلماء الموسوعين الذين بذلوا حياتهم لخدمة الدين وعكفوا على إحياء السنة ونشر علوم القرآن المجيد والحديث الشريف بعيدين عن كل زخرفة من زخارف الدنيا باذلين كل غال ونفيس فى سبيل الدين والعلم بغاية من الإخلاص. لا يزال يلمع ويتلألأ اسمه على صفحات التاريخ ويبقى اسمه على مرالزمان بخدماته الدينية العلمية الجليلة.

وبمؤهلاته العلمية كان موضع ثقة لسيدنا الإمام أحمد رضا قدس سره، ليس يعنينى أن أذكر خدماته الجليلة بأسرها فى وقت ضيق وبذلك ألقى شيًا من الضوء على خدمة الحديث الشريف أولا إعلموا أن كلمة الحديث فى اصطلاح المحدثين يطلق على قول رسول الله صلى الله عليه وسلم وفعله تقريره. أى ماقاله رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو حديث وما فعله فهو حديث وما قرره أى قال .حد فى حضرته قولا وسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينهه فهو أيضا حديث.

وثانيا أعلموا أن علم الحديث علم شريف القدر وشريف المنزلة ورفيع المكانة وبشرفه إهتم به أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إهتماما جدا واهتم به بعدهم التابعون فحافظوا على السنة رواية ودراية واعتمدوا عليها تشريحا واستنباطا حتى أصبح لهذا العلم الشريف رجاله الذين تخصصوا فيه وعرفوا صحيحه من سقيمه وغثه من سمينه.

والجدير بالذكر ههنا أن الذين قاموا بخدمة السنة النبوية على صاحبها أفضل الصلواة والتسليم هم أصناف شتى من الناس فى سالف الزمان وحاضره يجمعهم هدف واحد وإن تباينت لغاتهم واختلفت ألسنتهم وهو الذود والدفاع عن سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ونفى تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين. ويقتضى هذا الهدف الغالى أن يكون القائم بخدمة الحديث الشريف متضلعا من العلوم الدينية أصولها وفروعها وعالما باللغة العربية علومها وآدابها وحافظا لأسماء الرواة وعالما بتراجمهم وعارفا بثقاتهم من ضعافهم ليخدم الحديث الشريف ويقدمه إلى الناس بصورة صحيحة غير ملتبسة بالسقم.

حينما نطالع حاشية الطحاوى المسماة بكشف الأستار نجد الفقيه الأعظم المحدث الجليل متصفا

بالأوصاف المذكورة لأنه قام بتخريج الأحاديث وتشريح الكلمات الصعبة وإيضاح أسماء الرواة وقام أيضا بتراجم الرواة حيثما مسته الحاجة، ودفع الإعتراضات الواردة والتعارض بين الأحاديث المروية عن الرواة المتلفين، وهذه كلها بعبارات واضحة سهلة.

كشف الأستار ليس شرحا، لكنه مثل الشرح، لأن كل ما يحتاج إليه فى فهم معنى الأحاديث فهو موجود فيه، وبذلك لايحتاج احد من الباحثين والمطالعين عند وجوده إلى شرح وكتاب اخر.

ههنا أقدم نموذجين فحسب يتضح صدق ما قلت فى الفقيه الأعظم وحاشيته كشف الأستار .

(١) إنه كتب الحاشية تحت الحديث الذى روى عن أبى مسعود الأنصارى قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ليلينى منك أولوا الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم. فقال: " قوله ليلينى" قال الطيبى: هو بكسر اللام وتخفيف النون من غير ياء قبل النون ويجوز إثبات الياء مع تشديد النون على التوكيد. كذا قاله النووى. وقال التور پشتى: "من حق هذا اللفظ أن يحذف منه الياء لأنه على صيغة الأمر، وقد وجدناه بإثبات الياء وسكونها فى سائر كتب الحديث والظاهر أنه غلط" إهـ.

اقول: "إن قرئ بإسكان الياء فهو غلط لأنه أمر ويجب فيه حذف الياء وأما إن قرئ بفتح الياء وتشديد النون فهو صحيح . كما قاله النووى" و " الأحلام" جمع "حلم" بالكسر لأنه من الحلم الذى فى معنى الأناة والتثبت فى الأمور وذلك من شعار العقلاء. وقال بعضهم المراد بأولى الأحلام، البالغون، فحينئذ الأحلام جمع حلم بالضم. و "النهى" بضم النون، العقول جمع " نهية " وهى العقل وسمى العقل نهية لأنه ينتهى إلى ما أمر به ولا يتجاوز. وقيل :لأنه ينهى عن القبائح. وقال أبو على الفارسى: يجوز أن يكون النهى مصدر كالهدى وان يكون جمعا كالظلم، فعلى قول من يقول: أولوا الأحلام العقلاء، يكون اللفظان بمعنى واحد، ولما اختلف اللفظ عطف على الأخر تاكيدا فهو من باب "ألفى قولها كذبا ومينا" وهو كثير فى الكلام، وعلى قول من يجعلها بمعنى "البالغين" يكون المعنى ليلينى البالغون العقلاء، وإنما أمرهم ليلوه ليحفظوا صلوته، ويضبطوا الأحلام والسنن التى فيها فيبلغونها، فيأخذ عنهم من بعدهم..

قوله ثم الذين يلونهم الخ. أى الذين يقربون منهم فى النهى والحلم وقيل هم المراهقون ثم الصبيان المتميزون أو الذين أنزلوا مرتبة من المتقدمين حلما وعقلا ثم النساء فإن نوع الذكر أشرف منهن على الإطلاق، ففيه إشارة إلى ترتيب الصفوف. والحاصل أنه أمر صلى الله عليه وسلم بتقديم العقلاء ذوى العرفان ليحفظوا صلوته ويضبطوا الأحلام والسنن فيبلغوا من بعدهم"

أنظروا كيف بحث عن الكلمات وشرحها وكيف أوضح الحديث الشريف؟ ولم يترك أمرا من الأمور التى يحتاج إليها الباحثون والدراسون.

هكذا بحث عن أسماء الرواة فى مواضع كثيرة وقام بتراجمهم بالإيجاز وبتخريج الأحاديث كما كتب الحاشية على قول "سمعت أباحميد الساعدى" فى باب التكبير على صفحة١٣ فقال:

(٢) "قوله أباحميد: ابضم الحاء واسمه عبدالرحمن بن سعد الساعدى الأنصارى: وقيل اسمه

المنذر غلبت عليه كنيته ، مات فى اخر زمن معاوية رضى الله تعالى عنه.

وحديث أبى حميد أخرجه أبوداود عن أمد بن حنبل، وعن مسدد وعن قتيبة عن أبى لهيعة وعن عيسى بن إبراهيم البصرى، وأخرجه الترمذى عن ابن المثنىٰ وابن بشار والحسن بن على الخلال وأخرجه النسائى عن ابن بشار عن يحيىٰ وعن يعقوب بن إبراهيم وأخرجه ابن ماجة عن بندار عن أبى بكر بن أبى شيبة وعلى بن محمد وأخرجه البخارى عن يحيىٰ بن بكير وليس فى رواية البخارى ذكر رفع اليدين عندالركوع وغيره إلا أنه ذكر رفع اليدين عند افتتاح الصلوٰة وقد مر تخريجه وشئ من إختلافاته "فى باب رفع اليدين فى افتتاح الصلوٰة".

فانظروا كيف قام بتخريج الحديث وبين من أخرج الحديث من أعلام المحدثين وعمن أخرجوا من من الرواة بكل تفصيل. وبذلك أقول إن كشف الأستار حاشية لكنه ليس أقل منزلة من شرح لأنه يغنى عن شرح وحاشية أخرى.

فى النهاية أشكر المحدث الكبير فضيلة الشيخ العلامة ضياء المصطفىٰ القادرى مد ظله العالى بأنه قام بتخريج للأحاديث أيضا فى بعض المواضع ورغب عزيزى المؤقر فضيلة الشيخ فيضان المصطفىٰ إلى ترتيب الحاشية كما أهنأ عزيزى المؤقر بأنه قام بترتيبه فأحسن ترتيبه وبذل جهوده الجبارة فى سبيله.

أفاض الله تعالى علينا من بركات الفقيه الأعظم رحمه الله تعالى ومن بركات ابنه المحدث الكبير وزاد عزيزى المؤقر علما وفضلا.

الأستاذ وصال أحمد الأعظمي المصباحي

دارالعلوم غوثية تيغية برسول آباد سلطان فور

صاحب الفضيلة اخى الكريم العلامة فيضان المصطفىٰ القادرى المؤقر (رعاكم الله تعالىٰ)
رئيس تحرير مجلة "امجدية" لثلاثة اشهر الاسلامية المعروفة . تحية وسلاماً !
وبعد فالمنى على الله سبحانه ان تكونوا فى خير وعافية وصحة جيدة .

الي أشعر بغاية من الفرح والسرور أن الحاشية القيمة النافعة البديعة على الطحاوى قد طبعت بمنه وكرمه تعالىٰ وتقدس .

لا شك الكم بذلتم قصارى جهودكم الحثيثة ومساعيكم الجبارة فى ترتيبها وتاليفها وتزئينها ليلا ونهارا . انى أهنئ أخلص التهنئات وأجمل التبريكات فى جنابكم على هذا العمل الصالح وايضاً تستحقون انتم والمحدث الكبير عمت فيوضهم ألوف رحب وتهنئة من قبل اساتذة المدارس الاسلامية وطالبهاخاصاً ختاماً بلّغوا خالص تحياتى الى جميع الاساتذة المخلصين خصوصاً إلىٰ مدير الجامعة وعميدها .والسلام مع فائق الاحترام ☆

صدرالشریعہ سیمینار کی رپورٹ

مورخہ یکم ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۱ر اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ صبح ۱۰ر بجے دن امجدی رضوی مسجد کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں ''صدرالشریعہ اور خدمت حدیث'' کے موضوع پر ایک سیمینار کا انعقاد ہوا۔ حسب دستور تلاوت قرآن اور نعت رسول سے اس کا آغاز ہوا اس کے بعد جامعہ امجدیہ کے سینئر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قبلہ نے اپنا خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا، اور وقت کی نزاکت کا خیال فرماتے ہوئے ساتھ ہی اپنے مقالے کا منتخب حصہ بھی لوگوں کی سماعت کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد مولانا کوثر امام قادری صاحب مہراج گنج کا لکھا ہوا پر مغز مقالہ حضرت مولانا عالمگیر اشرف صاحب مصباحی نے پیش فرمایا، بعدہ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد کے استاذ حضرت مولانا نذیر احمد منانی نے اپنا مقالہ پیش فرمایا۔ پھر اس کے بعد ناظم اجلاس حضرت مولانا عبدالمبین صاحب قبلہ نے اس سیمنار کے روح رواں حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ کے نام کا اعلان فرمایا۔ مولانا موصوف نے اپنے مقالے کا وہ حصہ پڑھنے کے لیے منتخب فرمایا جس میں صدرالشریعہ نے ''اقول'' کہنے کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں کے جگمگاتے جواہر بکھیرے ہیں اور واقعۃً مولانا نے اپنے مضمون کا حق ادا فرمادیا، جس میں تقریر وخطابت کی چاشنی بھی محسوس کی گئی۔ اس کے بعد حضرت مولانا عارف اللہ صاحب استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ نے اپنے مقالے میں مختصراً کشف الاستار کے ۱۲ر ممیّزات کا باحسن وجوہ ذکر فرمایا۔ اور بظاہر دو متعارض حدیثوں میں امجدی تفسیر وتطبیق کو پیش کر کے صدرالشریعہ کے علمی انوار کو لوگوں کے سامنے ظاہر فرمایا۔ پھر ناظم اجلاس نے حضرت مولانا رضوان احمد شریفی کو اپنے تأثرات پیش کرنے کی دعوت دی آپ نے عربی زبان میں حضور صدرالشریعہ کی محدثانہ حیثیت پر پر مغز خطاب فرمایا اور اپنے واردات قلبی کو بڑے دل نشین انداز میں پیش کیا۔ بعدہ حضرت مولانا نصر اللہ صاحب مصباحی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ نے اپنے علمی مقالے کو پیش کیا۔ پھر مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی استاذ جامعہ شمس العلوم گھوسی اپنے تأثرات پیش کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اور حاشیہ طحاوی کشف الاستار کی ترتیب وتحقیق اور اس کی نشر واشاعت کو خانوادۂ امجدی کے لیے ایک قرض قرار دیا جسے فاضل نوجوان حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب نے اپنی شب وروز کی مساعیٔ جمیلہ سے قرار واقعی طور پر ادا فرمادیا۔ پھر مفتی آل مصطفیٰ صاحب قبلہ استاذ جامعہ ہٰذا نے اپنا پر مغز اور تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا ناظم علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور نے دلائل و براہین سے مزین اور حوالات کثیرہ سے مبرہن مقالہ پیش کیا۔ بعدہ حضرت مفتی شمشاد احمد مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ نے اپنا مقالہ پیش فرمایا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ کشف الاستار صرف حاشیہ نہیں بلکہ ایک مکمل ومفصل شرح ہے۔ اور اس کے موجود ہوتے ہوئے اتنے حصہ پر اب مزید کسی شرح کی ضرورت باقی نہیں رہی، اس کے بعد حضرت مولانا قاضی فضل احمد مصباحی استاذ جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کچی باغ بنارس نے اپنے مقالے سے تین موضوع کو پیش کر کے صدرالشریعہ کی علمی تابشوں کو اجاگر کیا۔ اس کے بعد مفتی حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ مصباحی استاذ دارالعلوم اہل سنت فضل رحمانیہ بلرامپور نے آمین بالسر کے تعلق سے صدرالشریعہ کے دلائل ذکر فرمائے اور ان کے ذریعہ سے یہ ثابت فرمایا کہ صدرالشریعہ شارح حدیث بھی ہیں اور مذہب حنفی کے مؤید ومحقق بھی۔ اس کے بعد ...... (بقیہ صفحہ ۲۴۷ پر)

سیمینار میں شریک علمائے کرام

شمار	اسمائے گرامی	پتہ
۱	حضرت مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی	شیخ الحدیث دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی
۲	محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری	بانی طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۳	حضرت مولانا بہاء المصطفے صاحب قادری	جامعۃ الرضا بریلی شریف
۴	حضرت مولانا فداء المصطفے صاحب قادری	مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو
۵	مفتی محمود اختر القادری مفتی رضوی امجدی	دارالافتا قاضی اسٹریٹ۔ ممبئی 3۔
۶	حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۷	حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۸	مولانا عبدالرحمن صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۹	مفتی محمد حبیب اللہ خاں مصباحی	دارالعلوم فیض رحمانیہ پچپڑوا، بلرامپور یوپی۔
۱۰	مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور
۱۱	مفتی بدر عالم صاحب مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور
۱۲	مفتی محمد نسیم صاحب مصباحی	جامعہ اشرفیہ مبارکپور
۱۳	مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	جامعہ عربیہ ضیاء العلوم پچی باغ، بنارس
۱۴	مولانا محمد صدیق صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۱۵	مولانا ال مصطفیٰ مصباحی صاحب	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۱۶	مولانا مفتی شمشاد احمد صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۱۷	مولانا وصال احمد اعظمی مصباحی	دارالعلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد ضلع سلطانپور
۱۸	ڈاکٹر محب الحق قادری	دارالشفاء کریم الدین پور گھوسی، مئو
۱۹	مولانا نصیر الدین مصباحی صاحب	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۲۰	مولانا عبدالمبین صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۲۱	مولانا محمد ابوالفرید رضوی مصباحی	مدرسہ دارالعلوم نعیمیہ صاحب گنج چھپرہ، بہار

شمار	اسمائے گرامی	پتہ
۲۲	مولانا محمد زینی دحلان اعظمی	دارالعلوم شمس العلوم گھوسی
۲۳	مفتی محمد اسلم انصاری منانی برکاتی	دارالعلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد سلطانپور
۲۴	مولانا اشفاق احمد	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۲۵	مولانا محمد جعفر صادق	جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ادری، مئو
۲۶	مولانا محمد خورشید عالم مصباحی	جامعہ رضویہ ضیاء العلوم ادری، مئو
۲۷	مولانا منیر احمد شمسی	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۲۸	مولانا محمد عزیز الرحمن	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۲۹	مولانا عرفان احمد	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۳۰	مولانا بدر عالم برکاتی	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم
۳۱	حافظ شوکت علی	اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد
۳۲	مولانا محمد شعیب برکاتی	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۳۳	مولانا سیف الدین شمسی	جامعہ شمس العلوم گھوسی ضلع مئو
۳۴	مولانا تحریر احمد القادری	مدرس مدرسہ حنفیہ اہلسنت بحر العلوم مئو
۳۵	مولانا عبدالصمد رضوی	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۳۶	مولانا اخلاق برکاتی	گاندھی نگر والی ممبئی ۱۸
۳۷	مولانا وصی احمد	دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی مئو
۳۸	مولانا مقصود احمد	دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی مئو
۳۹	مولانا محمد عاقل امام	دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی مئو
۴۰	مولانا نذیر احمد منانی	دارالعلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو
۴۱	مولانا بدر الدجیٰ رضوی	دارالعلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو
۴۲	مولانا اظہار احمد مصباحی	دارالعلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو
۴۳	مولانا محمد مسیح اللہ فیضی مصباحی	مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو
۴۴	مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو
۴۵	مولانا محمد امجد علی قادری	استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد مئو
۴۶	مولانا محمد صدر الوریٰ قادری	جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

۴۷	مولانا عبدالغفار اعظمی	دار العلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو
۴۸	مولانا محمد فیض الحق اعظمی	صدر المدرسین مدرسہ ضیاء فیض العلوم محمد آباد مئو
۴۹	مولانا مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی	مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو
۵۰	مولانا محبوب احمد عزیزی	مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو
۵۱	مولانا محمد اختر کمال قادری	جامعہ اشرفیہ مبارکپور
۵۲	مولانا کوثر امام قادری	دار العلوم قدوسیہ پرسونی بازار مہراج گنج
۵۳	مولانا نصر اللہ رضوی	مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ
۵۴	مولانا محمد مرغوب حسن قادری ادروی	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۵۵	مولانا ممتاز احمد نوری	مدرسہ اہلسنت بحر العلوم مئو
۵۶	مولانا کمال اختر اشرفی	کریم الدین پور بکھی گھوسی مئو
۵۷	مولانا وفاء المصطفیٰ امجدی	دار العلوم ضیاء الاسلام بیلیلیس روڈ ہوڑہ
۵۸	مولانا محمد ہارون	مدرسہ ضیاء العلوم گوٹھا مئو
۵۹	مولانا عبد المنان	مدرسہ شمسیہ رضاء العلوم بہادر گنج غازیپور
۶۰	مولانا محمد صابر القادری	الجامعۃ الغوثیہ مقام سیراھی ضلع مدھوبنی
۶۱	حافظ محمد صابر علی	مدرسہ احسان العلوم گھوسی مئو
۶۲	حافظ محمد ایوب	مدرسہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئو
۶۳	مولانا عرفان المصطفیٰ ازہری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۴	مولانا ابو یوسف محمد ازہری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۵	مولانا مقصود اختر قادری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۶	مولانا نوید اختر قادری	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۷	مولانا عالمگیر اشرف صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۸	مولانا عارف صاحب مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۶۹	حضرت قاری احمد جمال صاحب	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۷۰	حافظ سمیع اللہ صاحب امجدی	جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۷۱	مولانا محمد صفاء المصطفیٰ امجدی	کلکتہ
۷۲	مولانا ارشاد احمد صاحب	کریم الدین پور بکھی

علمِ حدیث میں صدرُ الشریعہ کی تحقیقات
تالیف
مولانا فیضانُ المصطفےٰ قادری
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بحمدہ تعالیٰ اس وقت آپ کے پیش نظر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ان تحقیقی مباحث ودلائل کا خزینہ ہے جو آپ نے
کشف الاستار میں درج فرمائے ہیں۔ ان مباحث کے مطالعہ کے بعد آپ مذہب حنفیت کی صرف قوت استدلال ووقت
نظر ہی کو محسوس نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ کو کتاب وسنت کے موافق ومخالف مفاہیم پر وسعت نظر، امعان فکر، نیز ان میں تطبیق
وتوفیق، ترجیح وتنقیح، دفع ایرادات، کشف مبہمات وغیرہ جیسے مسائل میں مذہب حنفی کی برتری کا اعتراف کرنا پڑے گا۔
عزیز گرامی قدر مولانا فیضان المصطفیٰ قادری سلمہ اللہ ربہ نے اپنی کاوش سے کشف الاستار کے ان دقیق علمی مباحث کو بہت
ہی خوبصورت اور آسان پیرایہ میں ذکر کرکے ہم پر احسان کیا ہے، کہ کشف الاستار کی اشاعت اور اس کے خاص ابحاث
وتحقیقات کو منظر عام پر لاکر انھوں نے حضور صدر الشریعہ کی امانتیں قوم کے حوالہ کردی ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان کے دین ومذہب اور تحقیق وتفتیش کے اہم ترین کاموں میں خوب برکت، اور ان کی فکر اور زور قلم کو مؤثر ومقبول
بنائے۔ (آمین) وما التوفیق الا باللہ۔
فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ ۲۰ شوال المکرم
DAIRATUL MA'ARIFIL AMJADIA
Ghosi Distt. Mau, U.P.